ندوۃ المصنفین دہلی کا علمی و دینی ماہنامہ

مرتبہ

سعید احمد اکبرآبادی

برہان

جلد ۷۵ | ماہ جمادی الآخر ۱۳۹۵ھ مطابق جولائی ۱۹۷۵ء | شمارہ ۱

فہرست مضامین

نظرات — سعید احمد اکبر آبادی — ۲

مقالات

عہد نبوی کے غزوات و سرایا اور ان کے مآخذ پر ایک نظر — ” ” — ۶

حدیث کا درایتی معیار — مولانا محمد تقی امینی ناظم سنی دینیات مسلم یونیورسٹی علی گڑھ — ۱۸

بحر العلوم عبد العلی محمد فرنگی محلی — ڈاکٹر محمد اقبال انصاری صدر شعبہ اسلامیات مسلم یونیورسٹی۔ علی گڑھ — ۳۳

ادبی مصادر میں آثار عمرؓ — ڈاکٹر ابو النصر محمد خالدی صاحب عثمانیہ یونیورسٹی حیدر آباد — ۴۳

عالمی اسلامی کانفرنس "عراق میں نوروز" — مولانا مفتی عتیق الرحمٰن صاحب عثمانی

تبصرے — س ع

ادسے اسلام محفوظ نہیں رہ سکتا تھا، یہ سب کاروان درکاروان اس دورِ جدید کے جلو میں تھے،
اس بنا پر مصلحت شناسی اور دور اندیشی کا تقاضا تھا کہ دیوبند و ندوہ یہ محسوس کرتے کہ بحیثیت
ایک تحریک کے ان دونوں کا عہد ختم ہو گیا اور اب اگر ان کو زندہ رہنا ہے اور یقیناً رہنا ہے
تو ان کو دورِ جدید کے حالات و مقتضیات کے پیش نظر کم و کیف کے اعتبار سے اپنی تنظیم و تعمیرِ نو
اور تشکیلِ جدید کرنی ہے، یہ وہ زمانہ ہے جس میں ایک طرف عرب و عجم کی حد بندیاں ختم ہو گئی
ہیں اور دوسری جانب علوم قدیمہ و جدیدہ کے درمیانی فاصلے کم ہو گئے ہیں اور مشرق و مغرب
کی زبانیں باہم گربغلگیر ہو رہی ہیں، اس بنا پر دینی اور اسلامی علوم و فنون کی کسی ذمہ دار اور بلند مرتبت
درس گاہ کی کوئی تنظیم و تعمیرِ جدید اُس وقت تک پائدار، مضبوط اور توانا نہیں ہو سکتی جب تک اس
کا بنیاد دورِ جدید کے ان مخصصات و ممیزات کے قوی احساس پر نہ ہو۔

دیوبند کی حیثیت ندوہ کے مقابلہ میں ایک برادرِ بزرگ کی ہے، کیونکہ یہ قد و قامت اور
سن و سال میں ندوہ سے بڑا ہے، ۱۳۲۷ھ میں اس کا نہایت عظیم الشان جلسۂ دستار بندی منعقد
ہوا تھا جس نے دیوبند اور علی گڑھ دونوں کو ایک ڈائس پر لا بٹھایا تھا اور پورے ملک
میں اس کا غلغلہ برپا ہو گیا تھا۔ اور ۱۹۱۲ء میں ندوہ کا ایک نہایت عظیم الشان جلسہ لکھنؤ میں
ہوا تھا جس کی صدارت کے لئے علامہ رشید رضا صاحب المنار مصر سے تشریف لائے تھے۔
اس جلسہ نے سارے ملک کی نگاہیں ندوہ پر مرکوز کر دی تھیں۔ دیوبند نے اپنی عمر کے سو برس اور
ندوہ نے ایک پون صدی پوری کر لی۔ حالات اور تنظیم نو کی ضرورت کا تقاضا تھا کہ جشن سیمین کے نام
سے ان کا ایک عالمی جلسہ منعقد کیا جاتا، دیوبند تو ابھی تک تجویز اور اندیشۂ سود و زیاں کے مرحلہ میں
ہے لیکن بڑی خوشی کی بات ہے کہ ندوہ نے پہل کر دی ہے اور جیسا کہ اخبارات و اعلانات
سے معلوم ہوا ہوگا۔ اکتوبر میں جشن ...

نظرات

یوں تو مدارس عربیہ برصغیر ہند و پاک میں چپہ چپہ پر پھیلے ہوئے ہیں، لیکن مرکزی درسگاہیں جو بین الاقوامی شہرت وعظمت رکھتی ہیں، دو ہی ہیں، ایک دارالعلوم دیوبند اور دوسرا دارالعلوم ندوۃ العلماء۔ دنیا میں کوئی تعلیم، خواہ دینی ہو یا دنیوی اپنے عہد کے حالات اور سوسائٹی کی ضرورتوں اور رجحانات سے بے نیاز نہیں رہ سکتی۔ اور اگر کوئی تعلیم ایسی ہے تو اس کو زندہ ہرگز نہیں کہا جا سکتا۔ اور وہ اس شعر کا مصداق ہوگی۔

ہر نفس عمر گذشتہ کی ہے میت فانی
زندگی نام ہے مر مر کے جئے جانے کا

اس بنا پر دیوبند اور ندوہ دونوں اپنے عہد کی دو عظیم الشان تحریکیں اور دین اور علوم اسلامیہ کی طرف سے ان حالات کا جواب تھیں جو ۱۸۵۷ء کے بعد برصغیر میں اور اس سے پہلے یا اس کے بعد سے پورے عالم اسلام میں پیدا ہو رہے تھے اور دنیا جانتی ہے کہ اس حیثیت سے ان دونوں درسگاہوں کا یہ عہد کس درجہ عظیم الشان اور کامیاب رہا ہے، اس عہد میں دیوبند اور ندوہ کی دینی اور اسلامی خدمات اسلامیانِ برصغیر ہند و پاک کی گذشتہ ہشتصد سالہ تاریخ کا وہ روشن باب ہیں جسے فراموش نہیں کیا جا سکتا۔

لیکن ۱۹۴۷ء پر یہ عہد ختم ہو گیا اور اب ایک نیا دور شروع ہوا۔ اس میں ملکوں کی آزادی وخود مختاری، علوم وفنونِ جدیدہ کی گرم بازاری، سائنس اور ٹکنالوجی کی معجز نمائیاں، سماجی اور اقتصادی حالات میں بحران وتلاطم اور ان سب کے زیر اثر انسانی افکار وخیالات میں حشر سامان مد وجزر چین

مولانا ابوالحسن علی میاں (اطال اللہ بقاءہٗ) نے اپنی زندگی میں بڑے بڑے شاندار کارنامے انجام دیے ہیں، امید ہے کہ ان کی ہمت اور حوصلہ کے سہارے ندوہ کا یہ جشن سیمیں جس میں پانچ چھ لاکھ روپئے کے خرچ کا اندازہ ہے بہمہ وجوہ کامیاب رہے گا۔ لیکن ہندوستان کے ارباب خیر مسلمانوں کو بھی اس موقع پر اپنی ذمہ داری کا احساس ہونا چاہئے، بیرون ہند سے جو حضرات اس میں شریک ہوں گے وہ صرف ندوہ کے نہیں بلکہ ہندوستان کے سب مسلمانوں کے مہمان ہوں گے جن کی کما حقہ ضیافت اُن کا فرض ہے، اس سلسلہ میں مولانا کی اپیل اخبارات میں شائع ہو رہی ہے، امید ہے کہ مسلمان اس اپیل کا خاطر خواہ اثر لیں گے اور ارباب ندوہ سے دامے، درمے، قدمے ہر ممکن تعاون کریں گے۔

ندوۃ العلمار کی بیرونی ممالک اور خصوصاً عرب ممالک میں جو شہرت وعظمت ہے پھر مولانا سید ابوالحسن علی میاں کو اللہ تعالیٰ نے اُن کی غیر معمولی علمی، تعلیمی اور دینی اور بے لوث وبے غرض شخصیت کے باعث عرب ممالک میں جو مقبولیت اور ہر دلعزیز فرمائی ہے اُس کی وجہ سے امید قوی ہے کہ ندوہ کا یہ جشنِ سیمیں نہ صرف ندوہ کے لئے مسلمانانِ ہند کے لئے تاریخ کا ایک اہم موڑ ثابت ہوگا۔ اور اس سے بڑے اہم نتائج یہ ہوں گے، ہندوستان کی مختلف اسلامی جماعتوں اور اداروں میں اس سے اتحاد اور اشتراک کی راہ ہموار ہوگی اور دوسری جانب عرب ملکوں کے مسلمانوں اور یہاں کے مسلمانوں میں روابط استوار ہوں گے، اور ندوہ کی تعمیر وتنظیم جدید سے دینی اور اسلامی علوم وفنون کی تعلیم میں زندگی اور نئی روح پیدا ہوگی، اس لئے ہم اس تجویز کا بڑی مسرت اور خوشی سے خیر مقدم کر ہیں اور اس کی بہمہ وجوہ کامیابی کے لئے دعاگو ہیں۔

جیسا کہ ہم نے ندوۃ العلمار میں اپنی حالیہ تقریر (یہ تقریر جون کی تو "تعمیر حیات" میں شائع ہوچکی ہے) کہا تھا کہ دیوبند ہو یا ندوہ آج مدارس عربیہ کا سب سے بڑا المیہ یہ ہے کہ طلبار میں عموماً نہ غیرتِ دینی ہے اور نہ ذوقِ علمی، وہ اپنے اور اپنے علوم وفنون سے متعلق احساسِ کمتری وہیچمیرزی میں مبتلا ہوتے ہیں اور ظاہر ہے یہ احساسِ کمتری سو بیماریوں کی ایک بیماری ہے، اس احساس کے اسباب خارجی ہیں اور داخلی بھی، جہاں تک خارجی اسباب کا تعلق ہے ان کی اصلاح ہماری دسترس سے باہر ہے، البتہ داخلی اسباب جن کا تعلق اساتذہ کی سیرت، نصابِ تعلیم، اور مدارسِ عربیہ کے ماحول (جس میں طلبار کی ذہنی اور اخلاقی و دینی تربیت کا اہتمام نہیں ہوتا) سے ہے ان کی اصلاح ہمارا فرض ہے، اس بنا پر ہمیں امید رکھنی چاہئے کہ تنظیم وتعمیر کے اس موقع پر ان باتوں کا بھی خیال رکھا جائے گا۔

اسباب فتح عظیم اب اس پر غور کرنا چاہئے کہ اس عظیم الشان فتح کے اسباب کیا ہیں ؟ قرآن مجید کے بیان کے مطابق اس موقع پر اللہ تعالیٰ نے لگاتار فرشتے بھیجے تھے چنانچہ ارشاد ہے :

اِذْ تَسْتَغِيْثُوْنَ رَبَّكُمْ فَاسْتَجَابَ لَكُمْ اَنِّىْ مُمِدُّكُمْ بِاَلْفٍ مِّنَ الْمَلٰٓئِكَةِ مُرْدِفِيْنَ ۝ وَمَا جَعَلَهُ اللّٰهُ اِلَّا بُشْرٰى وَلِتَطْمَئِنَّ بِهٖ قُلُوْبُكُمْ وَمَا النَّصْرُ اِلَّا مِنْ عِنْدِ اللّٰهِ اِنَّ اللّٰهَ عَزِيْزٌ حَكِيْمٌ ۝ (الانفال)

یاد کرو کہ جب تم اپنے رب سے فریاد کر رہے تھے، اس نے تمہاری فریاد سنی اور کہا: میں ایک ہزار فرشتوں سے تمہاری مدد کروں گا جو لگاتار آتے رہیں گے اور اللہ نے یہ صرف اس لئے کیا کہ تمہارے دلوں کو اطمینان اور خوشخبری ہو، اور فتح تو صرف اللہ کی دین ہے، بیشک اللہ اپنے ارادوں میں غالب اور حکیم ہے۔

لیکن یاد رکھنا چاہئے کہ فرشتے امداد و نصرت خداوندی کی علامت ہیں ۔ جیسا کہ مذکورۂ بالا آیت میں "وَمَا النَّصْرُ اِلَّا مِنْ عِنْدِ اللّٰهِ" سے ثابت ہے ، اور پھر آیت میں یہ بھی فرمایا گیا کہ اللہ تعالیٰ نے فرشتوں کے ذریعہ تمہاری مدد اس لئے کی تھی کہ تمہارے دلوں کو ڈھارس رہے اور تم پر بزدلی طاری نہ ہو۔ لیکن سوال یہ ہے کہ آخر غزوۂ احد میں بھی تو یہی پیغمبر اور یہی مجاہدین تھے اور دشمن بھی یہی لوگ تھے، پھر وہاں فرشتوں کی مدد کیوں نہیں آئی اور مسلمان عروس کامرانی سے ہم کنار نہ ہو سکے ؟

اصل حقیقت یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی ایک سنّت (دستور، قانون، طریقہ) ہے جس میں کبھی تغیر و تبدل نہیں ہوتا ۔ ارشاد ہے :

لَنْ تَجِدَ لِسُنَّةِ اللّٰهِ تَبْدِيْلًا ۝　　تم ہرگز اللہ کی سنت میں تبدیلی نہیں پاؤ گے

لَنْ تَجِدَ لِسُنَّةِ اللّٰهِ تَحْوِيْلًا ۝　　" " " "

وہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ مدد انھیں لوگوں کی کرتا ہے جو اپنی مدد حسن تدبیر اور عملی جد و جہد کے

عہد نبوی کے غزوات وسرایا اور ان کے ماخذ پر ایک نظر

(۱)

سعید احمد اکبرآبادی

حبشہ میں مسرت

غزوۂ بدر میں اسلامی لشکر کی فتح کی خبر دور دور پہونچی۔ چنانچہ البدایۃ والنہایۃ (ج ۳ ص ۳۰۸) میں ایک روایت ہے کہ شاہ حبش (نجاشی) کو اس کے ایک مخبر نے اس کی اطلاع دی تو نہایت مسرور ہوا اس نے فوراً حضرت جعفر بن ابی طالب اور ان کے رفقاء کو بلاکر ان سے کہا کہ آپ لوگوں کو خوشخبری ہو۔ میرے ایک مخبر نے مجکو آکر بتایا ہے کہ بدر کے میدان میں ابھی حال میں ایک سخت جنگ ہوئی تھی، اس میں خدا نے اپنے نبی کی مدد کی اور ان کے دشمنوں کو ہلاک کردیا۔ اور فلاں فلاں سردار مارے گئے، نجاشی اس وقت پھٹے پرانے کپڑے پہنے زمین پر بیٹھا تھا۔ حضرت جعفر نے پوچھا: "یہ کیا!" جواب دیا: "اللہ تعالیٰ نے حضرت عیسیٰ کے ذریعہ ہم کو بتایا ہے کہ تحدیث بالنعمۃ کا طریقہ یہ ہے، اللہ نے چونکہ اپنے نبی کو فتح دی ہے اس لئے میں اس کا شکرانہ اس طرح ادا کر رہا ہوں۔"

شعرا نے دونوں طرف کثرت سے اشعار اور قصائد لکھے جو سیرت ابن ہشام، البدایۃ والنہایۃ اور دوسری کتب سیر و مغازی میں منقول ہیں۔

رہیبت زدہ کردیتی تھی، چنانچہ ایرانی فوج کے سپہ سالار (رستم) نے ان کو دیکھکر کہا تھا کہ
ں قوم نے موت کو اپنا معشوق بنالیا ہو اسے کون شکست دے سکتا ہے، یہی وجہ تھی کہ
دۂ بدر میں دشمن کثرتِ تعداد کے باوجود انھیں ایک مختصر فوج کی شکل میں نظر آیا اور اس کے
لس یہ قلت تعداد کے باوصف دشمن کو بھاری بلکہ کم اور کثیر نظر آئے۔ قرآن مجید میں ارشاد ہوا:

اِذْ یُرِیْکُمُوْهُمْ اِذِ الْتَقَیْتُمْ فِیْٓ اَعْیُنِکُمْ قَلِیْلًا　　اور یاد کرو اس وقت کو جب کہ خدا تمھاری آنکھوں میں دشمن کی فوج کو کم دکھا رہا تھا۔

راس کے برعکس:

یَرَوْنَهُمْ مِّثْلَیْهِمْ رَاْیَ الْعَیْنِ　　دشمن مسلمانوں کو اپنے سے دگنا دیکھ رہے تھے۔

ریش میں بے یقینی اور تردد و تذبذب کی کیفیت ایک طرف صحابہ میں ایمان و یقین اور عزم و ثبات کا یہ عالم تھا اور دوسری جانب قریش کا یہ حال تھا کہ ان کے سامنے چونکہ کوئی بلند نصب العین نہیں تھا۔ حضور اور صحابہ کی بے لوث اور اعلیٰ اخلاق و بلند کردار کی زندگی کا ن کے نہاں خانۂ قلب میں اعتراف موجود تھا اور جن سے وہ لڑنے جا رہے تھے ان میں بہت سے لوگ انھیں کے بھائی بند اور رشتہ دار تھے۔ اس بنا پر ابوجہل کے اکسانے پر یہ وقتی اور ہنگامی جوش میں مکہ سے تو چل پڑے، لیکن اُن کے دلوں میں بے یقینی اور تردد و تذبذب کی کیفیت تھی جس کا نتیجہ نفسیات کی اصطلاح میں بادل ناخواستہ بہادری (Reluctant Bravery) ہوتا ہے، چنانچہ جیسا کہ گذر چکا ہے، مکہ میں بعض لوگوں نے ابوجہل کی مخالفت ں راستہ میں ایک قبیلہ کے لوگ اُس سے الگ ہو گئے اور جنگ کے شروع ہونے سے بل بعض بااثر لوگوں نے اُس کو جنگ سے باز رہنے کی فہمائش کی اور عتبہ بن ربیعہ نے اس موقع پر ایک نہایت پرزور خطبہ دیا[1]۔ اور دوسروں کا کیا ذکر! خود ابوجہل کے قلب میں

---

[1] سیرت ابن ہشام ج ۲ ص ۲۷۵

ذریعہ کرتے ہیں۔ قرآن میں ہے: "خدا کسی قوم کی حالت اس وقت تک بدلتا جب تک وہ خود اپنی حالت کو نہ بدلے"۔ ایک اور جگہ ارشاد ہے: "انسان کو وہی چیز ملتی ہے جس کی وہ کوشش کرتا ہے" اور یہ ایک دو آیتیں کیا پورا قرآن ہی دعوتِ ایمان و عمل ہے۔ اسی مضمون کو اس طرح بھی کہا جاسکتا ہے کہ دنیا میں ہر کامیابی و ناکامیابی کے لئے دو قسم کے اسباب ہوتے ہیں ایک اسباب ظاہری اور دوسرے اسباب معنوی۔ انسانی سعی و عمل کا شمار اسباب ظاہری میں ہے اور خدا کی نصرت و مدد جس میں امورِ کوینیہ بھی شامل ہیں اسباب معنوی میں داخل ہیں۔ سنتِ الٰہی کے مطابق اسباب معنوی کا ظہور اسی وقت ہوتا ہے جبکہ انسان پہلے اپنے لئے اسباب ظاہری مہیا کرے۔ یہی مطلب ہے اس آیت کا:

اِنْ تَنْصُرُوا اللّٰہَ یَنْصُرْکُمْ — اگر تم اللہ کی مدد کروگے تو اللہ بھی تمہاری مدد کرے گا۔

یہ کہنے کی ضرورت اس لئے پیش آئی کہ ایک طرف مستشرقین ہیں جو اسباب مادی کے علاوہ کسی اور چیز کے قائل نہیں اور دوسری جانب بدقسمتی سے مسلمانوں میں ایک بڑا طبقہ ہے جس نے زندگی میں فتح و کامرانی اور حصول مراد و تمنا کا انحصار اسباب روحانی پر اٹھا کر رکھ دیا ہے۔

ایمان و یقین

بدر میں فتح کے اسباب ظاہری حسب ذیل تھے:

صحابہ کا اللہ اور یوم آخرت پر ایمان۔ اور اس بات کا یقینِ کامل کہ ان کی حیات اور موت سب رضائے رب کے لئے ہے، جامِ شہادت نوش کرتے وقت ان کے ہر بنِ مو سے جو صدا آتی تھی وہ یہی تھی کہ:

جان دی، دی ہوئی اسی کی تھی
حق تو یہ ہے کہ حق ادا نہ ہوا

اس بنا پر ان کے دلوں میں تردد و تذبذب نہیں تھا بلکہ اپنے مقصد کی صداقت پر جزم و اذعان تھا اور ان میں باہم اتحاد اور یک جہتی تھی، ان کی یہی وہ صفت تھی جو نفسیاتی حیثیت سے دشمن کو مرعوب

حضرت زبیر بن عوّام کے کاندھے پر دو زخم اتنے بڑے اور گہرے تھے کہ ان کے صاحبزادہ حضرت عُروہ کا بیان ہے کہ میں بچہ تھا تو ان زخموں سے کھیلتا اور ان میں اپنی انگلیاں داخل کر دیتا تھا۔ یہ دونوں زخم انھوں نے غزوۂ بدر میں کھائے تھے، لیکن اس کے باوجود کثرت استعمال سے ان کی تلوار پر اتنے دندانے پڑ گئے تھے کہ وہ غزوۂ بدر کی یادگار کے طور پر محفوظ کر لی گئی اور خلفائے بنی امیہ تک اُس کی زیارت کرتے تھے[1]۔ حضرت معاذ بن عمرو بن الجموح کے متعلق روایت ہے کہ لڑتے لڑتے ہاتھ کٹ گیا مگر پروانہ کی اور برابر لڑتے رہے۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی کمانڈ[2] کوئی فوج کیسی ہی منظم، طاقتور اور بہادر ہو، لیکن اگر اُس کی قیادت (Command) اعلیٰ نہیں ہے تو اُس سے خاطرخواہ نتائج کی توقع نہیں ہوسکتی، غزوۂ بدر میں اسلامی فوج کی عظیم الشان فتح کا ایک بڑا سبب یہ بھی تھا کہ اس کی قیادت براہ راست آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے کی تھی اور ایسے اعلیٰ پیمانہ پر کی تھی کہ دنیا کے بڑے بڑے قائدینِ جنگ عش عش کر اٹھے، یوں تو یہ سب حضرات آپ کے دامانِ تعلیم و تربیت کے پروردہ تھے ہی۔ جنگ کے موقع پر آپ نے اُن کی جو قیادت فرمائی اُس کے نمایاں خدوخال یہ چیزیں ہیں:

(۱) جنگ کے لئے بہترین جگہ کا انتخاب فرمایا جہاں سے دشمن پر پانی کی سپلائی کو روکا جاسکتا تھا۔

(۲) لشکر قریش میں روزانہ کتنے اونٹ ذبح ہوتے ہیں؟ اس سے آپ نے لشکر کی تعداد کا صحیح اندازہ لگالیا۔

---

[1] صحیح بخاری غزوۂ بدر

[2] اس موضوع پر میجر محمد اکبر کی کتاب "حدیث دفاع" پڑھنی چاہیئے جس میں انھوں نے ثابت کیا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اپنے وقت کے بہترین ماہرِ فنِ حرب تھے۔

یک گونہ انفعالی کیفیت موجود تھی، بعض مورخین کا بیان ہے کہ اخنس بن شریق جو راستہ میں اپنے قبیلۂ بنو زہرہ کو لیکر لشکرِ مکہ سے الگ ہوگیا تھا، جنگ شروع ہونے سے پہلے بدر آیا اور ابوجہل سے تخلیہ میں یہ گفتگو کی۔

اخنس: اے ابوالحکم (ابوجہل کی کنیت) کیا واقعی تم محمد کو کاذب سمجھتے ہو!

ابوجہل: اللہ کے بارہ میں محمد کیونکر جھوٹ بول سکتے ہیں، حالانکہ ہم نے ان کا نام "الامین" رکھ چھوڑا تھا، انھوں نے کبھی جھوٹ نہیں بولا، لیکن بنی عبدمناف میں سقایت، رفادت، حجابت، اور مشورہ (مکہ سوسائٹی کے نہایت معزز امتیازات اور عہدے) یہ سب جمع ہوگئے ہیں، تو اب اگر نبوت بھی انھیں میں رہی تو ہمارے لئے کیا باقی رہے گا۔[1]

صحابہ کی شجاعت شجاعت اور دلیری میں قریش عرب میں ممتاز تھے اور اس میں کوئی شبہ نہیں کہ اس موقع پر بھی انھوں نے اس کا مظاہرہ کرنے میں کوئی دقیقہ فروگذاشت نہیں کیا، بڑی ہمت اور جی داری سے لڑے، لیکن صحابہ نے جس انداز سے دادِ شجاعت و بہادری دی اور جس پامردی سے تعداد اور ساز و سامان دونوں میں اپنے سے کہیں برتر اور طاقتور حریف کا مقابلہ کیا ہے وہ ایمان و یقین اور ایک اعلیٰ نصب العین زندگی کے ساتھ والہانہ وابستگی کی روشن دلیل ہے، حضرت علی اور حضرت حمزہ کا حال تو یہ تھا کہ بجلی کی طرح کوندتے تھے، جس طرف کا رخ کرلیا، میدان صاف کردیا، حضرت عُکّاشہ بن محصن جو بنی عبدشمس بن عبدمناف میں سے تھے انھوں نے تیغ زنی کے وہ جوہر دکھائے کہ تلوار ٹوٹ گئی، حضور کو اطلاع ہوئی تو آپ نے ایک درخت کی جڑ اُن کو تھما دی اُن کے لئے یہ جڑ ہی تلوار تھی، اسی سے دشمن کا مقابلہ کرتے رہے، اس کا نام العون رکھا، جس غزوہ میں جاتے تھے اسے ساتھ رکھتے تھے۔[2]

---

[1] غزوۂ بدر محمد احمد باشمیل ص ۱۵۲

[2] سیرت ابن ہشام ج ۲ ص ۲۹۰

چنانچہ منازلت کے بعد صفوں میں ذرا بے ترتیبی پیدا ہوگئی تھی، حضورؐ تشریف لائے اور صفیں درست کردیں۔

مستشرقین کا اعتراف

ہم نے اوپر جو اسباب فتح بیان کئے ہیں، مستشرقین بھی انھیں تسلیم کرتے ہیں، چنانچہ پروفیسر مونٹگمری لکھتے ہیں:

"متعدد اسباب اور عوامل ہیں جو مل جل کر اس شاندار فتح کا باعث ہوئے ہیں ان میں سے ایک یہ ہے کہ قریش میں آپس میں اتحاد نہیں تھا۔ جو لوگ لشکر سے الگ ہوگئے ان کی وجہ سے لشکر کی تعداد نو سو پچاس سے گھٹ کر چھ سو یا سات سو رہ گئی، اور ان میں بھی بہت سے لوگ دل سے ابوجہل کے طرفدار اور حامی نہیں تھے، پھر یہ لوگ اپنے سے متعلق حد سے زیادہ خود اعتمادی بھی رکھتے تھے، ایسے دشمن کے مقابلہ میں مسلمانوں کی اسپرٹ دیکھنی چاہیئے، ان لوگوں کے عقیدۂ آخرت نے جنگ میں ان کو بہت زیادہ بہادر اور حوصلہ مند بنا دیا تھا، اور محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کے اعتماد نے ان میں خود اعتمادی کی روح بھر دی تھی، محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کی جنگی قیادت بھی اعلیٰ درجہ کی تھی جس سے مسلمانوں کو بہت فائدہ پہونچا، یہ وہ خاص اسباب ہیں جو مسلمانوں کی فتح کا باعث نظر آتے ہیں[1]"

اسباب کونیہ

انسان خلوصِ نیت سے اور فطرت کے توانین طبیعی کے مطابق حسنِ عمل اور جد و جہد میں کوئی دقیقہ فروگذاشت نہیں کرتا تو قدرت بھی اس کی تائید اور مدد کرتی ہے۔ چنانچہ یہاں بھی ایسا ہی ہوا۔ جس روز صبح کے وقت جنگ ہونے والی ہے اس سے پہلی شب میں اگر سپاہ کو نیند نہ آئے تو اس کی طبیعت کسلمند ہو جاتی ہے اور اس کا اثر جنگ

---

[1] Mohammad at Medinah P: 13.

(۳) لشکر میں کون کون سے قریش کے جیالے ہیں اور اُن کے پاس کیا کیا سازو

ہے؟ ایک جاسوس کے ذریعہ آپ نے اس کا پتہ چلالیا۔

(۴) اپنی بصیرتِ خداداد سے میدان جنگ میں گھوم پھر کر آپ نے یہ بھی بتادیا کہ سرد

قریش میں سے کون کہاں مارا جائے گا (صحیح بخاری وسیرت ابن ہشام وغیرہ)

(۵) مزید برآں آپ کو یہ بھی معلوم تھا کہ لشکر قریش میں کون کیسا ہے۔ چنانچہ بعض لو

کے متعین طور پر نام لیکر آپ نے ہدایت فرمائی کہ انھیں قتل نہ کیا جائے کیونکہ وہ بادل نخوا

لشکر کے ساتھ آگئے ہیں۔

(۶) جب جنگ شروع ہونے کا وقت آیا تو آپ نے ایک نہایت پرزور اور ولولہ

خطبہ ارشاد فرمایا۔ جس سے لشکر اسلامی کا حوصلہ بڑھا اور ان میں غیر معمولی جوش پیدا ہوگیا۔

(۷) اس کے بعد خود گھوم پھر کر صفوں کی نہایت اعلیٰ پیمانہ پر ترتیب کی اور پورے لشکر کو میمنہ

میسرہ وغیرہ حصوں میں تقسیم کیا، جنگ کا نعرہ "احد احد" متعین فرمایا۔ منازلت کے لئے جو

مقرر فرمائے، زخمیوں کے لئے طبی امداد کا انتظام کیا، مدینہ سے ربط قائم رکھنے کا بندوبست

لشکر کے لئے سامان رسد کے پہونچنے کا اہتمام کیا گیا (التراتیب الاواریہ للکتانی) علاوہ از

آپ نے لشکر کو مندرجۂ ذیل ہدایات دیں:

(الف) جب تک دشمن جنگ میں پہل نہ کرے تم نہ کرنا۔

(ب) دشمن فاصلہ پر ہو تو خواہ مخواہ تیر اندازی کر کے ترکش خالی نہ کرنا۔

(ج) دشمن پیشقدمی کرے تو فاصلہ کی مناسبت سے حسب ضرورت ومصلحت پہلے تیر،

نیزے اور اس کے بعد تلواروں سے کام لینا۔

کسی ماہر جنگ سے پوچھئے کہ فنی طور پر ان ہدایات کی کیا اہمیت ہے۔

جب جنگ شروع ہوگئی تو آپ اپنی قیام گاہ عریشہ سے اُس کی برابر نگرانی فرماتے رہے اور

اگر کوئی ضرورت ہوئی تو فوراً آپ میدان میں پہونچ گئے اور صورتِ حال کی اصلاح کردی،

نتیجہ ہے، لیکن ساتھ ہی خدا کی مدد (اسباب معنویہ) یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اس طالب علم کو ذہانت دی، حافظہ دیا، صحت عطا فرمائی اور اعلیٰ تعلیم و تربیت کے مواقع مہیا کیے۔ طالب علم کا کمال یہ ہے کہ اُس نے خدا کی ان نعمتوں سے فائدہ اٹھایا اور اپنے عمل اور جد و جہد کے ذریعہ خدا کی بخشی ہوئی صلاحیتوں کو پروان چڑھایا۔ اب پورا قرآن پڑھ جائیے، آپ دیکھیں گے کہ انسانی عمل اور جد و جہد اور اُس پر ثواب و عقاب سے متعلق اُس کی تعلیمات کا خلاصہ یہی ہے، اس سلسلہ میں کسی قدر تفصیل سے گفتگو کرنے کی ضرورت اس لئے پیش آئی کہ غزوۂ بدر سے متعلق آیات میں ایک آیت ہے: "مَا النَّصْرُ اِلَّا مِنْ عِنْدِ اللّٰہِ" اکثر واعظین اس آیت کا نہایت غلط اور گمراہ کن مطلب بیان کرتے ہیں، ان کے نزدیک اسباب ظاہرہ کی کوئی حیثیت ہی نہیں ہے۔

غزوۂ بدر کے نتائج

یہ جنگ دینی اور سیاسی دونوں حیثیتوں سے نہایت اہم تھی۔ صرف تاریخِ اسلام ہی نہیں۔ بلکہ تاریخِ عالم میں اگر اس کو نیا موڑ اور ایک عظیم الشان انقلاب کا پیش خیمہ کہا جائے تو اس میں ذرا مبالغہ نہیں ہوگا۔

اولاً دینی حیثیت کو لیجئے! جیسا کہ ہم بتا چکے ہیں غزوۂ بدر کا مقصد ہرگز اہل مکہ کو اسلام قبول کرنے پر مجبور کرنا نہیں تھا۔ بلکہ اسلام اور مسلمانوں کے ساتھ اُن کی شدید مخاصمت کا جواب دینا اور اپنے تبلیغ و اشاعتِ اسلام کی آزادی اور حریت ضمیر کا حق حاصل کرنا تھا۔ لیکن بہر حال چونکہ یہ جنگ ہوئی تھی اسلام کے عنوان اور نام سے اس بنا پر دینی حیثیت سے اس سے حسب ذیل نتائج حاصل ہوئے:

(۱) اس جنگ سے یہ ثابت ہو گیا کہ جو لوگ سچے دل اور کمالِ خلوص و للّٰہیت سے اللہ اور یومِ آخرت پر ایمان رکھتے ہیں۔ بے سر و سامانی کے باوجود کیا کچھ نہیں کر سکتے!

(۲) قبائلی عصبیت عرب عہدِ جاہلیت کی سب سے بڑی گمراہی تھی۔ اس عصبیت کے باعث حق اور باطل، نیک و بد اور سچ اور جھوٹ کے درمیان وہ کوئی فرق اور امتیاز نہیں کرتے تھے، غزوۂ بدر نے اس عصبیت پر ضرب کاری لگائی، دنیا نے دیکھا کہ فرزندانِ توحید

کی حالت میں کچھ نہ کچھ محسوس ہوتا ہے۔ یہاں اللہ کا فضل وکرم یہ ہوا کہ اس شب میں صحابہ کو نیند آگئی، صبح اٹھے تو لڑنے کے لئے تازہ دم تھے، دوسرا لطفِ خداوندی یہ ہوا کہ اسلامی لشکر جس میدان میں خیمہ فگن ہوا تھا اُس کی زمین پولی یعنی نرم تھی، فوج کے لئے چلنے میں دشواری تھی، فضل الٰہی یہ ہوا کہ بارش ہوگئی اور وہ بھی اتنی کہ زمین سنگلاخ ہوگئی، اس قدر زیادہ نہیں کہ کیچڑ ہو جائے اور چلنا دشوار ہو۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے ان دونوں انعامات کا ذکر اس طرح کیا ہے:

اِذْ يُغَشِّيْكُمُ النُّعَاسَ اَمَنَةً مِّنْهُ وَيُنَزِّلُ عَلَيْكُمْ مِّنَ السَّمَآءِ مَآءً لِّيُطَهِّرَكُمْ بِهٖ وَيُذْهِبَ عَنْكُمْ رِجْزَ الشَّيْطٰنِ وَلِيَرْبِطَ عَلٰى قُلُوْبِكُمْ وَيُثَبِّتَ بِهِ الْاَقْدَامَ ○ (انفال)

وہ وقت یاد کرو کہ اللہ نے تم پر نیند تم کو سکون دینے کے لئے طاری کر دی اور تم پر آسمان سے بارش نازل کی تاکہ وہ تم کو پاک صاف کر دے، وسوسۂ شیطان سے تم کو دور کر دے اور تمہارے دلوں کو مضبوط اور تمہارے قدموں کو غیر متزلزل بنادے۔

تقدیر کا غلط اور تباہ کن تصور

بد قسمتی سے مسلمانوں میں تقدیر کا جو غلط اور تباہ کن تصور عام طور پر پایا جاتا ہے۔ جس نے ان کی قوت عمل کو شل اور مفلوج کر دیا ہے اور جو ہمارے نزدیک نتیجہ ہے خلقِ افعالِ عباد کے بارہ میں اشاعرہ اور معتزلہ میں اختلاف کا اُس کی وجہ سے ایک مرتبہ پھر ہم اس کا اعادہ کرتے ہیں کہ اسباب تین قسم کے ہوتے ہیں: (۱) اسباب ظاہرہ، ان کا تعلق انسان کے اپنے عقیدہ اور عمل سے ہے، (۲) اسباب کوینہ، ان کا تعلق تکوینیات سے ہے اور اسباب معنویہ: ان کا تعلق خدا کی مشیت اور ارادہ سے ہے، اس کی مثال یوں سمجھئے کہ ایک طالب علم کو گھر میں بہترین تربیت ملی ہے، کالج میں اُس کی تعلیم اور اس سے متعلقہ امور کا نہایت اعلیٰ انتظام اور بندوبست ہے، پھر امتحان گاہ میں بھی اس کے لئے سکونِ قلب، یکسوئی اور دماغی راحت و آسائش کا مکمل اور خاطر خواہ انتظام و اہتمام ہے لیکن با اینہمہ امتحان میں اُس کی کامیابی اور ناکامیابی کا دارومدار صرف اس بات پر ہے کہ اس نے امتحان گاہ میں بیٹھکر پرچہ کیسا کیا ہے، اگر اس نے پرچہ اچھا کیا ہے اور وہ کامیاب ہوتا ہے تو یہ اس کے سعی و عمل

غدر و خیانت اور بغاوت و سرکشی کو اُس کے حیطۂ اقتدار میں کہیں سر اٹھانے کا موقع نہیں دیا جائے گا۔ سیاسی حیثیت سے اب اسلام تحریک کے دوسرے دور میں داخل ہو رہا تھا جو اُس کا دور تطہیر و تنقیہ (Purgingant) تھا جس کے بغیر کسی اسٹیٹ یا سوسائٹی میں استحکام (Stability) پیدا نہیں ہو سکتا۔ چنانچہ جیسا کہ آگے چل کر آپ پڑھیں گے کہ کعب بن اشرف یہودی کا قتل اور قبائل یہود کے ساتھ جو معاملہ ہوا، یہ سب کچھ اس دور کا طبعی تقاضا تھا، اسلام اب ایک اسٹیٹ تھا اور ہر اسٹیٹ کا فرض ہے کہ وہ اندرونی سالمیت (Internal Security) اور بیرونی سالمیت (External Security) دونوں کا خیال رکھے، جو چیز دنیا کی ہر اسٹیٹ کا قانونی حق ہی نہیں بلکہ فرض ہو اسلام کی ریاست کو اُس سے کیونکر محروم رکھا جا سکتا ہے۔

غلطی کی تصحیح

گذشتہ ماہ جون کے برہان میں صفحہ ۳۳۲/۱۲ پر عربی کے جو دو شعر آئے ہیں، افسوس ہے ان کا ترجمہ غلط ہو گیا، صحیح ترجمہ یہ ہے: "تم لوگ زمانۂ امن میں تو حمارِ وحشی بن جاتے ہو، لیکن جنگ ہو تو دشمن کے مقابلہ میں حیض والی عورتیں ہو جاتے ہو"۔

(بشکریہ مولانا جلیل احسن صاحب۔ جامعۃ الفلاح، اعظم گڑھ)

اپنے ہی خاندان اور قبیلہ کے لوگوں اور قریبی اعزاد اقارب کے مقابلہ میں کس بے جگری سے لڑے ہیں، جذبۂ توحید سے سرشار ہوکر باپ نے بیٹے کی، بھائی نے بھائی کی، بھتیجے نے چچا کی اور خسر نے داماد کی ذرا پروا نہیں کی اور ایک کلمۂ حق کو سربلند و سرفراز کرنے کے لئے ہر اس چیز کو ٹھکرا دیا جو اس زندگی میں ہر انسان کو عزیز سے عزیز تر ہوتی ہے، مذاہب عالم کی تاریخ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پہلے اور آخری پیغمبر ہیں جنھوں نے شمشیر وسناں کی نوک زبان سے لَا اِلٰہَ اِلَّا اللہ کی شہادت پیش کی ہے آپ کا یہی وہ وصف خصوصی ہے جس کا اظہار آپ نے انا نبی الملحمۃ کہکر فرمایا ہے، دشمنوں کا برا ہو کہ انھوں نے اس نقرہ کا مطلب یہ نکالا ہے کہ پیغمبر اسلام خود اپنے بقول تلوار کے پیغمبر ہیں اور اس لئے اسلام تلوار سے پھیلا ہے، فالی اللہ المشتکی۔ پروفیسر منٹگمری واٹ لکھتے ہیں:

> "جنگ بدر کا نہایت اہم نتیجہ یہ ہوا کہ پیغمبر اسلام میں خود اپنے متعلق اور ان کے قریبی ساتھیوں میں ان کی پیغمبری کے بارہ میں بہت گہرا یقین پیدا ہوگیا، انھوں نے سالہا سال شدید آلام و مصائب میں بسر کئے تھے اور اس مدت میں اگر کوئی چیز ان کے لئے ڈھارس کی تھی تو صرف ان کا عقیدہ اور ان کا ایمان تھا۔ اس بنا پر اب جنگ میں جو یہ شاندار فتح حاصل ہوئی تو اس سے ان کا عقیدہ اور مضبوط ہوگیا، کیونکہ کفار کو ان کے کئے کی جو یہ سخت سزا ملی ہے قرآن کی مکی آیات میں اس کی پیش گوئی پہلے ہی کردی گئی تھی۔" (ص ۱۶)

(۲) علاوہ ازیں غزوۂ بدر کا اہم سیاسی نتیجہ یہ ہوا کہ آج تک اسلام دفاعی پوزیشن (Defensive Line) میں تھا لیکن اب اس نے اقدامی (Assertive) صورت اختیار کرلی۔ قریش جن کی شجاعت و دلیری، طاقت وقوت اور دولت وثروت کا لوہا سارا عرب مانتا تھا اب اس کا جادو ٹوٹ گیا تھا۔ دوسرے قبائل اور خود مدینہ کے یہود اور منافقین کا اُس سے متاثر ہونا لازمی تھا۔ اسلام نے اب یہ طے کرلیا تھا کہ بغض وعداوت

یہ "وحی" لفظی و معنوی ہر دلالت کو شامل ہے کیونکہ رسول اللہؐ کی اتباع کا میدان اس سے کہیں زیادہ وسیع ہے جو ظاہری الفاظِ قرآن سے سمجھا جاتا ہے۔ اسی طرح کئی آیتوں میں "حکمت" کا ذکر ہے جس سے مراد الفاظ کی وہ معنوی دلالت ہے جس کو رسول اللہؐ نے شعورِ نبوت کے ذریعہ سمجھا۔

علامہ شاطبیؒ کہتے ہیں:

السنۃ فی معناھا راجعۃ الی الکتاب[۱]	سنت اپنے معنی میں کتاب کی طرف لوٹنے والی ہے۔
فلا تجد فی السنۃ امراً والقرآن قد دل علی معناہ[۱]	سنت میں کوئی بات نہ پاؤ گے کہ قرآن نے اس کے معنی پر دلالت نہ کی ہو۔

شاہ ولی اللہؒ کہتے ہیں:

وکذلک معرفۃ الحدیث معرفتان اما معرفۃ اھل الظاھر نبا الروایۃ وغریب الحدیث واما معرفۃ الحکماء فبا التطلع الی حقیقۃ التشریع والعلم[۲]	اسی طرح حدیث کی معرفت دو طرح ہوتی ہے (۱) اہلِ ظاہر کی معرفت جس کا تعلق راویوں اور غریب حدیث کی واقفیت سے ہے (۲) حکماء کی معرفت جس کا تعلق تشریع کی حقیقت اور علم کی معرفت سے ہے۔

تشریع کی حقیقت تک رسائی معنویت حاصل کئے بغیر ناممکن ہے۔

معنویت حاصل کرنے میں شعورِ نبوتؐ کی برتری

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جو معنویت حاصل کی اس کا مقابلہ کسی اور کی اخذ کی ہوئی معنویت سے نہیں ہو سکتا کیونکہ نبوت کا خاصہ حقیقت کا کلی ادراک ہے جس کے بعد شعورِ نبوت کو غیر معمولی اخذ و استنباط کی صلاحیت پیدا ہو جاتی جو

---

[۱] شاطبی۔ الموافقات ج ۴۔ السنۃ فی معناہا

[۲] ولی اللہ۔ الخیر الکثیر۔ اقسام التفسیر والحدیث

حدیث کا درایتی معیار

(داخلی فہم حدیث)

مولانا محمد تقی صاحب امینی ناظم سنی دینیات علی گڑھ مسلم یونیورسٹی

نوٹ: درایتی معیار سے متعلق "داخلی نقد حدیث" پر بے قسطیں معارف (مئی تا نومبر ۱۹۶۳ء) شائع ہو چکی ہیں

علم درایت کا ایک جزء فہم حدیث ہے جس کے دو پہلو ہیں:

(۱) داخلی فہم حدیث اور

(۲) خارجی فہم حدیث

داخلی فہم کا تعلق حدیث کی معنویت سے ہے

داخلی فہم کا تعلق حدیث کی معنویت اور خارجی فہم کا تعلق حدیث کے "قالب" سے ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دین و شریعت سے متعلق جو کچھ فرمایا اس کی معنویت آپ نے قرآن حکیم سے حاصل کی جیسا کہ کئی آیتوں میں آپ کی اتباعِ وحی کا ذکر ہے۔

اِنْ اَتَّبِعُ اِلَّا مَا یُوْحٰی اِلَیَّ [1] — میں اسی کی اتباع کرتا ہوں جس کی وحی میری طرف کی جاتی ہے۔

---

[1] الانعام، ع ۵

میں شعورِ نبوت کو داغدار بنانے کی ہر کوشش ناکام رہتی ہے مثلاً

(۱) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا معاشرہ اس قدر غیر ترقی یافتہ نہ تھا کہ لوگ "مرگی" جیسے مرض کی شناخت نہ کر سکتے۔

(۲) چالیس سال تک رسول اللہ معاشرہ میں رہے لیکن کبھی آپ کی زندگی میں اس مرض کا پتہ نہیں چلتا۔ خود قرآن حکیم نے اس مدت کو بطور سند پیش کیا ہے۔

فَقَدْ لَبِثْتُ فِيكُمْ عُمُرًا مِنْ قَبْلِهِ أَفَلَا تَعْقِلُونَ[1] میں اس سے پہلے تم میں ایک عمر تک رہ چکا ہوں کیا تم نہیں سمجھتے ہو۔

(۳) مذکورہ آثار ہمیشہ نزول وحی کے وقت ظاہر ہوتے رہے کبھی اور وقت نہیں ہوئے اگر معاذ اللہ "مرگی" کا مرض ہوتا تو پہلے کبھی ضرور ظاہر ہونا چاہئے تھا۔ یہ عجیب بات ہے کہ جب آپ کو زندگی کے بارے میں اصول بتائے جائیں تو اس وقت لازمی طور سے مرگی کا دورہ پڑے اور عام حالت میں کبھی اس کا حملہ نہ ہو۔

(۴) رسول اللہؐ کے سامنے عقیدت و نیاز مندی کی گردن جھکا کر جس طرح لوگوں نے عقیدت و محبت کا ثبوت دیا وہ کسی مرگی زدہ کے لئے نہیں ہو سکتا جبکہ لوگوں نے ہر طرح آزمایا اور ہر معیار پر جانچا تھا۔

(۵) مذکورہ آثار زائل ہونے کے بعد رسول اللہؐ جس کلام کی تلاوت فرماتے تھے وہ آج بھی موجود و محفوظ ہے کسی مرگی زدہ سے اس کی توقع نہیں کی جا سکتی۔

ان حقائق کی موجودگی میں شعورِ نبوت کو داغدار بنانے کی یہ کوشش اس قدر خلافِ واقعہ قرار پاتی ہے کہ ڈاکٹر گبن (جس نے رسول اللہؐ کی زندگی پر اور کئی اعتراض کئے ہیں) نے بھی اس کو یونانیوں کا اتہام

---

[1] یونس ع ۲

کسی اور کے شعور کو نہیں میسر ہے۔ پھر شعورِ نبوت کو یہ قوت بھی حاصل ہے کہ عالم بیداری میں "برتر شعور" یا "نور" سے تعلق جوڑ کر کسبِ فیض کرے اور ایک ایسے مقام سے "وحی" اخذ کرے جو مادیت کے لئے غیر مادی ذرائع علم کی انتہا پر ہے۔ جبکہ دوسروں کو صرف عقل سے کسب فیض کی قوت حاصل ہوتی جو مادیت کے لئے مادی ذرائع علم کی انتہا پر ہے۔ ان دونوں کی بلندی، گیرائی، گہرائی اور حقیقت تک رسائی میں جو بنیادی فرق ہے وہ اہل نظر سے پوشیدہ نہیں ہے۔

شعورِ نبوت کو داغدار بنانے کی کوشش

"برتر شعور" یا "نور" سے تعلق جوڑنے میں قویٰ کو سخت قسم کی کشمکش سے دوچار ہونا پڑتا تھا جس کے آثار اعضاء و جوارح پر بھی ظاہر ہوتے تھے مثلاً چہرہ کا متغیر ہو جانا، سردی کے زمانہ میں جبینِ اقدس پر پسینے کے قطروں کا نمودار ہونا، اعصاب کا غیر معمولی بار محسوس کرنا اور استغراق کی کیفیت طاری ہونا وغیرہ (ان سب کا ثبوت حدیثوں میں موجود ہے)

اعضاء و جوارح پر "آثار" کی حقیقت نہ سمجھنے کی وجہ سے بعض مورخین نے بددیانتی سے ان کو مرگی کے دورہ کا نتیجہ قرار دے کر شعورِ نبوت کو داغدار بنانے کی کوشش کی۔ حالانکہ یہ "آثار" کسی بیماری کی وجہ سے نہیں بلکہ زیادہ گہرے مقام میں ڈوب کر کسبِ فیض کے نتیجہ میں ظاہر ہوتے تھے۔ جس طرح کسی درجہ میں "آثار" اس وقت بھی ظاہر ہوتے ہیں جب عام انسان کا شعور مضامین حاصل کرنے کی طرف ہمہ تن متوجہ ہوتا ہے۔ ہم دیکھتے ہیں کہ ایک قسم کی محویت و استغراق کی کیفیت طاری ہوتی اگر دوپیش کی دنیا سے بے خبری ہو جاتی اور کبھی تو اعضاء و جوارح پر بھی تاثر کے آثار نمایاں ہوتے ہیں۔ "عقل" سے کسبِ فیض کے وقت یہ "آثار" تسلیم کرنے میں کسی کو کوئی دشواری نہیں پیش آتی تو "مقامِ وحی" سے کسبِ فیض کے وقت مذکورہ آثار تسلیم کرنے میں کیونکر دشواری کی گنجائش نکل سکتی ہے؟ جبکہ "عقل" مادی ذرائع علم کی انتہا اور "مقامِ وحی" غیر مادی ذرائع علم کی انتہا ہے۔ رفعت و بلندی کے لحاظ سے دونوں میں جو فرق ہے اس کی بنا پر کسبِ فیض کے وقت "آثار" کی نوعیت و کیفیت میں فرق لازمی ہے۔

چند حقائق کی موجودگی میں کوشش کی ناکامی

[illegible] کے علاوہ درج ذیل چند حقائق ایسے ہیں کہ ان کی موجودگی

وَ اَنْزَلْنَا اِلَيْكَ الذِّكْرَ لِتُبَيِّنَ لِلنَّاسِ مَا نُزِّلَ اِلَيْهِمْ وَ لَعَلَّهُمْ يَتَفَكَّرُوْنَ [۱]

ہم نے آپ پر الذکر (قرآن) اتارا تاکہ جو چیز لوگوں کی طرف بھیجی گئی ہے آپ ان کے سامنے بیان کردیں تاکہ وہ خود غور و فکر کریں۔

کام لینے کا طریقہ

طریقہ یہ تھا کہ رسول اللہؐ پر جب آیتیں نازل ہوتیں تو ان کی معنوی دلالت پر غور و فکر کرکے تشریح، تفصیل اور توضیح کا خاکہ تیار کرتے پھر اس کے مطابق ہدایات و تعلیمات کا سلسلہ جاری رہتا۔ یہ دونوں کبھی قولی ہوتیں اور کبھی قولی و فعلی دونوں ہوتی تھیں جیسا کہ ان ابتدائی آیتوں سے اندازہ ہوتا ہے:

اِقْرَأْ بِاسْمِ رَبِّكَ الَّذِیْ خَلَقَ خَلَقَ الْاِنْسَانَ مِنْ عَلَقٍ ۔ اِقْرَأْ وَ رَبُّكَ الْاَكْرَمُ الَّذِیْ عَلَّمَ بِالْقَلَمِ عَلَّمَ الْاِنْسَانَ مَا لَمْ يَعْلَمْ [۲]

پڑھئے اپنے رب کے نام سے جس نے پیدا کیا۔ ایک لوتھڑے سے انسان کی تخلیق کی۔ پڑھئے اور اس کا رب بڑا کریم ہے جس نے قلم سے علم سکھایا۔ انسان کو وہ علم دیا جس کو وہ نہ جانتا تھا۔

یَا اَيُّهَا الْمُدَّثِّرُ قُمْ فَاَنْذِرْ وَ رَبَّكَ فَكَبِّرْ وَ ثِيَابَكَ فَطَهِّرْ وَ الرُّجْزَ فَاهْجُرْ وَ لَا تَمْنُنْ تَسْتَكْثِرُ وَ لِرَبِّكَ فَاصْبِرْ [۳]

اے کپڑا اوڑھنے والے اٹھئے اور خبردار کیجئے اور اپنے رب کی بڑائی کا اعلان کیجئے اور اپنے کپڑے پاک رکھئے اور گندگی سے دور رہئے اور زیادہ حاصل کرنے کے لئے احسان نہ کیجئے اور اپنے رب کی خاطر صبر کیجئے۔

پہلی آیتوں میں اللہ کی عظمت و بڑائی، احسان و کرم، حقیر حالت سے انسان کی ابتدا اور بلند ترین صفتِ علم سے اس کو آراستہ کرنے اور پھر اس صفت کو کتابت کے ذریعہ منتقل کرنے کا

---

[۱] النحل ع ۶ [۲] العلق ع ۲ [۳] المدثر ع ۱

تسلیم کیا ہے۔[۱]

معنویت سے رسول اللہؐ نے تین کام لئے	رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حاصل کی ہوئی معنویت سے تین کام لئے۔

(۱) دین کے مقاصد کی تشریح۔

(۲) بندوں کے مصالح کی تفصیل اور

(۳) اصول وکلیات کی توضیح

قرآن حکیم دراصل مقاصد، مصالح اور اصول وکلیات ہی کی کتاب ہے اس میں زندگی کے مختلف شعبوں سے متعلق جس قدر جزئیات ہیں وہ بطور "نمونہ" انھیں کی تشریح، تفصیل اور توضیح کے لئے ہیں تاکہ ان کی روشنی میں نمو پذیر زندگی اور ترقی پذیر معاشرہ کی رہنمائی کے لئے اخذ واستنباط کا سلسلہ جاری رہے۔ سب سے پہلے اس کے مخاطب خود رسول اللہؐ تھے جیسا کہ اس آیت میں فیصلہ کے لئے ما اراك الله (شعور نبوت) سے کام لینے کی ہدایت ہے۔

إِنَّا أَنزَلْنَا إِلَيْكَ الْكِتَابَ بِالْحَقِّ لِتَحْكُمَ بَيْنَ النَّاسِ بِمَا أَرَاكَ اللَّهُ[۲]

اے نبی ہم نے آپ کی طرف حق کے ساتھ کتاب اتاری تاکہ آپ لوگوں کے درمیان اس کے مطابق فیصلہ کریں جو اللہ نے آپ کو دکھایا۔

پھر آپ کے بعد تمام وہ لوگ مخاطب ہیں جو اخذ واستنباط کی صلاحیت رکھتے ہیں۔ ذیل کی آیت میں "لعلهم يتفكرون" کے ذریعہ ایسے تمام لوگوں کو غور وفکر کی دعوت دی گئی ہے۔

---

[۱] "Decline and Fall of the Roman empire, By Gibbon, Vol. 5. chap. 50. Page 270, See Foot note also"

[۲] النساء ع ۱۵

ب نے بیک زبان ہو کر کہا :

مَا جَرَّبْنَا عَلَيْكَ اِلَّا صِدْقًا[1] — بیشک ۔ ہم نے کبھی آپ سے سوائے سچ کے اور تجربہ نہیں کیا۔

جس طرح اس موقع پر رسول اللہؐ صفا کی چوٹی پر کھڑے پہاڑ کی دونوں سمتوں کو دیکھ رہے ے اسی طرح حقیقت کے کلّی ادراک کے بعد شعور نبوت بہت سی ان باتوں کو دیکھتا رہتا اور ن اشارات کو پاتا رہتا ہے جن تک رسائی دوسروں کی نہیں ہو سکتی ۔ خود رسول اللہ نے اس قیقت کو کئی مرتبہ ان الفاظ میں ظاہر فرمایا :

نی اریٰ ما لا ترون[2] — میں وہ دیکھتا ہوں جو تم نہیں دیکھتے ہو

یتوں اور حدیثوں کی کمی بیشی بحث بھی بے سود ہے	اسی طرح آیتوں اور حدیثوں کی کمی بیشی کی بحث بھی بے سود ہے ار کہ مثلاً عملی احکام کی آیتیں صرف پانچ سو ہیں ان سے حدیث کے

تنے عظیم ذخیرہ نے کیوں کر معنویت حاصل کی) اس لئے کہ مذکورہ مقدار میں صرف وہی آیتیں شامل گئی ہیں جن سے احکام سمجھنے میں زیادہ دشواری نہ تھی اخذ و استنباط والی بیشتر آیتیں اس میں مامل نہیں ہیں ۔ در اصل کسی موضوع سے متعلق آیتوں کی مقدار حقیقی نہیں بلکہ اضافی ہے جو ذہنوں ور طبیعتوں کے اختلاف سے بدلتی رہتی ہے ۔ ایک ذہین و فطین آدمی بہت سی باتیں ان آیتوں ے حاصل کر لیتا ہے جن تک رسائی دوسروں کی نہیں ہو سکتی ، اسی بنا پر آیات احکام کی تعداد یں بھی اختلاف ہے کسی کے نزدیک دو سو کسی کے نزدیک پانچ سو اور کسی کے نزدیک کچھ یادہ ہے۔

ابن دقیق العید کہتے ہیں :

---

[1] بخاری ومسلم ومشکوۃ باب الانذار والتحذیر

[2] ترمذی و ابن ماجہ ابواب الزہد

ذکر ہے کہ اس کی علمی صلاحیت ٹھٹھر کر نہ رہ جائے ۔ یہ پہلا تجربہ تھا جس میں انسان کو حقیر حالت سے رفعت و بلندی کے انتہائی مقام پہ پہونچانے کی نشاندہی کی گئی ۔ دوسرے تجربہ میں انسان کو خوابِ غفلت سے بیدار کرنے کا حکم ۔ ظاہری و باطنی ، اعتقادی و عملی ہر قسم کی نجاست سے صفائی و ستھرائی کی تاکید ۔ خالص لوجہ اللہ کام کی تلقین ۔ اس کے عوض دنیوی فوائد کی توقع نہ رکھنے اور صبر و ضبط کی تعلیم وغیرہ ایسی جامع تعلیمات ہیں کہ ان کی روشنی میں شعورِ نبوت نے کام کا خاکہ تیار کیا اور فرضِ منصبی کی ادائیگی میں سرگرم عمل ہوئے ۔ ظاہر نظر میں یہ چند چھوٹے چھوٹے فقرے ہیں لیکن ان کی ہیئت ترکیبی اور جامعیت خود ہی شہادت دے رہی ہے کہ ان کے اندر معانی کا خزانہ پوشیدہ ہے ۔

اس طریقہ میں تقدیم و تاخیر کی بحث بے سود ہے

اس طریقہ میں آیتوں اور حدیثوں کی تقدیم و تاخیر کی بحث بے سود ہے کہ جب تک آیتوں سے معنویت حاصل کی ہوئی حدیثوں کے بارے میں نہ معلوم ہو کہ یہ متعلقہ آیتوں کے بعد کی ہیں اس وقت تک معنویت حاصل کرنے کی بات بے معنی ہو کر رہ جاتی ہے ۔ کیونکہ جس طرح آیتیں بیک وقت نہیں نازل ہوئیں اسی طرح حدیثیں بھی بیک وقت نہیں وجود میں آئیں ۔ بلکہ حالات کے لحاظ سے تدریجی عمل دونوں کے ساتھ یکساں جاری رہا ۔ بہت ممکن ہے کہ رسول اللہ صلعم نے جو حدیثیں بیان کیں ان کی معنویت انھیں آیتوں سے حاصل کر لی ہو جو پہلے نازل ہو چکی ہیں لیکن دوسرے لوگوں کے شعور کی رسائی وہاں تک نہیں ہو سکی ۔ شعورِ نبوت کی رسائی کا اندازہ دعوت کے سب سے پہلے حیات بخش خطاب سے ہوتا ہے ۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مذکورہ آیتیں نازل ہونے کے بعد "قریش" کو جمع کر کے صفا پہاڑی کی چوٹی پر کھڑے ہو کر فرمایا :

یا معشر قریش ارأیتکم لو اخبرتکم ان خیلا بالوادی ترید ان تغیّر علیکم اکنتم مصدقیّ ۔	اے قریش کے لوگو ۔ تم مجھے بتاؤ اگر میں یہ کہوں کہ اس پہاڑ کے دامن سے ایک فوج نکل کر تم پر حملہ کرنے والی ہے تو تم میری تصدیق کرو گے ۔

...ے اللہ نے اپنے بندوں میں جس کو چاہا رسول بنایا اور کتاب دی۔ قیامت، مرنے کے
...زندگی، جنت و دوزخ سب حق ہیں۔ ان سے متعلق آیتیں یہ ہیں:

...لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ ... یَوْمِ الدِّیْنِ ؁
سب تعریفیں اللہ کے لئے ہیں جو سارے جہانوں کا پروردگار ہے۔ بیحد مہربان، نہایت رحم والا ہے بدلہ کے دن کا مالک ہے۔

...ھُوَ اللّٰہُ اَحَدٌ اَللّٰہُ الصَّمَدُ لَمْ یَلِدْ ... یُوْلَدْ وَلَمْ یَکُنْ لَّہٗ کُفُوًا اَحَدٌ ؀
آپ کہہ دیجئے کہ وہ اللہ اکیلا ہے وہ بے نیاز ہے نہ اس نے کسی کو پیدا کیا نہ وہ کسی سے پیدا کیا گیا۔ اس کا کوئی ہمسر نہیں۔

...الَّذِیْنَ یُلْحِدُوْنَ فِیْٓ اَسْمَآئِہٖ ؁
اور ان لوگوں کو چھوڑ دو جو اللہ کے ناموں میں کجروی اختیار کرتے ہیں۔

...کُلَّ شَیْءٍ خَلَقْنٰہُ بِقَدَرٍ ؁
ہم نے ہر چیز اندازہ ٹھہرا کر پیدا کی۔

...یَعْصُوْنَ اللّٰہَ مَآ اَمَرَھُمْ وَیَفْعَلُوْنَ ... یُؤْمَرُوْنَ ؁
جن باتوں کا اللہ نے حکم دیا (فرشتے) اللہ کی نافرمانی نہیں کرتے اور وہی کرتے ہیں جن کا حکم دیا جاتا ہے۔

...اَعْلَمُ حَیْثُ یَجْعَلُ رِسَالَتَہٗ ؁
اللہ خوب جانتا ہے اس موقع کو جہاں اپنا پیغام بھیجے۔

...اَرْسَلْنَا رُسُلَنَا بِالْبَیِّنٰتِ ... اَنْزَلْنَا مَعَھُمُ الْکِتٰبَ وَالْمِیْزَانَ
ہم نے بہت سے رسول نشانیوں کے ساتھ بھیجے اور ان کے ساتھ کتابیں اتاریں اور میزان۔

الفاتحہ ع ۱ — ؂ الاخلاص ع ۱ — ؃ الاعراف ع ۲۲
؄ القمر ع ۳ — ؅ التحریم ع ۱ — ؆ الانعام ع ۱۵

مقدار آیات الاحکام لا تنحصر فی هذا العدد بل هو یختلف باختلاف القرائح والاذهان وما یفتحه الله من وجوه الاستنباط والراسخ فی علوم الشریعة یعرف ان من اصولها واحکامها ما یوخذ من موارد متعددة حتی الآیات الواردة فی القصص والامثال[1]	آیات احکام کی مقدار اس عدد میں محدود نہیں بلکہ طبیعتوں اور ذہنوں کے اختلاف سے مختلف ہوتی ہے جن حضرات پر اللہ نے استنباط کے دروازے کھولے اور جن کو شرعیہ میں رسوخ حاصل ہے وہ جانتے ہیں بہت سے اصول واحکام متعدد جگہوں سے ہوتے ہیں حتی کہ ان آیتوں سے بھی جو قصص امثال میں وارد ہوئی ہیں۔

یہ تقسیم جب عام لوگوں کی نسبت سے صحیح نہیں تو شعورِ نبوت کی نسبت سے کیوں صحیح ہو گی جس کی رسائی کا تصور عام ادراک سے باہر ہے۔

ذیل میں مقاصد، مصالح، اصول وکلیات اور ان سے حاصل کی ہوئی معنویت کی تفصیل کی جاتی ہے۔

دین کے مقاصد کی تشریح

ایمان و اعتقاد سے متعلق دین کی بنیادی باتیں	"دین" سے مراد تمام وہ بنیادی باتیں جن پر انبیاء علیہم السلام نے کیا اور جن کا تذکرہ قرآن حکیم میں موجود ہے۔

(۱) ایمان واعتقاد سے متعلق مثلاً

ہر قسم کی خوبیوں کے ساتھ اللہ کو متصف سمجھنا۔ ان باتوں سے اللہ کی پاکی بیان کرنا جو کی شان کے مناسب نہیں۔ اس کے ناموں میں کجروی کو حرام سمجھنا، یہ عقیدہ رکھنا کہ تمام حوا سے پہلے اللہ کے علم میں ایک اندازہ مقرر ہے۔ اللہ کے فرشتے ہیں جو اس کی نافرمانی نہیں

---

[1] علال فاسی۔ مقاصد الشریعۃ الاسلامیۃ القرآن

اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ امْتَحَنَ اللّٰهُ قُلُوْبَهُمْ لِلتَّقْوٰى ۱؎

یہی لوگ ہیں جن کے دلوں کی اللہ نے تقویٰ کے لئے آزمائش کی۔

بَلْ رَانَ عَلٰى قُلُوْبِهِمْ مَّا كَانُوْا يَكْسِبُوْنَ ۲؎

بلکہ ان کے اعمال کی وجہ سے اللہ نے ان کے دلوں پر زنگ لگا دیا۔

وَيَجْعَلُ الرِّجْسَ عَلَى الَّذِيْنَ لَا يَعْقِلُوْنَ ۳؎

اور اللہ ان لوگوں پر گندگی ڈالتا ہے جو سوچتے نہیں ہیں۔

اَوَلَوْ كَانَ اٰبَآؤُهُمْ لَا يَعْقِلُوْنَ شَيْئًا وَّلَا يَهْتَدُوْنَ ۴؎

اگرچہ ان کے باپ دادا نہ کچھ سمجھتے ہوں اور نہ ہدایت یافتہ ہوں۔

قَدْ اَفْلَحَ مَنْ زَكّٰىهَا ۵؎

اس شخص نے فلاح پائی جس نے نفس کی صفائی حاصل کی۔

اِنَّ النَّفْسَ لَاَمَّارَةٌ بِالسُّوْٓءِ اِلَّا مَا رَحِمَ رَبِّيْ ۶؎

بلاشک نفس برائی کا حکم دینے والا ہے مگر جو میرا رب رحم کر دے۔

قُلْ لِّلْمُؤْمِنِيْنَ يَغُضُّوْا اَبْصَارَهُمْ وَيَحْفَظُوْا فُرُوْجَهُمْ ذٰلِكَ اَزْكٰى لَهُمْ ۷؎

اے پیغمبر آپ مومن مردوں سے کہہ دیجئے کہ اپنی نگاہوں کو باز رکھیں اور اپنی شرمگاہوں کی حفاظت کریں یہ ان کے لئے زیادہ پاکیزہ طریقہ ہے۔

وَقُلْ لِّلْمُؤْمِنٰتِ يَغْضُضْنَ مِنْ اَبْصَارِهِنَّ وَيَحْفَظْنَ فُرُوْجَهُنَّ ۸؎

اے پیغمبر آپ مومنہ عورتوں سے بھی کہہ دیجئے کہ اپنی نگاہوں کو باز رکھیں اور اپنی شرمگاہوں کی حفاظت کریں

۱؎ الحجرات ع ۱ ۲؎ التطفیف ع ۱ ۳؎ یونس ع ۱۰ ۴؎ البقرہ ع ۲۱
۵؎ الشمس ع ۱ ۶؎ یوسف ع ۱۱ ۷، ۸؎ النور ع ۴

لِيَقُوْمَ النَّاسُ بِالْقِسْطِ۔[1] تاکہ لوگوں میں انصاف قائم کریں۔

ثُمَّ اِنَّكُمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ تُبْعَثُوْنَ[2] پھر تم قیامت کے دن اٹھائے جاؤ گے۔

ثُمَّ يُحْيِيْكُمْ ثُمَّ اِلَيْهِ تُرْجَعُوْنَ[3] (مرنے کے بعد) پھر اللہ تمھیں زندہ کرے گا۔ اس کی طرف لوٹائے جاؤ گے۔

اُولٰٓئِكَ فِيْ جَنّٰتٍ مُّكْرَمُوْنَ[4] یہ لوگ جنت میں عزت سے رہیں گے۔

اُولٰٓئِكَ اَصْحٰبُ النَّارِ[5] یہ دوزخ کے لوگ ہیں۔

طہارت و پاکی سے متعلق دین کی بنیادی باتیں

(۲) طہارت و پاکی سے متعلق مثلاً جسم ولباس کو گندگی ومیل سے پاک وصاف رکھنا، قلب ودماغ کو ہر قسم کی آلودگیوں ــــ اور آلائشوں سے دور رکھنا، نفس وشرمگاہ کو کثافتوں وغلط کاریوں سے محفوظ رکھنا، زبان آنکھ کان وغیرہ کو غلط استعمال سے بچانا جیساکہ ان آیتوں سے ثبوت ملتا ہے۔

وَاِنْ كُنْتُمْ جُنُبًا فَاطَّهَّرُوْا[6] اگر تم جنبی ہو تو خوب طہارت حاصل کرو۔

وَثِيَابَكَ فَطَهِّرْ[7] اپنے کپڑوں کو پاک رکھو۔

وَالرُّجْزَ فَاهْجُرْ[8] گندگی سے دور رہو

اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ التَّوَّابِيْنَ وَيُحِبُّ الْمُتَطَهِّرِيْنَ[9] بیشک اللہ توبہ کرنے والوں اور طہارت حاصل کرنے والوں سے محبت کرتا ہے۔

لَنْ يَّنَالَ اللّٰهَ لُحُوْمُهَا وَلَا دِمَآؤُهَا وَلٰكِنْ يَّنَالُهُ التَّقْوٰى مِنْكُمْ[10] اللہ کو نہ قربانیوں کا گوشت پہونچتا ہے اور ان کا خون لیکن دل کا تقوی پہونچتا ہے۔

---

[1] الحدید ع ۳ [2] المومنون ع ۱ [3] البقرہ ع ۳ [4] المعارج ع ۱ [5] البلد
[6] المائدہ ع ۲ [7][8] المدثر ع ۱ [9] البقرہ ع ۲۷ [10] الحج ع ۵

إِنِ الْحُكْمُ إِلَّا لِلّٰهِ [۱]
حکم صرف اللہ کا ہے

وَمَنْ يُّعَظِّمْ شَعَآئِرَ اللّٰهِ فَإِنَّهَا مِنْ تَقْوَى الْقُلُوْبِ [۲]
جو شخص اللہ کے "شعائر" کی تعظیم کرے تو وہ دلوں کے تقویٰ کی بات ہے

قُلْ إِنَّ صَلَاتِيْ وَنُسُكِيْ وَمَحْيَايَ وَمَمَاتِيْ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ [۳]
آپ کہہ دیجئے میری نماز، میری قربانی میرا جینا اور میرا مرنا سب اللہ ہی کے لئے ہے جو سارے جہانوں کا پروردگار ہے۔

إِيَّاكَ نَعْبُدُ وَإِيَّاكَ نَسْتَعِيْنُ [۴]
اے اللہ ہم آپ ہی کی عبادت کرتے اور آپ ہی سے مدد مانگتے ہیں۔

إِنَّ اللّٰهَ لَا يَغْفِرُ أَنْ يُّشْرَكَ بِهٖ وَيَغْفِرُ مَا دُوْنَ ذٰلِكَ لِمَنْ يَّشَآءُ وَمَنْ يُّشْرِكْ بِاللّٰهِ فَقَدْ ضَلَّ ضَلٰلًا بَعِيْدًا [۵]
بیشک اللہ اپنے ساتھ شرک کرنے کو نہیں بخشتا اس کے ماسوا جس کو چاہے بخش دیتا ہے۔ جس نے اللہ کے ساتھ شرک کیا وہ بڑی دور کی گمراہی میں جا پڑا۔

إِنْ يَّمْسَسْكَ اللّٰهُ بِضُرٍّ فَلَا كَاشِفَ لَهٗ إِلَّا هُوَ وَإِنْ يَّمْسَسْكَ بِخَيْرٍ فَهُوَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ [۶]
اگر تجھکو کوئی سختی پہونچے تو اللہ کے سوا اس کو کوئی دور کرنے والا نہیں اور اگر تجھکو کوئی بھلائی پہونچے تو وہ ہر چیز پر قادر ہے۔

نیکی و بدی سے متعلق دین کی بنیادی باتیں

(۴) نیکی و بدی سے متعلق مثلاً

اصل نیکی دل کی پاکی و عمل کی سچائی ہے جس کے لئے محض ضابطہ کی خانہ پری کافی نہیں بلکہ اللہ سے مستقل ربط و تعلق ضروری ہے۔ نیکی زندگی کے کسی ایک گوشہ میں محدود نہیں

---

[۱] الانعام ع ۷ [۲] الحج ع ۴ [۳] الانعام ع ۱۹
[۴] الفاتحہ ع ۱ [۵] النساء ع ۱۸ [۶] الانعام ع ۲

اِنَّ السَّمْعَ وَالْبَصَرَ وَالْفُؤَادَ کُلُّ اُولٰٓئِکَ کَانَ عَنْہُ مَسْئُوْلًا[1]	بیشک کان آنکھ اور دل ان سب کے متعلق بازپرس ہوگی۔
اِنِ اتَّقَیْتُنَّ فَلَا تَخْضَعْنَ بِالْقَوْلِ[2]	اگر تم اللہ سے ڈرتی ہو تو نرم و دلکش لہجہ میں بات نہ کرو
اِنَّ الَّذِیْنَ یُحِبُّوْنَ اَنْ تَشِیْعَ الْفَاحِشَۃُ فِی الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَھُمْ عَذَابٌ اَلِیْمٌ فِی الدُّنْیَا وَالْاٰخِرَۃِ[3]	بیشک جو لوگ پسند کرتے ہیں کہ مسلمانوں میں بیحیائی پھیلے ان کے لئے دنیا و آخرت میں دردناک سزا ہے

عبادت وطاعت سے متعلق دین کی بنیادی باتیں

(۳) عبادت وطاعت سے متعلق مثلاً عبادت وطاعت کے ذریعہ اللہ کی زیادہ سے زیادہ تعظیم کرنا۔ چہرہ اور دل اس کے سپرد کرنا۔ خالص اسی کی عبادت وطاعت کو اپنے اوپر فرض سمجھنا۔ شعائر (خاص اللہ کی یادگار) کے ذریعہ اللہ کا قرب حاصل کرنا۔ عبادت و استعانت میں شرکت حرام سمجھنا اور اسی کو نفع و ضرر کا مالک و مختار سمجھنا وغیرہ جیسا کہ ان آیتوں سے ثابت ہوتا ہے۔

وَقَضٰی رَبُّکَ اَنْ لَّا تَعْبُدُوْا اِلَّآ اِیَّاہُ[4]	تیرے رب نے حکم دیا کہ اس کے علاوہ اور کسی کی عبادت نہ کرو
وَاسْجُدْ وَاقْتَرِبْ[5]	سجدہ کرو اور قریب ہوجاؤ
قُلْ اِنِّیْٓ اُمِرْتُ اَنْ اَعْبُدَ اللّٰہَ مُخْلِصًا لَّہُ الدِّیْنَ[6]	آپ کہہ دیجئے میں حکم دیا گیا ہوں کہ عبادت خالص اسی کے لئے کروں
وَاعْبُدُوا اللّٰہَ وَلَا تُشْرِکُوْا بِہٖ شَیْئًا[7]	اللہ کی عبادت کرو اس کے ساتھ کسی چیز کو شریک نہ کرو

---

[1] بنی اسرائیل ع ۴ [2] الاحزاب ع ۴ [3] النور ع ۲ [4] بنی اسرائیل ع ۳
[5] العلق ع ۱ [6] الزمر ع ۲ [7] النساء ع ۶

بحر العلوم عبد العلی محمد فرنگی محلی

(۳)

ڈاکٹر محمد اقبال انصاری صدر شعبہ اسلامیات، مسلم یونیورسٹی علی گڑھ

تصانیف

بحر العلوم نے اپنے تلامذہ کی ایک بڑی تعداد کے علاوہ بکثرت تصنیفات بھی اپنے علمی ورثہ میں چھوڑی ہیں اور "حق یہ ہے کہ ملا مبین رحمۃ اللہ علیہ تک فرنگی محل میں کوئی عالم آپ کی تالیفات و تصنیفات کا مقابلہ نہیں کر سکتا۔ اگر کوئی کثرت تالیفات و تدقیقات جملہ علوم میں آپ کے بعد آپ کی یادگار رہا ہے تو وہ ملا مبین اور مولانا ولی اللہ اور مولانا عبد الحی ہیں ... آپ کی تالیفات میں وہ حقائق و دقائق ملتے ہیں اور شرح و حواشی میں اصل کتاب کا اس طرح حل اختصار کے ساتھ ہوتا ہے کہ اس کی نظیر ملنا دشوار ہے[۱]۔" البتہ آپ کے تذکرہ نگاروں نے آپ کی تصنیفات کے استقصا کی کوئی خاص کوشش نہیں کی اسی لئے مختلف تذکروں میں کچھ نہ کچھ کتابوں کے نام تغیر و تبدل یا کمی بیشی کے ساتھ ملتے ہیں۔ مولانا محمد یوسف کوکن نے اپنے رسالہ[۲] میں ۳۳ تصانیف کا ذکر کیا ہے جن میں سے بعض کے اب صرف نام ہی محفوظ رہ گئے ہیں۔ ذیل میں اختصار کے ساتھ ان تینتیس[۳۳] تصانیف کا مختصر تعارف الفبائی

۱۔ عنایت اللہ: مصدر سابق، ص ۱۴۰

۲۔ کوکن: بحر العلوم (مدراس: س ت) ص ۲۹-۳۲

بلکہ اس کا تعلق زندگی کے تمام گوشوں سے ہے۔ کمال نیکی حاصل کرنے کے لئے اپنی پسندیدہ چیزوں کی قربانی لازمی ہے۔ نیکی کے کاموں میں ایک دوسرے کی مدد کرنی چاہئے وغیرہ جیسا کہ ان آیتوں سے ثابت ہے:

لَیْسَ الْبِرَّ اَنْ تُوَلُّوْا وُجُوْھَکُمْ قِبَلَ الْمَشْرِقِ وَالْمَغْرِبِ وَلٰکِنَّ الْبِرَّ مَنْ آمَنَ بِاللّٰہِ وَالْیَوْمِ الْآخِرِ وَالْمَلٰئِکَۃِ وَالْکِتٰبِ وَالنَّبِیّٖنَ وَآتَی الْمَالَ عَلٰی حُبِّہٖ ذَوِی الْقُرْبٰی وَالْیَتٰمٰی وَالْمَسٰکِیْنَ وَابْنَ السَّبِیْلِ وَالسَّآئِلِیْنَ وَفِی الرِّقَابِ وَاَقَامَ الصَّلٰوۃَ وَآتَی الزَّکٰوۃَ وَالْمُوْفُوْنَ بِعَھْدِھِمْ اِذَا عٰھَدُوْا وَالصّٰبِرِیْنَ فِی الْبَاْسَآءِ وَالضَّرَّآءِ وَحِیْنَ الْبَاْسِ اُولٰٓئِکَ الَّذِیْنَ صَدَقُوْا وَاُولٰٓئِکَ ھُمُ الْمُتَّقُوْنَ۔[1]

نیکی یہ نہیں ہے کہ اپنا منہ مشرق کی طرف کرلو یا مغرب کی طرف۔ بلکہ نیکی یہ ہے جو اللہ، آخرت کے دن، فرشتوں، آسمانی کتابوں اور تمام نبیوں پر ایمان لائے۔ اللہ کی محبت میں اپنا مال رشتہ داروں، یتیموں، مسکینوں، مسافروں، سائلوں اور گردن چھڑانے میں دے۔ نماز قائم رکھے اور زکوۃ دیا کرے۔ جب عہد کریں تو اپنے عہد کو پورا کرنے والے ہوں سختی اور تکلیف میں اور لڑائی کے وقت صبر کرنے والے ہوں یہی لوگ سچے اور یہی لوگ متقی ہیں۔

لَنْ تَنَالُوا الْبِرَّ حَتّٰی تُنْفِقُوْا مِمَّا تُحِبُّوْنَ[2]

کمال نیکی ہرگز نہیں حاصل کرسکتے ہو یہاں تک کہ اپنی پسندیدہ چیزیں خرچ کرو۔

وَتَعَاوَنُوْا عَلَی الْبِرِّ وَالتَّقْوٰی[3]

نیکی اور تقوی پر ایک دوسرے کی مدد کرو۔

"نیکی" کے مقابل بدی ہے قرآن حکیم میں اس کا استعمال بھی کسی ایک گوشہ میں محدود نہیں بلکہ زندگی کے تمام گوشوں کو شامل ہے۔

وَذَرُوْا ظَاھِرَ الْاِثْمِ وَبَاطِنَہٗ[4]

کھلے اور چھپے سارے گناہ چھوڑ دو

(باقی)

---

[1] البقرہ ع ۲۲ [2] آل عمران ع ۱۰ [3] المائدہ ع ۱ [4] الانعام ع ۱۴

۵۔ تنزلات ستہ : یہ فارسی میں تصوف پہ ایک مختصر رسالہ ہے جس میں مسئلہ تنزلات پر مدلل بحث کی ہے ۔ اس رسالہ کا ذکر بھی صرف یوسف کوکن صاحب نے کیا ہے[1] البتہ کوئی نشاندہی نہیں کی ہے ۔

۶۔ تنویر المنار شرح منار الانوار : منار الانوار ، حافظ الدین ابو البرکات عبد اللہ بن احمد النسفی (۱۳۱۰ء) کی اصول فقہ میں مشہور و متداول کتاب ہے ۔ یہ اسی کتاب کی فارسی شرح ہے جو چھپ چکی ہے ۔ البتہ اس کا نام تنویر الابصار غالباً تصحیف ہے[2] اور یہ صرف تذکرہ علمائے ہند میں پایا جاتا ہے ۔

۷۔ الحاشیۃ علی حاشیۃ میر زاہد علی الرسالۃ القطبیۃ او الحاشیۃ علی الحاشیۃ الزاہدیۃ القطبیۃ : صفحات بالا میں سعد الدین التفتازانی کی تہذیب المنطق کا تذکرہ آچکا ہے اس کی ایک شرح قطب الدین محمود بن محمد (م ۱۳۶۴ء) نے لکھی تھی جو قطبی کے نام سے مشہور و متداول ہے انھیں قطب الدین نے منطق میں ایک رسالہ "رسالہ فی التصور و التصدیق" کے نام سے لکھا تھا جو الرسالۃ القطبیۃ کے نام سے مشہور ہوا ، میر زاہد (۱۶۸۹ء) نے اس کا جو حاشیہ لکھا تھا بحر العلوم نے اس پہ بھی حاشیہ لکھا تھا یہ وہی حاشیہ ہے اور اس کے قلمی نسخے مختلف کتب خانوں میں پائے جاتے ہیں نیز یہ طبع بھی ہو چکا ہے ۔

۸۔ الحاشیۃ علی حاشیۃ میر زاہد علی شرح المواقف او الحاشیۃ علی الحاشیۃ الزاہدیۃ علی الامور العامۃ : علم کلام عضد الدین الایجی (۱۳۵۵ء) کی کتاب المواقف بہت مشہور و متداول ہے ، شریف علی بن محمد الجرجانی (۱۴۱۳ء) نے شرح المواقف کے نام سے اس کی ایک شرح لکھی تھی ۔ میر زاہد نے اس کے ایک موقف یعنی امور عامہ پہ ایک پرمغز حاشیہ لکھا تھا جو متعدد مدارس

۱۔ کوکن : بحر العلوم (مدراس ۔ سبات) ص ۳۲

۲۔ قادری : مصدر سابق ، ص ۳۰۵

ترتیب کے لحاظ سے پیش ہے جو مختلف تذکروں کے موازنہ سے مکررات کے حذف کے بعد بچ جاتی ہیں، یقیناً کچھ تصانیف ایسی ضرور رہی ہوں گی جو دستبرد زمانہ سے محفوظ نہ رہ سکیں یا پھر تذکرہ نگاروں کو ان کا علم نہ ہو سکا۔

۱۔ احوال قیامت، یہ فارسی میں ایک مختصر رسالہ ہے جس میں اشراطِ ساعت، قیامت، حشر و نشر اور جنت و جہنم کا تذکرہ ہے اس کے قلمی نسخے مختلف کتب خانوں میں پائے جاتے ہیں۔

۲۔ الارکان الاربعہ یا رسائل الارکان۔ یہ وہی کتاب ہے جس کے سبب تصنیف کا اوپر ذکر ہو چکا ہے، یہ عربی میں ہے اور اس میں حنفی نقطہ نظر سے روزہ، نماز اور حج و زکوٰۃ کے مسائل کو مدلل طریقہ سے پیش کیا گیا ہے یہ کتاب کئی بار چھپ چکی ہے اور ایک زمانہ تک بعض عربی مدارس میں داخل نصاب بھی رہی ہے۔ یہ رسائل الارکان کے نام سے مطبع علوی لکھنؤ سے شائع ہوئی تھی اور ارکان اربعہ کے نام سے مطبع سعیدی کلکتہ سے۔ اس کا ایک قلمی نسخہ کتب خانہ دار العلوم ندوۃ العلماء میں بھی ہے جو بارھویں صدی کا لکھا ہے اور ۲۷۷ صفحات پر مشتمل ہے۔

۳۔ تعلیقات علی الافق المبین: یہ میر باقر داماد (۱۰۴۰ھ) کی کتاب الافق المبین پر تعلیقات ہیں جس کا ایک قلمی نسخہ رضا لائبریری رامپور میں ہے۔ اس کا ذکر صرف یوسف کوکن صاحب نے کیا ہے۔[۱]

۴۔ تکملۃ (حاشیۃ) شرح تحریر الاصول: اصول فقہ میں کمال الدین محمد بن الہمام (۱۳۸۸-۱۴۵۶ء) صاحب فتح القدیر کی کتاب التحریر یا تحریر الاصول بہت اہم سمجھی جاتی ہے اور اس کی متعدد شرحیں بھی لکھی گئی ہیں۔ ملا نظام الدین (م ۱۶۷۷-۱۷۴۸ء) نے بھی اس کی شرح لکھنا شروع کی تھی مگر مکمل نہ کر سکے تھے جسے ان کے لائق فرزند نے مکمل کیا۔

۱۔ کوکن: بحر العلوم (مدراس: ب ت) ص ۳۱

۱۲۔ الحاشیۃ علی المثناۃ بالتکریر[1]: صدر الدین شیرازی نے مشائی حکمار کے مسلک کو اختیار کرتے ہوئے متعدد براہین و دلائل سے ثابت کیا ہے کہ ہر جزو کی تقسیم برابر جاری رہتی ہے اور تقسیم کسی حد پر ختم نہیں ہوتی ان کی براہین میں سے دوسری المثناۃ بالتکریر ہے[2] جو اہم بھی ہے اور وضاحت طلب بھی ہے اسی لئے متعدد حکما نے اُس پر حاشیہ لکھا ہے جن میں ایک بحر العلوم کا بھی ہے۔ ان کے علاوہ ملا حمد اللہ (م ۱۷۴۷ء) ملا حسن (م ۱۱۹۹ء) اور ملا مبین (م ۱۲۲۵ء) نے اس پر مفید حواشی لکھے ہیں۔ ملا بحر العلوم کے حاشیہ کا ایک قلمی نسخہ برٹش میوزیم میں ہے۔ اور ایک نسخہ "تقریر علی المثناۃ" کے نام سے کتب خانہ دار العلوم ندوۃ العلمار میں بھی ہے۔

۱۳۔ حاشیہ للشمس البازغۃ: ملا محمود جونپوری (م ۱۶۵۱ء) نے پہلے فلسفہ و حکمت میں الحکمۃ البالغۃ لکھی بعد میں خود ہی الشمس البازغہ کے نام سے اس کی شرح لکھی جو بہت مقبول ہوئی اور اس پر متعدد حواشی لکھے گئے جن میں ایک حاشیہ بحر العلوم نے بھی لکھا جس کا ذکر صرف مولانا عبد الباری[3] اور شیخ الطاف الرحمٰن[4] نے کیا ہے۔ اور ایک مشہور حاشیہ ملا حمد اللہ (م ۱۷۴۷ء) شارح سلم العلوم کا بھی ہے[5]۔

۱۴۔ رسالۃ اصول الحدیث: یہ عربی میں ایک مختصر رسالہ اصول حدیث پر ہے لیکن بحر العلوم

۱۔ المثناۃ بالتکریر ہے نہ کہ بالتکرار جیسا کہ زبید احمد (مصدر سابق، ص ۲۱۶) و کوکن: بحر العلوم (مدراس، ب ات) ص ۳۳ پر تحریر ہے۔

۱۔ تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو صدر الدین شیرازی: شرح ہدایۃ الحکمۃ المعروف بصدرا (لکھنؤ، ۱۳۰۸)، ص ۳۲

۱۔ عبد الباری، مصدر سابق، ص ۲۵

۱۔ الطاف الرحمٰن، مصدر سابق، ص ۶۵

۱۔ زبید احمد، مصدر سابق، ص ۲۰۷

میں داخل نصاب تھا، بحرالعلوم نے اس حاشیہ پر حاشیہ لکھا تھا جو کافی مقبول ہوا اور اب بھی بعض مدارس میں داخل نصاب ہے اور مختلف کتب خانوں میں اس کے نسخے پائے جاتے ہیں اور چھپ بھی چکا ہے۔

۹۔ الحاشیۃ علی حاشیۃ میرزاہد ملا جلال او الحاشیۃ علی الحاشیۃ الزاہدیۃ الجلالیۃ: تفتازانی کی تہذیب المنطق کی ایک شرح ملا جلال الدین الدوانی (م ۱۵۰۱ء) نے بھی لکھی تھی جو ایک زمانہ تک شامل درسیات رہی اور اب بھی بعض عربی مدارس میں پڑھائی جاتی ہے اور ملا جلال کے نام سے مشہور رہے، میرزاہد نے اس کا ایک حاشیہ لکھا تھا جس کا حاشیہ پھر بحرالعلوم نے لکھا یہ بھی زیور طبع سے آراستہ ہو چکا ہے اور بعض مدارس عربیہ میں پڑھایا جاتا ہے۔

میرزاہد کے مذکورہ بالا تینوں حواشی "الحواشی الزاہدیۃ الثلاثۃ" کے نام سے موسوم ہیں اور متعدد علماء نے ان پر حواشی لکھے ہیں۔

۱۰۔ الحاشیۃ علی شرح ہدایۃ الحکمۃ لصدر الدین الشیرازی او الحاشیۃ علی الصدرا: ہدایۃ الحکمۃ اور اس کی شروح کا اوپر تذکرہ آچکا ہے یہ اس کی ایک متداول شرح کا عربی میں مفید حاشیہ ہے جو طبع بھی ہو چکا ہے، اس کا ایک قلمی نسخہ کتب خانہ دارالعلوم ندوۃ العلماء میں بھی موجود ہے اور ایک نسخہ مولوی محمد غوث کے ہاتھ کا لکھا ہوا حاجی ابو احمد محمد عبداللہ (مدراس) کے کتب خانہ میں بھی موجود ہے[1]۔

۱۱۔ الحاشیۃ علی ضابطۃ التہذیب: منطق کی مشہور کتاب تہذیب المنطق کا اوپر ذکر ہو چکا ہے یہ اسی کے ایک ضابطہ کا حاشیہ ہے جو ۱۵۰۲ھ میں دہلی سے طبع ہوا تھا[2]۔ اس کا ذکر صرف زبید احمد نے کیا ہے۔

۱۔ گوکن: خانوادۂ قاضی بدرالدولہ (مدراس: ۱۹۶۳) ج ۱ ص ۱۵۱

۲۔ زبید احمد: مصدر سابق، ص ۱۴۷

ے اصول فقہ میں حافظ الدین النسفی (م ۱۳۱۰ء) کی مشہور کتاب منار الانوار کی شرح لکھی تھی جس کی متعدد شروح لکھی گئی ہیں جن میں ملاجیون امیٹھوی (م ۱۷۱۸ء) کی نور الانوار اور ملا نظام الدین کی شرح منار الاصول کافی مشہور ہیں۔ بعد میں محمد ابن مبارک شاہ نے ہی دائرالوصول الی علم الاصول کے نام سے مدار الفحول کا خلاصہ کیا تھا، کتب خانہ حبیب گنج مخزونہ مولانا آزاد لائبریری علی گڑھ مسلم یونیورسٹی میں اس کا ایک قلمی نسخہ موجود ہے غالباً بحر العلوم نے اسی خلاصہ کی شرح کی ہو گی واللہ اعلم۔

۱۹۔ شرح سلم العلوم: یہ منطق میں ملا محب اللہ بہاری (م ۱۷۰۷ء) کی مشہور متداول کتاب سلم العلوم کی شرح ہے جو ۱۸۶۱ء میں دہلی کے مجتبائی پریس سے شائع ہوئی تھی اور ۲۷۸ صفحات پر مشتمل ہے۔ زبید احمد نے التعلیقات علی شرح شرح العلوم کے نام سے اس کا ذکر کیا ہے[1]۔

۲۰۔ شرح مسلم الثبوت: یہ بھی اصول فقہ میں محب اللہ بہاری (۱۷۰۷ء) کی کتاب مسلم الثبوت کی شرح ہے جو اپنے فن میں نمایاں حیثیت کی حامل ہے۔ اس کتاب کا تاریخی نام فواتح الرحموت فی شرح مسلم الثبوت ہے، اس کتاب کی اور بھی شرحیں لکھی گئی ہیں مگر یہ کافی مقبول ہوئی اور ۱۸۷۹ء میں لکھنؤ میں مطبع نولکشور سے شائع ہوئی تھی اور بڑی تقطیع کے ۶۳۰ صفحات پر مشتمل تھی۔

۲۱۔ شرح الضابطة: یہ منطق کے مسئلہ ضابطہ پر ایک مختصر رسالہ ہے جو ۴۳ صفحات پر مشتمل ہے اور ۱۳۱۳ھ میں مطبع محمدی مدراس میں چھپا تھا[2]۔ ہو سکتا ہے یہ وہی کتاب ہو جس کا اوپر "الحاشیة علی ضابطة التہذیب" کے نام سے ذکر ہو چکا ہے مگر مجھے ان دونوں میں سے کوئی دستیاب نہ ہو سکی۔

۲۲۔ شرح فص نوحی من فصوص الحکم: تصوف میں محی الدین ابن العربی کی کتاب فصوص الحکم اپنی مشہور و متداول ہے یہ اس کے صرف 'فص نوحی' کی شرح ہے، اس کا ذکر صرف کوکن

۱۔ زبید احمد: مصدر سابق ص ۱۶۴

۲۔ کوکن: مصدر سابق ص ۳۱۱

کے کسی بھی تذکرہ نگار نے اس کا ذکر نہیں کیا ہے اس کے دو قلمی نسخے کتب خانہ دارالعلوم ندوۃ

میں ہیں۔

۱۵۔ رسالہ توحید: اس رسالہ کا ذکر صرف رحمان علی اور سید سلیمان ندوی ؒ نے کیا ہے[۱] ا

یہ بھی وضاحت نہیں کی ہے کہ یہ عربی میں ہے یا فارسی میں لیکن غالباً فارسی میں ہو کہیں اور اس کا

میری نظر سے نہیں گذرا۔

۱۶۔ الرسالۃ الصغریٰ فی السلوک: یہ تصوف میں چودہ صفحوں کا ایک مختصر رسالہ ہے جو

کا ایک نسخہ رضا لائبریری رامپور میں ہے اس کا ذکر صرف کوکن نے کیا ہے[۲] البتہ زبید احمد نے رسا

الصغریٰ[۳] کے نام سے کیا ہے اور اسی نسخہ کا حوالہ دیا ہے۔

۱۷۔ رسالۃ فی تقسیم الحدیث: یہ تقسیم حدیث کے متعلق ایک مختصر رسالہ ہے جس کا ایک

نسخہ رضا لائبریری رامپور میں ہے۔ عام تذکرہ نگاروں نے اس کا ذکر نہیں کیا ہے البتہ کوکن

زبید احمد نے اس کا ذکر کیا ہے[۴]۔

۱۸۔ شرح الدائر فی الاصول: اس کا ذکر صرف مولانا عبدالباری و شیخ الطاف الرحمٰن ۔

کیا ہے[۵] مگر کوئی مزید وضاحت نہیں کی ہے۔ 'الدائر فی الاصول' کے نام سے کسی کتاب کا ذکر نہیں

ابو عبداللہ بن مبارک شاہ الہردی الملقب بہ معین نے مدار الفحول فی شرح منار الاصول کے

۱۔ قادری، مصدر سابق، ص ۳۰۵ و سید سلیمان ندوی، مصدر سابق ص ۲۷

۲۔ کوکن: مصدر سابق، ص ۳۲

۳۔ زبید احمد: مصدر سابق، ص ۳۶۷

۴۔ کوکن: مصدر سابق، ص ۳۳ و زبید احمد: مصدر سابق، ص ۳۰۶

۵۔ عبدالباری: مصدر سابق، ص ۲۵ و الطاف الرحمٰن: مصدر سابق، ص ۶۵، سید سلیمان ند

(مصدر سابق، ص ۲۷) نے شرح فارسی منار الانوار کا ذکر کیا ہے۔

فارسی ترجمہ کے ۱۲۶۸ھ میں مطبع مصطفائی کانپور سے شائع ہوئے تھے اس کے نسخے متعدد کتب خانوں میں پائے جاتے ہیں البتہ بحرالعلوم کے کسی تذکرہ نگار نے اس کا ذکر نہیں کیا ہے۔

۲۹۔ وحدۃ الوجود: اس میں شیخ محی الدین ابن عربی (۱۱۶۵ — ۱۲۴۰ء) کے نقطۂ نظر سے مسئلہ وحدۃ الوجود کی فارسی میں وضاحت کی ہے۔

۳۰۔ ہدایت الصرف: یہ علم صرف پر فارسی میں ایک مختصر رسالہ ہے جو انھوں نے اپنے بڑے لڑکے عبدالاعلیٰ (م ۱۲۰۷ھ) کے لئے لکھا تھا یہ رسالہ چھپ بھی چکا ہے اور اس کے قلمی نسخے بھی پائے جاتے ہیں۔

چونکہ بحرالعلوم کا بیشتر وقت کثیر التعداد طلباء کو درس دینے میں صرف ہوتا تھا اس لئے کتب مذکورہ بالا میں بیشتر شروح وحواشی اور تعلیقات ہیں نیز ان کا تعلق درسیات سے ہے اور اگرچہ "مولانا بحرالعلوم اور ان کے خاندان کے زور طبیعت کا جولانگاہ اکثر منطق وفلسفہ رہا"[۱] پھر بھی انھوں نے اصول حدیث، فقہ، اصول فقہ، علم کلام، تصوف، عقائد اور دیگر علوم میں بھی گرانقدر تصانیف کا اضافہ کیا۔

ان تصانیف پر ایک اجمالی نظر ڈالنے سے ان کی حسب ذیل خصوصیات[۲] سامنے آتی ہیں:

۱۔ حکمائے اسلام عام طور پر یونانی فلاسفہ کی تردید کرنے کے باوجود ان سے مرعوب معلوم ہوتے ہیں مگر بحرالعلوم کی تصانیف سے اس قسم کی کسی مرعوبیت کا پتہ نہیں چلتا۔

۲۔ عام طور پر متاخرین قدماء کے مسائل و دلائل کو اپنے الفاظ میں بیان کر کے صرف ان کی تشریح وتوضیح کرتے ہیں مگر بحرالعلوم اپنی طرف سے دعوی پیش کر کے دلائل بھی دیتے ہیں نیز

۱۔ سید سلیمان ندوی: مصدر سابق، ص ۳۲

۲۔ تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو، سید سلیمان ندوی: مصدر سابق ص ۲۷-۳۱

اور زبید احمد نے کیا ہے[1]۔

۲۳۔ شرح فقہ اکبر: یہ امام ابوحنیفہ (۶۹۹ - ۷۶۷) کی مشہور کتاب فقہ اکبر کی فارسی شرح ہے، بعض تذکروں میں اس کے طبع ہونے کا بھی ذکر ہے۔

۲۴۔ شرح مثنوی مولانا روم: یہ مولانا جلال الدین رومی (۱۲۰۷ - ۱۲۷۳) کی مشہور مثنوی کی فارسی شرح ہے جو چھ جلدوں میں مطبع نولکشور لکھنؤ سے شائع بھی ہو چکی ہے اور اس کے قلمی نسخے بھی پائے جاتے ہیں۔

۲۵۔ شرح المجسطی: علم ہیئت میں بطلیموس (م ۱۶۷) کی کتاب AL MAGESTE سب سے قدیم سمجھی جاتی ہے جس کا عربی میں ترجمہ حنین بن اسحاق (۸۱۰ - ۸۷۳) نے کیا تھا یہ اسی کی ایک شرح ہے جس کا ایک قلمی نسخہ کلکتہ میں ایشیاٹک سوسائٹی کی لائبریری میں پایا جاتا ہے البتہ اس کا ذکر صرف زبید احمد اور کوکن نے کیا ہے[2]۔

۲۶۔ شرح مقامات المبادی: اس کا ذکر بھی زبید احمد اور کوکن نے کیا ہے اور غالباً یہ مسلم الثبوت کے مبادی کلامیہ کی شرح ہے اس کا ایک قلمی نسخہ کتب خانہ آصفیہ حیدر آباد میں پایا جاتا ہے[3]۔

۲۷۔ العجالۃ النافقہ: حکمت و فلسفہ کی یہ کتاب ۳۱۴ صفحات پر مشتمل ہے اور اس کا ایک قلمی نسخہ رضا لائبریری رامپور میں ہے۔

۲۸۔ مسائل متعلقہ حقہ و حرمت نان پاؤ و افیون و جوز بنگ: یہ درحقیقت ایک استفتار کے جوابات ہیں جو بحر العلوم، شاہ عبدالعزیز دہلوی (۱۱۵۹ - ۱۲۳۹ھ) اور شاہ رفیع الدین دہلوی (۱۱۶۳ - ۱۲۳۳ھ) نے دیئے تھے یہ متوسط تقطیع کے ۸۶ صفحات پر مشتمل ہیں اور عربی مع بین السطور

۱۔ کوکن: مصدر سابق، ص ۳۲ و زبید احمد: مصدر سابق، ص ۳۶۷

۲۔ زبید احمد: مصدر سابق، ص ۳۴۴، و کوکن: مصدر سابق، ص ۳۳

۳۔ زبید احمد: مصدر سابق، ص ۳۸۸ و کوکن حوالہ بالا۔

ادبی مصادر میں آثار عمرینؓ

آثار عمرؓ

(۵)

جناب ڈاکٹر ابو النصر محمد خالدی صاحب پروفیسر شعبۂ تاریخ عثمانیہ یونیورسٹی حیدر آباد

۵۰. عبید اللہ بن زیاد بن ظبیان تیمی (تیم لات) متوفی سنہ ۵ھ نے کہا: اللہ عمرؓ پر رحم فرمائے کہا کرتے تھے۔ یا اللہ میں بیواؤں اور ان کی اولاد سے پناہ مانگتا ہوں۔

عبید اللہ بن زیاد بن ابی سفیان نے کہا: اللہ عمرؓ پر رحم فرمائے۔ آپ فرمایا کرتے تھے: ایسی عورت جو مردوں کے جھانسے میں باسانی آجاتی ہے اگر اس کے پیٹ میں جنین نو مہینہ رہے تو وہ بلید دکو دن ہی نکلتا ہے۔

البیان والتبیین ۔ ج ۲ ص ۲۴۲

توضیح: تیمی دھوکہ سے نقل کرنے میں بہت جری تھا۔ اس نے عبید اللہ کے والد زیاد بن ابی سفیان کی والدہ پر لگائے ہوئے اتہام پر تعریض کی تھی۔ جواب میں عبید اللہ نے تیمی کی ماں کے متعلق ویسی ہی بات کہہ ڈالی۔ والبادی اظلم

زیاد کی والدہ پر تہمت کا واقعہ کسی ابتدائی معتبر تاریخ اور حمقار کے معنی متداول مستند قاموس میں دیکھے جا سکتے ہیں۔ یہاں تفصیل قطعاً غیر ضروری معلوم ہوتی ہے۔

تنبیہ: شبہ ہوتا ہے کہ تیمی اور عبید اللہ دونوں نے عمرؓ کے قول کا اپنی غرض کے لئے

قدما کی گرفت کرکے ان کی غلطیاں نکالتے ہیں۔

۳۔ متاخرین شراح عام طور پر ماتن وشارح کی جا وبیجا حمایت کرتے ہیں مگر بحر العلوم اُن کی لغزشوں کے ظاہر کرنے میں تامل نہیں کرتے۔

۴۔ معقولات کے مصنفین بالعموم بیجا اختصار، ناموزوں ترکیب اور پیچیدہ طرز ادا سے آسان مسئلہ کو بھی دشوار وپیچیدہ بنا دیتے ہیں مگر بحر العلوم پیچیدہ سے پیچیدہ مسئلہ کی بھی اس طرح تحلیل کرتے ہیں کہ اس کا رگ وریشہ تک نظر آنے لگتا ہے۔

۵۔ بحر العلوم تقلید جامد کے قائل نہیں ہیں اسی لئے ماتریدی حنفی ہونے کے باوجود الارکان الاربعہ اور مسلم کی مبادی کلامیہ میں کئی مقامات پر ماتریدی احناف سے اختلاف کیا ہے۔

۶۔ ان کی تصانیف میں ان کے مذہبی خیالات کا عکس جگہ جگہ پایا جاتا ہے، درحقیقت اُن کی تصانیف ان کے دل کا آئینہ ہیں جس میں ہر شخص ان کے خط وخال دیکھ سکتا ہے۔

البتہ اگر بحر العلوم مختلف علوم وفنون کی متداول کتب پر شروح وحواشی اور تعلیقات لکھنے کی بجائے انھیں فنون پر اپنی صاف شستہ زبان میں مستقل کتابیں لکھدیتے تو وہ زیادہ مفید وکار آمد ثابت ہوتیں۔ الارکان اربعہ، بلاشبہ اپنی نوعیت اور اپنے اسلوب نگارش کے لحاظ سے خاص اہمیت کی حامل ہے۔ کاش اِسی نہج پر بحر العلوم نے دیگر علوم وفنون میں بھی اضافہ کیا ہوتا۔

۱۔ عیون الاخبار، ابومحمد عبداللہ بن مسلم متوفی سنہ ۲۷۶ ہر ج ۴ ص ۲۳۔ دارالکتب قاہرہ۔

۲۔ الکامل فی الادب، ابوالعباس محمد بن یزید متوفی سنہ ۲۸۵ ہر ص ۲۳۳ طبع یورپ۔

۵۲ امام عامر شعبی متوفی سنہ ۱۰۳ ہر سے روایت ہے: عمرؓ کے دورِ خلافت میں سائب مدائن کے حاکم تھے۔ بغرض معائنہ ونگرانی مہرجان تُذق آئے یہاں ایرانی شہنشاہ کا ایک عالیشان محل تھا۔ اس میں مختلف طول وعرض کے ایک ہزار کرے تھے۔ سائب اس میں گھومتے پھرتے ایک کرہ میں آئے تو کیا دیکھتے ہیں کہ پختہ گچی سے بنا ہوا ایک مجسمہ نصب ہے۔ اس کا ہاتھ ایک جانب پھیلا ہوا تھا۔ نظر پڑتے ہی سائب نے کہا: اللہ کی قسم کھا کر کہتا ہوں یہ پُتلی کسی نہ کسی شے کی طرف اشارہ کرتی ہے۔ اس جانب دیکھو تو سہی۔

لوگوں نے اشارہ جگہ کی تلاش کی۔ کچھ زمین کھودی تو ہرمزان کے پوشیدہ ذخیرہ سے ایک درجک برآمد ہوئی۔ یہ زبرجد و یاقوت وغیرہ سے بھری ہوئی تھی۔ سائب نے اس درجک کے جواہر سے سبز رنگ کا ایک نگینہ خود رکھ لیا اور عمرؓ کو پورا درجک روانہ کر دیا۔ ساتھ ہی معروضہ گزرانا کہ امیرالمومنین اگر مناسب سمجھیں تو ایک نگینہ مجھے عنایت فرمائیں۔

مال غنیمت دار الخلافہ پہنچا تو عمرؓ نے جواہر کا درجک ہرمزان کو دکھایا ہرمزان نے دیکھ کر کہا وہ چھوٹا نگینہ کدھر گیا جو سبز رنگ کا تھا؟ آپ نے فرمایا: وہ ہمارے والی نے مانگا تو میں نے وہ اسے بخش دیا۔ یہ جواب سن کر ہرمزان نے کہا: تمہارا والی تو بڑا جوہر شناس نکلا۔

البیان والتبیین ج ۲ ص ۲۶۳

۵۳ سنہ اٹھارہ ہجری میں بمقام عمواس واقع شام طاعون کی وبا پھوٹ پڑی۔ اس زمانہ میں وہاں مومنوں کی فوج کے سردار ابوعبیدہ عامر بن جراح فہری تھے۔ عمرؓ کو وبا کی اطلاع ملی تو آپ نے ابوعبیدہ کو لکھا۔ عمواس سے نکل جاؤ۔ اس حکم پر ابوعبیدہ نے جواباً لکھا: کیا آپ اللہ کی قدرت سے بھاگتے ہیں۔ آپ نے فرمایا: ہاں! اللہ کی قدرت کے وسیلہ ہی سے اللہ کی

بے محل استعمال کیا۔ ممکن ہے کہ اس قول کا آپؓ سے انتساب ہی درست نہ ہو۔

۵۱ جاحظ نے لکھا ہے: ایک مرتبہ علی اسواری نے مجھ سے کہا: عمرؓ ایک بال سے لٹکے ہوئے ہیں۔ میں نے پوچھا ان کا یہ حال کیوں ہوا؟ اسواری نے کہا: انھوں نے نصر بن سیار کے ساتھ جو سلوک کیا۔

نصر سے اسواری کی مراد نصر بن حجاج بن علاط ہے۔

البیان والتبیین۔ ج ۲ ص ۲۶۱

توضیح: جاحظ نے یہاں نام کی توضیح پر اکتفا کی ہے کہ دوسری صدی ہجری میں یہ واقعہ شہری آبادی کے خواندہ طبقہ میں جانا ہوا تھا۔

آج قریبًا ایک ہزار سال بعد اور وہ بھی ہندوستان میں یہ قریبًا نامعلوم سا ہی ہے۔ اس لئے اتنی وضاحت بہرحال ضروری ہے کہ: نصر بن حجّاج مدینہ منورہ میں ایک نہایت خوش رُو نوجوان تھے۔ فارعہ بنت ہمام ثقفی نے بطور تفنّن تین شعر ایسے کہے جن سے نصر سے لطفِ گفتگو اٹھانے کی خواہش ظاہر ہوتی تھی۔

عمرؓ کے کانوں تک یہ بیتیں پہنچیں تو آپ نے کہا: میں مدینہ منورہ میں کسی ایسے شخص کا قیام پسند نہیں کرتا جسے دیکھنے کی عورتیں آرزو کریں۔ چناں چہ آپ نے نصر کو بلوا کر ان کا سر منڈوادیا۔ وہ اور زیادہ حسین دکھائی دینے لگے۔ بہرطور عمرؓ نے نصر کو بصرہ بھیج دیا۔ وہاں بھی وہ اس حیثیت سے مشہور ہوئے تو انھیں فارس روانہ کر دیا گیا اور عمرؓ کے حکم سے وہ اپنا زیادہ وقت مسجد میں گزارنے لگے۔

عمرؓ نے فارعہ کے متعلق دریافت حال کی تو ان کی عصمت وعفت شبہ سے بالاتر نکلی۔ آپ نے کچھ تعرض نہیں کیا اور بات آئی گئی ہوگئی۔

یہ واقعہ یوں تو متعدد کلاسکی کتابوں میں ثبت ہے یہاں صرف دو ہی حوالے کافی سمجھے گئے۔

۲۲۔ حدیث النبی صلعم ہے : کم زور مومن سے زور آور مومن بہتر ہے۔
صحیح مسلم ۔ کتاب القدر ۔ ۴۶ ۔ باب ۸ نیز سنن ابن ماجہ ۔ مقدمہ حدیث ۷۹ ۔
البیان والتبیین کے مرتب نے لسان العرب کے حوالہ ، مادہ ، ت ف ف سے عمرؓ
کا یہ اثر یوں نقل کیا ہے : حذیفہؓ متوفی سنہ ۳۶ ھ نے عمرؓ سے پوچھا : کیا آپ ایک لبے راہ رو
رجل الفاجر سے خدمت لیتے ہیں ؟ عمرؓ نے فرمایا (اصابت رائے ، ارادہ کی مضبوطی اور
نفاذ کی قوت کی بنا پر اس کو ایک کام پر مامور کرتا ہوں پھر اس پر کڑی نگرانی رکھتا ہوں
۔ الخ
۲۳۔ البیان والتبیین میں ایک فصل کا عنوان ہے : کلام محذوف = مطلب یہ کہ سامع
یا قاری پہلے ہی سے کسی تجربہ ، خبر ، مشاہدہ یا واقعہ سے واقف رہتا ہے ۔ محرر و مقرر تحریر
یا تقریر میں اس کی وضاحت نہیں کرتا ۔ بعض وقت وضاحت کلام کی خوبی کم کر دیتی بلکہ کبھی تو
قباحت پیدا کر دیتی ہے ۔ جیسے مثلاً رسول اللہ صلعم نے مہاجروں سے کہا : انصار ہم پر فضیلت
رکھتے ہیں ۔ انھوں نے ہمیں پناہ دی ، ہماری مدد کی ہمارے ساتھ ایسا اور ایسا نیک سلوک
کیا ۔ پھر آپ نے پوچھا : کیا تم ان کے لئے اس کا اقرار کرتے ہو ؟ مہاجروں نے کہا : جی
ہاں ۔ آپ صلعم نے فرمایا : ہاں ایسا ہی ہے ۔
حدیث رسول اللہ صلعم میں اس سے زیادہ کوئی لفظ نہیں ہے ۔ مگر سیاق و سباق
صاف بتا رہا ہے کہ آپ صلعم کی مراد واضح ہے کہ تمھاری طرف سے انصار کی فضیلت کا
اظہار شکر اور ان کے سلوک کا بدل ہے ۔
اسی طرح کے کلام محذوف میں عمرؓ کا درج ذیل قول بھی شامل ہے ۔
عمرؓ نے فرمایا : رسول اللہ صلعم کے زمانہ میں دو طرح کے متعہ باقی رہ گئے تھے ۔
میں انھیں ناجائز قرار دیتا ہوں ۔ ان کا ارتکاب کرنے والوں کو سزا دوں گا ۔
یہاں عمرؓ نے یہ بات نہیں دہرائی کہ متع کو خود رسول اللہ صلعم ناجائز قرار دے چکے تھے ۔

قدرت کی طرف۔

وبروایتے: ابوعبیدالله کا جواب پڑھ کر عمرؓ نے سورۃ البقر کی ۱۵۶ ویں آیت: ہم
الله کی ہے اور بے شک ہم اللہ ہی کی طرف لوٹنے والے ہیں، پڑھی۔ اس پر حاضرین نے کہا: ابو
کا انتقال ہوگیا؟ عمرؓ نے کہا نہیں۔ ابھی تو نہیں، شاید ہو جائے۔

حاضرین نے پھر بغرض تفہیم پوچھا: کیا اللہ کی قدرت سے بچنے کی کوشش کامیاب ہو
ہے؟ آپ نے فرمایا: اگر بچنے، خبردار رہنے سے کوئی فائدہ نہ ہوتا تو پھر بچنے، چوکس رہنے
اور احتیاط برتنے کا حکم دینا ایک بے معنی بات ہوتی۔

البیان والتبین ج ۲ ص ۲۷۹ + البخلاء ج ۲ ص ۱۴۹

۵۴ عمرؓ نے فرمایا: (امور خلافت میں) میں ایسے شخص سے بھی خدمت و مدد لیتا ہوں
میں کچھ ہو۔

راوی نے کہا: عمرؓ کے قول میں صرف اتنا ہی ہے کہ: جس میں کچھ ہو، اس سے زیا
نہیں۔

راوی نے کہا: پھر آپ نے بات شروع کی: ایسے شخص کو کسی کام پر مامور کرتا ہو
اس کی سخت نگرانی کرتا رہتا ہوں (کہ کہیں سیدھے رستے سے ہٹ تو نہیں جاتا ہے) لیکن
وہ کوئی کم زور مومن نہ ہو بلکہ قوی ہو۔

جاحظ نے کہا: "جس میں کچھ ہو" سے عمرؓ کی مراد جاہلی شاعر قیس بن خفاف برجمی کا وہ
ہے جس میں اس نے سوید نامی شخص کا ذکر کرتے ہوئے کہا تھا: اگر سوید کو تاج پہنایا جا
تو وہ بہت خوب دکھائی دیتا ہے۔ مگر ہم اس کو اپنا سردار بنانا نہیں چاہتے۔ کیونکہ اس
ہے۔ ہماری سرداری کے لئے کسی اور کو تلاش کرو۔

یہاں شاعر نے سوید کی کوئی برائی، خرابی یا نقص کا نام بالکل نہیں لیا صرف کنایہ پر اکتفا
ہے۔

البیان والتبین۔ ج ۲ ص ۲۸۰

توضیح: متع ــ الف ــ سے مراد نکاح جو صرف وقت متعین کر کے کیا جائے کہ اتنے اور اتنے وقت (گھنٹے، دن، مہینے، سال) کے لئے ہے۔ مدت ختم ہونے پر عقد اپنے آپ ٹوٹ جائے گا۔ یہ متع ہر مسلم کے لئے ناجائز ہے۔

متع ــ ب ــ سے مراد وقت واحد میں حج اور عمرہ دونوں کا جمع کرنا۔ یہ متع اہل مکہ کے لئے ناجائز ہے۔

تفصیل کے لئے کسی فقہی کتاب سے بآسانی رجوع کیا جا سکتا ہے۔

۵۶ عمرؓ نے اپنے والی عمرو بن عاص کو (متوفی شوال سنہ ۴۳ھ) اپنے یہاں دار الخلافہ آنے پر ابھارا۔ وہ حاضر ہوئے تو کہا: تم تو اس طرح چلے جیسے محبت کا مارا چلتا ہے!

عمرو بن عاص نے کہا: واللہ! مجھے لونڈیوں نے اپنی بغل میں لیا اور نہ بیسواؤں نے نے اپنے گندے لتوں سے بچی ہوئی چندلیوں میں لپیٹا۔

اس پر عمرؓ نے کہا: مرغی راکھ میں مناسب جگہ تلاش کرتی رہتی ہے۔ وہاں جب حسب مطلب جگہ مل جاتی ہے تو بغیر نر انڈا رکھ دیتی ہے۔ یہ انڈا اسی مرغی کے نر کی طرف منسوب ہو جاتا ہے۔

یہ کہہ کر عمرؓ کھڑے ہو گئے اور اپنے گھر میں چلے گئے۔ عمرو بن عاص بھی کھڑے ہو گئے اور کہا: امیر المومنین نے ہم سے فحش کلامی کی۔

البیان والتبیین۔ ج ۲ ص ۲۸۳

ملحوظہ: راقم کم فہم کو اس اثر کے ارد گرد یا اس کے سیاق و سباق تک رسائی نہیں ہو سکی۔ اس لئے کلام کا ٹھیک ٹھیک مفہوم واضح نہیں ہوا۔ ناظرین کرام سے درخواست ہے کہ وہ قابل توجہ خیال کریں تو اس کی تشریح فرمائیں۔ لہم الاجر۔

۵۷ عمرؓ نے فرمایا: تم جوانی کی ہر ایسی بھول چوک سے خبردار رہو جس سے تمھارے نام کو بٹا لگ جائے اور لوگ تمھیں برے نام سے پکارنے، یاد کرنے لگیں۔ کیونکہ بے پروائی

عمرؓ کا فرمانا ایسا ہی ہے جیسے کوئی یہ کہے کہ کیا تم صلات میں بات کرنے سے منع کیا ہو اور ایسا کرنے والے کو سزا دو گے تو وہ یہی کہے گا کہ ہاں جو اس کے خلاف کرے گا وہ سزا پائے گا۔ جواب دینے والا سائل کا سوال دہرائے گا اور نہ صلات کے دوسرے احکام بتائے گا۔

عمرؓ کا یہ اثر جاحظ نے الحیوان میں جس طرح نقل کیا ہے وہ یوں ہے: سورۃ مریم میں (آیت رقم باسٹھ) آیا ہے اہل جنت کو ان کا رزق پیہم صبح شام ملتا رہے گا۔
اس کے متعلق دریافت کیا گیا تو مفسر نے کہا: جنت میں صبح شام نہیں ہوگی۔ اب دیکھئے۔ قرآن نے سچ کہا اور مفسر نے بھی ٹھیک ہی کہا۔ قرآن نے مخاطبوں کی سمجھ کے مطابق ایک اندازہ بتایا۔ مفسر نے بتایا کہ جنت سورج کے طلوع و غروب ہونے کا محل نہیں ہے کہ اس سے پہلے ہی وہ لپیٹ دیا یا پھیر دیا جائے گا۔ اذا الشمس کورت۔ بالکل اسی طرح عمرؓ نے فرمایا: دو متع جو رسول اللہ صلعم کے زمانہ الخ تو اس کا مطلب سامعوں پر بالکل ظاہر تھا کہ جو بات رسول اللہ صلعم کے ابتدائی زمانہ میں بوجہ عذر شرعی محض عارضی طور پر مباح تھی اس کو خود آپ نے ممنوع قرار دیا تھا۔ عمرؓ اس حکم کی تجدید کر رہے کہ رسل و رسائل کی غیر معمولی قلت کی بنا پر یہ حکم ہر کہ ومہ کو معلوم نہ ہوسکا تھا۔

ہم (جاحظ) نے محذوف کی کئی قسموں سے ایک قسم جو بیان کی اگر وہ غلط ہے تو ماننا پڑے گا۔ اللہ ہمیں معاف کرے ــــ عمرؓ سے زیادہ اسلامی احکام سے ناواقف کوئی اور نہیں تھا کہ انھوں نے مجمع عام میں بر سر منبر رسول اللہ صلعم کے حکم سے تجاوز کیا۔ لیکن ایسا نہیں ہے۔ لوگوں نے عمرؓ کا کلام گوشِ ہوش سے سنا۔ اس کی تردید نہیں کی۔ اس میں شک نہیں کیا۔ اس کو صحیح مانا اور عمل کیا۔

البیان والتبیین ج ۲ ص ۲۸۲

الحیوان ج ۴ ص ۲۷۶ جاری

عمرؓ ان سب مفاسد کو رد کرنے کے لئے ایسے احکام نافذ کر رہے تھے۔ درج صدر حکم کو ان کا ایک مختصر و معمولی نمونہ سمجھئے۔

۶۰ عمرؓ نے فرمایا: جو جانور تمہاری نظر میں سب سے اچھا معلوم ہوا سی کو فروخت کر ڈالو۔

البیان والتبیین ۔ ج ۲ ص ۲۸۶

تشریح: مطلب یہ معلوم ہوتا ہے کہ دنیا میں تمہارا دل اٹکا نہ رہے اور قیمت بھی بڑھی چڑھی ملے۔ اور اس کو دوسرے مفید کاموں میں صرف کرو۔

۶۱ عمرؓ نے فرمایا: موتوں میں فرق کیا کرو اور ایک سر کے دو سر بناؤ (یا کرو)

البیان والتبیین ج ۲ ص ۲۸۶ + البخلاء ج ۱ ص ۱۴

اور یہی کتاب ج ۲ ص ۱۵۰

تشریح: موتوں میں فرق سے مراد غالباً انسانوں کی حد تک مومن و مسلم کی موت اور مشرک و کافر و فاسق و فاجر کی موت میں فرق کرو۔ رہی اشیاء سو اس میں بھی دیکھو کونسی بے پروائی سے ضائع ہوتی اور کونسی مفید کام کے ضمن میں ٹوٹی یا پھوٹی۔

حاصل کلام یہ کہ ہر شئے کی ایک زندگی ہوتی ہے۔ مسلم و مومن کے پاس یہ اللہ کی امانت ہے احتیاط سے برمحل استعمال ہونی چاہیئے۔

ایک سر کے دو سر کا مطلب یہ معلوم ہوتا ہے کہ تو خیر آمدنی کی کوشش کرو۔ سرمایہ کو مشغول کرو۔ مال جمع نہ کرو۔ زیادہ کماؤ اور فی سبیل اللہ زیادہ سے زیادہ خرچ کرو۔

۶۲۔ عمرؓ نے فرمایا: بھگوئے ہوئے آٹے کو اچھی طرح گوندھو۔ اس کو بڑھانے کے دو ذریعوں میں سے ایک گوندھنا ہے۔

البیان والتبیین ۔ ج ۲ ص ۲۸۶

البخلاء ج ۱ ص ۴۴ باختلاف خفیف

سے صادر شدہ قول یا فعل کے بعد تمہاری شان بڑھ جائے تو اس وقت ان کوتاہیوں پر تمہار
پچھتاوے میں نامناسب شدت پیدا ہوجائے گی۔

البیان والتبیین - ج ۲ ص ۲۸۶

۵۸ عمرؓ کو معلوم ہوا کہ آپ کے عامل عُتبہ بن غزوان سلمی (متوفی سنہ ۱۷ ھ) اور اس کے
ساتھیوں نے بصرہ میں اپنے اپنے مکان پختہ اینٹوں سے تعمیر کروائے ہیں اس اطلاع پر
عمرؓ نے عتبہ کو لکھا:

مجھے تمہارا ایسا کرنا سخت ناپسند تھا مگر ایسی صورت میں کہ تم نے ایسا کرہی لیا ہے تو
پھر مکانوں کی دیواریں چوڑی رکھا کرو۔ چھت اونچی ہو اور دنائیں قریب قریب ہوں (ان
کے درمیان فصل کم ہو)

البیان والتبیین - ج ۲ ص ۲۸۶

توضیح: مکان بناؤ تو بقدر استطاعت مضبوط و ہوادار ہوں کہ صرف تمہارے ہی نہیں
بلکہ تمہاری اولاد در اولاد کے بھی کام آئیں۔ بودے کچے مکان جلد گر جائیں گے۔ بار بار
بنانے میں توانائی و وقت بے کار صرف ہوں گے۔

۵۹ عمرؓ کو معلوم ہوا کہ عرب سردار جائدادیں پیدا کر رہے ہیں۔ مکانات تعمیر کئے
جا رہے ہیں تو آپ نے انھیں لکھا:

زمین کی سطح کو داغدار مت بناؤ۔ زمین کی چربی، شادابی اس کی سطح پر ہوتی ہے۔

البیان والتبیین۔ ج ۲ ص ۲۸۶

تشریح: یہ واقعہ بظن غالب عراق کا ہے۔ بصرہ و کوفہ جیسے شہروں کی آبادی میں
اضافہ تیزی سے ہو رہا تھا۔ مکانوں کی قلت ہو رہی تھی۔ مال دار عرب مکان بنوا کر کرایہ پر
اٹھا رہے تھے۔ زیر کاشت زمین جس سرعت سے کشوری زمین بنتی جا رہی تھی اسی رفتار
سے افتادہ زمین زیر کاشت نہیں آ رہی تھی۔ فتوحات کی تیزی سے صنعت بے گھر ہو رہی تھ

عالمی اسلامی کانفرنس

عراق میں نوروز

(۳)

مولانا مفتی عتیق الرحمن صاحب عثمانی

۹½ بجے کے قریب جلسہ گاہ (قاعۃ النعمان) واپس آگئے، جلسہ کی کارروائی شروع ہی ہوئی
تھی کہ ہم بھی پہونچ گئے، آج کی صبح وشام کی دونوں نشستوں میں مقالے پڑھے گئے، مقالے پڑھنے
والے زیادہ تھے اور وقت ان کی تعداد کے لحاظ سے کم تھا، اس لیے صدرِ اجلاس ہر صاحب
مقالہ سے اختصار وتخفیف کی درخواست کرتے رہے، لیکن مقالہ نگاروں کا مزاج ہر جگہ کا یکساں ہی
ہوتا ہے کہ پڑھنے والا پڑھتا ہی رہتا ہے اور سننے والے گھٹتے رہتے ہیں، اس اجتماع میں تو عرب ہی
عرب تھے جن کا زورِ خطابت، قوتِ بیان اور شعلہ مقالی ضرب المثل ہے، پھر بھی رئیسِ مجلس نے
غیر معمولی انتظامی صلاحیت کا ثبوت دیا اور پڑھنے والوں نے بھی ان کے منصب کا پورا پورا لحاظ
رکھا۔ صومالیہ کے نمایندے کو آج ہی واپس ہونا تھا اس لیے ان کی استدعا پر پہلے انہی کو مقالہ
پڑھنے کا موقع دیا گیا، ابھی مقالہ کا کچھ ہی حصہ پڑھا گیا تھا کہ مجمع کی سنجیدگی شور وغوغا میں تبدیل ہوگئی،
ہر طرف سے "نہیں سنیں گے" کی آوازیں بلند ہونے لگیں اور "بیٹھ جاؤ" "نہیں سنیں گے" کے
عربی نعرے پوری فضا میں گونجنے لگے، صومالیہ کا نمایندہ بھی پختہ کار اور سخت جان تھا، اس
بے لطفی کے باوجود اس نے مائک نہیں چھوڑا اور ڈائس پر ڈٹا رہا، جیسے ہی آوازے ہلکے پڑتے

ملحوظہ : عربوں کا خیال تھا کہ بھگوئے آٹے میں بڑھوتی خمیر اٹھانے اور گوندھنے سے ہوتی ہے۔

۶۳ عمرؓ نے فرمایا : اگر تم جانور (از قسم مویشی اونٹ، بکری، گائے) بیچنا چاہو تو اس کو اچھا چارہ دے کر) موٹا کرو۔ اگر کوئی ماہر حیوان (کسی وجہ سے) اس میں کوئی عیب نکالے تو عام بازار میں اس کو کوئی نہ کوئی ضرور ہی خرید لے گا۔

البیان والتبیین ج ۲ ص ۲۸۶

البخلاء ج ۲ ص ۱۵۰۔ باختلاف خفیف

۶۴ عمرؓ نے فرمایا : چادر کو گھٹنوں اور پیٹھ کے گرد لپیٹ کر اکڑوں بیٹھنا نہایت آرام دہ ہے

البیان والتبیین ج ۲ ص ۲۸۷

ملحوظہ : یہ احتباء کرسی کا بدل ہے۔ تجربہ سے اس کے آرام دہ ہونے کا اندازہ ہوگا گو اس کا تعلق عادت و تمدن سے بھی ہے۔

(باقی)

ائیں اور ملک خود کفیل ہو جائے ، ماسکو کے بازاروں کی طرح بغداد کے بازار بھی تمامتر مقامی مصنوعات
ے ہوئے ہیں اور خریدنے والے ذوق وشوق سے یہ چیزیں خریدتے ہیں حالانکہ ان کی کوالٹی
کی مصنوعات کے برابر نہیں ہے ، روس کے دورے اور اب اس دورے کے بعد یہ اندازہ ہوا
ندوستان بہت سی صنعتوں میں ، خاص طور پر صنعت پارچہ بافی میں ان ملکوں سے کافی آگے ہے ،
ں کے کپڑوں کی قسمیں دیکھکر اپنے ملک کے نفیس ، پائدار اور نرم ونازک کپڑے یاد آئے ،
وق السرائے بغداد کا مشہور بازار ہے ، یہاں ضرورت کی ہر چیز ملتی ہے ، ہمارے مرافق نے اس
اس بازار کی خوب سیر کرائی ، شارع التنبی بھی اس بازار سے لگی ہوئی ہے ، اس سڑک پر کتابوں
زبردست کاروبار ہے ، بغداد کے تمام بڑے بڑے مکتبے یہیں ہیں ، ہم صرف چند منٹ کے
مکتبۃ المثنیٰ جا سکے ، جی چاہتا تھا کچھ دیر یہاں ٹھہریں مگر وقت نہیں تھا ، مکتبۃ المثنیٰ کا شمار عراق
بڑے مکتبوں میں ہوتا ہے ، مذہبی ، تاریخی ، ادبی ہر قسم کی کتابوں کا بہت بڑا ذخیرہ اس مکتبہ
ں رہتا ہے ، اس کا اپنا بہت بڑا پریس بھی ہے ، مکتبۃ المثنیٰ کی طرح اور بھی بڑے بڑے
اب خانے ہیں جہاں اعلیٰ پیمانے پر کتابوں کی طباعت اور فروخت کا انتظام ہے ، قدیم لٹریچر
ے علاوہ جدید سیاسی لٹریچر کی فراوانی ہے ، جس کو دیکھ کر ہوا کا رُخ پہچاننے میں دشواری نہیں
رتی ، بازاروں کی سیر و تفریح سے فارغ ہو کر متعدد اہم مساجد بھی دیکھیں ، جیسے جامع الخلفاء ،
امع عائشہ خاتون ، جامع اربعۃ عشر ، یہ تمام مسجدیں عظیم الشان اور لائق دید ہیں ، جن میں بار بار
ز پڑھنے کو جی چاہتا تھا ، معلوم ہوا کہ چند کیلومیٹر کے اس ٹکڑے میں سیکڑوں مسجدیں ہیں ، جو سب کی
ب وزارۃ الاوقاف کی نگرانی میں ہیں اور وزارتِ اوقاف ہی اُن کے مصارف برداشت کرتی
ے ، عام مسجدوں کے اماموں اور خطیبوں کی تنخواہیں بھی ہمارے یہاں کے اعتبار سے بہت زیادہ ہیں
یہاں اور وہاں میں کوئی نسبت ہی نہیں ہے ، لیکن مشہور اور بڑی مسجدوں کے ائمہ اور خطباء
طور پر بڑے بڑے علماء ہوتے ہیں جو سوسائٹی میں اعلیٰ مقام رکھتے ہیں اور جن کو ہزاروں روپے
ذ منصب ملتا ہے ، ان حضرات سے خوب بے تکلفانہ باتیں ہوئیں ، مسجد اربعۃ عشر کے امام مذاہب

مقالہ شروع کر دیتا، زیادہ شور ہوتا تو پھر چند لمحے خاموش رہتا، ۔ صورت یہ تھی کہ صومالیہ میں کچھ
دنوں "مسلم پرسنل لا" میں ردّ و بدل کے سلسلے میں بہت سی نا واجب اور نا درست حرکتیں کی گئی تھیں
اور جو علماء حکومت کی پالیسی میں مُزاحم ہوئے تھے ان کے ساتھ سخت ظالمانہ اور بے رحمانہ سلوک
کیا گیا تھا، مقالے میں جیسے ہی "مسلم پرسنل لا" کے متعلق کوئی بات آئی، سامعین کے جذبات مشتعل ہو گئے
اور پورا ہال گرم ہو گیا، تلخی کی یہ فضا دیر تک قائم رہی، صدرِ اجلاس مولانا شیخ عبداللہ غوشہ نے
اس مرحلے پر ایک مختصر، موثر تقریر کی اور فرمایا صومالیہ کی مسلم حکومت نے ترکہ اور میراث میں مرد، عورت کو
کر دیا ہے، یہ صریحاً نصِّ قرآنی کے خلاف ہے، اس میں کوئی تاویل قابل سماعت نہیں ہو سکتی۔ شرکاء کے ایک
طبقے کا مطالبہ یہ تھا کہ حکومتِ صومالیہ کے خلاف مؤتمر میں باضابطہ تجویز لائی جائے، لیکن اس سے بہت سے
دوسرے دروازے کھل جانے کا اندیشہ تھا اور یہ اندیشہ صاف نظر آ رہا تھا، اُن دنوں ایران اور
عراق کا نزاع بھی شباب پر تھا، میں نے بہت سے عراقی ڈیلیگٹوں کو یہ کہتے ہوئے سنا تھا کہ اس اجتماع
میں ایران کے خلاف ریزولیشن نہ آیا تو پھر اس موتمر اور ہمارے آنے کا کیا فائدہ ہے"، مختلف ملکوں
کے اور بھی متعدد نزاعی مسائل ہیں جو ایسے اجتماعات میں اُٹھا کرتے ہیں، اس لیے میرا رُجحان شروع ہی سے
یہ تھا کہ مسئلۂ فلسطین اور بیت المقدس کی تجویز کے علاوہ براہ راست کوئی دوسری بنیادی تجویز اجلاس میں
نہ آئے اور یہی منشا صدرِ مؤتمر شیخ عبداللہ غوشہ اور موتمر کے منتظم اعلیٰ شیخ نافع قاسم کا تھا، بہت کچھ
ردّ و کد کے بعد یہ طے ہوا کہ موتمر کی جانب سے صومالیہ کے صدر کو فوراً ایک احتجاجی تار دیا جائے، چنانچہ
تار کا مضمون تیار کیا گیا اور صدرِ اجلاس نے اجتماع سے اس کی باضابطہ منظوری لے لی اور تار اسی وقت
روانہ کر دیا گیا، اس ضروری کارروائی کے بعد پھر مقالات کا سلسلہ شروع ہو گیا، جو تقریباً ۲ بجے تک
جاری رہا، آج کہیں باضابطہ دعوت نہیں تھی، اس لیے سیدھے قیام گاہ پر آئے، کھانا کھایا اور ظہر
کی نماز سے فارغ ہو کر آرام کیا شام کو بازاروں کی سیر کی اور شہر کی جدید کالونیوں کو بھی دیکھا، موجودہ
حکومت اس تاریخی شہر کی توسیع و ترقی پر غیر معمولی توجہ دے رہی ہے اور صنعت و حرفت میں بھی زبردست
اضافہ ہو رہا ہے، ۔ حکومت کی کوشش یہ ہے کہ ضرورت کی تمام چیزیں اپنے ہی یہاں تیار

خصوصیت یہ بھی تھی کہ جمہوریہ عراق کے نائب صدر جو بالکل نوجوان ہیں، اجلاس میں شریک ہوئے اور نہایت موثر اور جان دار تقریر کی، ان کا اندازِ خطابت بھی دلچسپ اور دل پسند تھا، ان کی تقریر پہ بار بار چیرز دیکر مجمع نے پسندیدگی کا اظہار کیا، تقریر کا خلاصہ اور لبّ لباب یہ تھا کہ "ہم جان کی بازی لگا کر بیت المقدس کی حفاظت کریں گے، صیہونیت کے خلاف ہمارا جہاد جاری رہے گا، اور ہم اسرائیل کو گھٹنے ٹیکنے پر مجبور کر دیں گے، اور یہ کہ اتحادِ عرب اور اتحادِ اسلامی ایک ہی تصویر کے دو رُخ ہیں"۔ نائب صدر نے تقریر ہی نہیں کی بلکہ بہت دیر تک ارکانِ موتمر کے ساتھ بیٹھے رہے اور اجلاس کی کارروائی سے دلچسپی لی، ۲ بجے تک مقالات کی خواندگی کا سلسلہ جاری رہا، آج بغداد کے میئر کی طرف سے دوپہر کے کھانے کا انتظام "قصر السلام" میں تھا، "قصر السلام" شہر کی مشہور ترین، شاندار عمارت ہے، بڑی بڑی دعوتیں یہیں ہوتی ہیں۔ وفودِ موتمر کے علاوہ دوسرے بہت سے حضرات بھی کھانے پر مدعو تھے، خوب رونق رہی اور دیر تک آزادانہ تبادلہ خیالات ہوتا رہا، تین سے ۴ بجے کے قریب فراغت ہوئی اور مہمان اپنی اپنی قیام گاہوں پر واپس ہوگئے، ظہر کی نماز سے "قصر السلام" ہی میں فارغ ہو گئے تھے تھکن کافی ہوگئی تھی، دو گھنٹے کے قریب آرام کیا اور شام کی سیر کے لیے تازہ دم ہوگئے، شام کو اجتماع نہیں تھا اور یہ وقت تفریح کے لیے خالی تھا، ہم نے اس فرصت سے فائدہ اٹھا کر "سلمان پاک" کا پروگرام بنالیا، "سلمان پاک" شہر سے ۳۲ کیلومیٹر کے قریب ہے ہم لوگ ہوٹل سے ایسے وقت چلے کہ مغرب کی نماز وہاں پڑھ لیں چنانچہ ٹھیک مغرب کے وقت پہونچ گئے اور جماعت سے نماز ادا کی، یہاں پہونچ کر دل و دماغ کی کچھ اور ہی کیفیت ہوگئی، بغداد اور اس کی چہل پہل سے اب ہمارا کوئی واسطہ نہیں تھا۔ اس خطۂ پاک میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے دو مشہور اور بڑے درجے کے صحابی آرام فرما ہیں، (۱) حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ اور حضرت حذیفہ بن الیمان رضی اللہ عنہ، دونوں مزار مسجد کی بغل میں ہیں، ہم نے ادب و احترام کے جذبات سے سرشار ہوکر سرورِ کونین صلی اللہ علیہ وسلم کے ان برگزیدہ ترین اصحاب کے مزارات پر حاضری دی اور کچھ دیر ان کے قدموں میں بیٹھے رہے، مناقب و فضائل صحابہ کا باب نہایت وسیع ہے، حضرات صحابہ میں ہر ایک کی اپنی خصوصیات ہیں، اس وقت قدرتی طور پر رسول اللہؐ کے ان دو مقدس ساتھیوں کے خاص خاص

جو ان دنوں مسجد عائشہ خاتون کے خطیب ہیں، انڈونیشیا میں بھی ہمارے ساتھ تھے، مؤتمر کے اجتماعات سے فراغت کے بعد صرف بغداد میں کم سے کم ایک ہفتہ قیام کی ضرورت تھی، اور مزید قیام کے لیے شیخ نافع قاسم صاحب کا اصرار بھی تھا مگر مجھے "مسلم مجلس مشاورت" اور "مسلم پرسنل لا" کے اجتماعات میں شرکت کے لیے ۷ر فروری کو بنگلور پہونچنا تھا اس وجہ سے قیام میں توسیع کا کوئی سوال ہی نہیں تھا اور بغداد کی تفصیلی سیر کے علاوہ موصل، بصرہ وغیرہ کے پروگرام بھی ملتوی کرنے پڑے، اتوار کا دن خاص طور پر مقالات کے ہجوم کا دن تھا، پہلی نشست ٹھیک ۹ بجے شروع ہوئی جو مسلسل پانچ گھنٹے تک جاری رہی، اس نشست میں مصر، شام، اُردن، کویت، الجیریا، لیبیا، مراکش، ٹیونس، الوظبی، افغانستان، ہندوستان، پاکستان، بنگلہ دیش، بلغاریہ، یوگوسلاویہ، روس اور افریقہ کی متعدد ریاستوں کے نمایندوں کو اپنے مقالے پڑھنے تھے، اکثر مقالات مسئلۂ فلسطین، بیت المقدس کی غیر اہمیت اور صیہونیت کے جارحانہ عزائم سے متعلق تھے، بعض مقالات نہایت پرجوش اور ولولہ انگیز مقالات کا ایک حصہ تعلیماتِ اسلامی کی خصوصیات اور دیگر الہامی مذاہب کے بارے میں اسلام کے موقف کی وضاحت پر مشتمل تھا، اور اسلام کے اس موقف کو دل پذیر اور دل نشین قالب میں پیش کیا گیا تھا کچھ ایسے مقالات بھی تھے جن کو سن کر محسوس ہو رہا تھا کہ ازراہِ ثواب صرف آیاتِ قرآنی کی تلاوت کی جا رہی ہے، اس طرح کی چیزوں کے بابرکت ہونے میں دو رائیں نہیں ہو سکتیں لیکن ہر چیز کا ایک موقع محل ہوتا ہے، اس اجتماع میں یہ طریقہ کچھ زیادہ موزوں معلوم نہیں ہو رہا تھا، "ادارہ دینیہ تاشقند و قزاقستان" کے صدر مولانا مفتی ضیاء الدین بابا خانوف نے بھی ایک سلجھا ہوا مختصر مقالہ پڑھا، موصوف نے ایک مقام پر روس کی مسلم ریاستوں میں رہنے والے مسلمانوں کی تعداد کا بھی ذکر کر دیا، جس پر فوراً ایک طرف سے آواز آئی "ان میں سے کتنے مسلمان حج کو جاتے ہیں" صدر اجلاس نے اس آواز کے جواب میں فرمایا "اس وقت مقالات پڑھے جا رہے ہیں، ان پر بحث نہیں ہو رہی ہے، جب بحث کا وقت آئے گا سوال کیجئے گا" صدر صاحب کے جواب کے بعد بات آگے نہیں بڑھی ورنہ ہاؤس اسی میں الجھ کر رہ جاتا۔ آج کے اجتماع کی ایک

خندق کھودتے ایک سخت چٹان آگئی جس پر کسی کی ضرب کام نہیں دیتی تھی، جاں نثارانِ اسلام پریشان تھے کہ حضورؐ قریب تشریف لائے، تین دن کا فاقہ تھا، شکمِ مبارک پر پتھر بندھا ہوا تھا، اسی حالت میں کدال ماری تو چٹان ریزہ ریزہ ہوگئی، حضرت سلمان کے اس برمحل اور قیمتی مشورے سے اثر پذیر ہوکر مہاجرین و انصار دونوں بے تابانہ اور والہانہ انداز میں پکار اُٹھے "سلمان منا" مہاجرین کہتے تھے "سلمان ہماری برادری اور خاندان میں شامل ہیں" انصار کہتے تھے "سلمان ہمارے ہیں اور ہم میں داخل ہیں" آنحضرتؐ نے انصار و مہاجرین کے ان ولولہ انگیز نعروں کو سن کر فرمایا "سلمان منا اہل البیت" "سلمان ہمارے خاندان اور اہل بیت میں شامل ہیں" یہ نعرے کس کے لیے لگ رہے تھے، یہ عزت و احترام کے بامِ عرش پر کس کو پہونچایا جا رہا تھا، ایک ایسے شخص کو جس نے ایمان اور حق کی تلاش و جستجو کے لیے آزادی کی زندگی کی جگہ غلامی کی زندگی پسند کی تھی اور اسی حق کے لیے جہاد اور آزادی کی زندگی میں آیا تھا۔ حق کی جستجو میں تڑپنے والے اس پاک باز سے سوال کیا گیا "تمہارا نسب کیا ہے اور تمہارے والد کا کیا نام ہے؟" اس شیدائے حق اور جاں نثارِ نبی نے جواب دیا "سلمان ابن اسلام" (سلمان فرزند اسلام) حدیث شریف میں ہے حضورؐ نے ارشاد فرمایا "جنت تین شخصوں کی خاص طور پر مشتاق ہے علی، عمار، سلمان" سلمان کے متعلق محدثین اس کی وجہ بیان کرتے ہیں "لان سلمان وقع فی الغربۃ مدۃ کثیرۃ من الزمن وابتلی بالعبودیۃ والمحن" یعنی سلمان ایک طویل مدت تک غربت اور بے کسی میں رہے اور غلامی کی آزمائش اور طرح طرح کے مصائب و آلام میں مبتلا ہوئے اور کے باوجود ان کے پائے صبر و استقلال میں لغزش نہیں آئی)۔

(باقی)

فضائل وکمالات کا نقشہ سامنے آگیا۔ حضرت سلمان رضی اللہ عنہ نے اپنے اسلام لانے کا واقعہ جس اثرانگیز پیرایہ میں بیان کیا ہے، دل کا تقاضا ہے کہ اس کے ضروری ٹکڑے یہاں تحریر کیے جائیں لیکن پھر یہ سفر کی روداد نہیں رہے گی، کچھ اور چیز ہوجائے گی، اس لیے قلم پر جبر کرکے آگے بڑھتا ہوں۔

غزوات کی تاریخ میں غزوۂ احزاب یا غزوۂ خندق اپنی خاص نوعیت کے لحاظ سے صدر درجہ اہم غزوہ خیال کیا جاتا ہے، یہود نے قبائل قریش کے ساتھ ساز باز کرکے اس کو تمام عرب کی متحدہ جنگ بنادیا تھا اور چوبیس ہزار انسانوں کے اس لشکر گراں نے مدینہ طیبہ پر حملہ کرنے کا خوفناک منصوبہ بنالیا تھا، آنحضرتؐ کو یہ خبریں پہونچیں تو آپ نے اصحاب کرام سے مشورہ کیا، اس پیچیدہ اور نازک مرحلے پر حضرت سلمان فارسیؓ نے جو ایرانی ہونے کی وجہ سے خندقوں کے طریق جنگ سے اچھی طرح واقف تھے یہ رائے دی کہ موجودہ حالت میں کھلے میدان میں مقابلہ کرنا مصلحت نہیں ہے، بہتر یہ ہوگا کہ ایک محفوظ مقام پر لشکر جمع کیا جائے اور اس کے گرد خندق کھودی جائے، حضورؐ نے حضرت سلمان کی اس رائے کو پسند فرمایا اور خندق کھودنے کے آلات مہیا کیے گئے، مدینہ طیبہ کے تین طرف نخلستان اور مکانات کا سلسلہ تھا جو عملاً شہر پناہ کا کام دیتا تھا، صرف شام کی جانب کا رخ کھلا ہوا تھا۔ آنحضرتؐ نے تین ہزار ساتھیوں کے ساتھ شہر سے باہر نکل کر اسی رخ پر خندق کھودنے کی تیاریاں شروع کیں اور اپنے دست مبارک سے اس کی داغ بیل ڈال کر دس دس آدمیوں پر دس دس گز زمین تقسیم فرمائی، تین ہزار فاقہ مست جسموں اور بابرکت ہاتھوں نے بیس روز میں یہ کام پورا کیا۔ شدید سردی کی راتیں تھیں، تین تین روز کا فاقہ تھا، فداکاران اسلام اپنی پیٹھوں پر مٹی لادلاد کر پھینک رہے تھے اور جوش ایمان اور ولولۂ محبت میں کہتے جاتے تھے

نحن الذی بایعوا محمداً علی الجہاد ما بقینا ابداً

خود سردار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم بہ نفس نفیس اس کام میں شریک ہیں، جسم مبارک گرد سے اٹا ہوا ہے اور اٹھا اٹھا کر مٹی پھینک رہے ہیں، زبان پر یہ رجز ہے:

واللہ لولا اللہ ما اھتدینا ولا تصدقنا ولا صلینا
فانزلن سکینۃً علینا وثبت الاقدام ان لاقینا

ہے اس بنا پر یہ کتاب صرف ایک تذکرہ نہیں، بلکہ گذشتہ نصف صدی کے مسلمانوں کی علمی، دینی اور تعلیمی و تہذیبی تاریخ کا ایک گوشہ بھی ہے، البتہ بعض جگہ مولانا سے مسامحت ہوگئی ہے، مثلاً صفحہ ۲۴۳ پر ۱۹۲۶ء میں مکہ مکرمہ کی الموتمر الاسلامی میں شرکت کے لئے ہندوستان سے خلافت اور جمعیت العلما کے جو وفود گئے تھے ان کے ممبروں میں مولانا نے مولانا ظفر علی خاں کا نام بھی لکھا ہے، حالانکہ یہ صحیح نہیں ہے، اصل یہ ہے کہ وفد خلافت کے امیر مولانا سید سلیمان ندوی تھے اور اس کے ارکان (۱) مولانا محمد علی (۲) مولانا شوکت علی (۳) مسٹر شعیب قریشی (۴) اور مولانا محمد عرفان تھے اور جمعیت علماء کے رئیس الوفد مولانا مفتی محمد کفایت اللہ تھے اور ارکان یہ حضرات تھے (۱) مولانا شبیر احمد عثمانی (۲) مولانا احمد سعید دہلوی، اور (۳) مولانا عبدالحلیم صدیقی، راقم الحروف نے بھی اٹھارہ سال کی عمر میں اپنی والدۂ مرحومہ کے ساتھ پہلا سفر حج اسی برس اور اسی جہاز اکبر سے کیا تھا جس سے یہ دونوں وفد جارہے تھے اس بنا پر ان سب حضرات کے ساتھ معیت و صحبت کا شرف پورے سفر میں حاصل رہا اور اس سے غیر معمولی فائدہ ہوا۔ اسی طرح ص ۲۰۲ پر مولانا عبدالرشید نعمانی کی کتاب کا نام "مفردات القرآن" لکھا گیا ہے، حالانکہ صحیح نام "لغات القرآن" ہے، اب یہ ذکر آگیا ہے تو یہ بھی سن لیجئے کہ ہم نے مولانا حیدر حسن خاں صاحب کو دیکھا نہیں، لیکن ان کے نہایت قابل تلمیذ رشید مولانا عبدالرشید نعمانی ندوۃ المصنفین میں تقسیم تک برسوں ہمارے رفیق کار رہے ہیں، اس مدت میں انھوں نے برہان میں مستدرک حاکم پر طویل اور نہایت محققانہ مقالہ لکھا اور مذکورۂ بالا کتاب بھی تصنیف کی، لیکن مولانا نعمانی بھی اپنے استاد کے تتبع میں اس قدر کٹر حنفی تھے کہ لبا اوقات امام بخاری کی شخصیت اور ان کی صحیح کے متعلق درشت و کرخت لہجہ میں نہایت سخت الفاظ کہہ جاتے تھے، چنانچہ اسی بات پر بارہا راقم الحروف اور مولانا مفتی عتیق الرحمن عثمانی کی ان سے جنگ اور سخت کلامی ہوئی، ہماری سمجھ میں آج تک یہ کبھی نہیں آیا کہ ہزار علم و فضل اور وسعت مطالعہ کے باوجود جو شخص کسی امام فقہ کا اس درجہ متصلب اور کٹر مقلد ہو اسے صحیح معنی میں "محدث" یا "شیخ الحدیث" کیونکر کہا جاسکتا ہے، بہرحال کتاب ادبی، سوانحی اور تاریخی

تبصرے

پُرانے چراغ از مولانا سید ابو الحسن علی ندوی، تقطیع متوسط، ضخامت ۴۴۶ صفحات، کتابت وطباعت بہتر، قیمت مجلد -/۱۶، مکتبۂ فردوس، مکارم نگر، لکھنؤ۔

تاریخ اور تذکرہ نگاری مولانا سید ابو الحسن علی صاحب ندوی کا خاص فن ہیں وہ جب اس میدان میں آجاتے ہیں حسن انشا کے ساتھ معلومات و واقعات کے پھول قدم قدم پر کھلاتے گزر جاتے ہیں۔

یہ کتاب ڈیڑھ درجن اہم شخصیتوں کے تذکرہ پرمشتمل ہے جن سے مولانا کو ربط خاص اور قریبی تعلق رہا ہے، ان شخصیتوں میں بڑا تنوع ہے، چنانچہ جہاں ایک طرف مولانا سید سلیمان ندوی، مولانا مدنی، مولانا تھانوی، مولانا گیلانی، لاہور کے مولانا احمد علی اور ندوۃ العلماء کے مولانا کے اپنے اساتذہ، اعزا اور احباب جیسے ارباب علم وفضل اور ارباب سلوک ومعرفت اس میں شامل ہیں تو دوسری طرف جناب جگر مراد آبادی ایسا شہنشاہِ تغزل، ڈاکٹر سید محمود اور ڈاکٹر فریدی ایسے سیاسی رہنما اور صدیق حسن اور منشی خلیل ایسے اعلیٰ سرکاری عہدہ دار بھی اس مجموعہ کی زینت و رونق ہیں، مولانا نے اپنے ذاتی مشاہدات وتاثرات کی روشنی اور نہایت موثر و دلنشین پیرایۂ بیان میں ان سب حضرات کے خصوصیات وممیزات علم وعمل و اخلاق وشمائل کی تصویر اس دیدہ وری اور مہارت فن سے کھینچی ہے کہ ان کی عظیم شخصیتوں کے پیکر پیراہن خیال میں متحرک اور رواں دواں دکھائی دینے لگتے ہیں، یہ فن کا غایت کمال ہے، پھر ان تاثرات ومشاہدات کی بساط پر مع قید سنین وایام مولانا نے جو تاریخ کی قلمکاری کی ہے جس میں خاندانی شجرے، علوم وفنون اسلامی و دینی معاہد ومراکز اور شخصی احوال و سوانح، ان سب کے ذکر نے تاریخی اعتبار سے بھی اس کتاب کو نہایت پراز معلومات اور وقیع بنا دیا

تعلیمات کی روشنی میں عقل اور ضمیر انسانی کو بیدار کرنے کی سعی کی گئی ہے، یہ وہی طریق خطاب ہے جس کا حکم قرآن میں "ادع الی سبیل ربك بالحکمۃ والموعظۃ الحسنۃ" فرما کر دیا گیا ہے۔

یہ سفرنامہ اصلاً عربی میں تھا جو ترکی سے شائع ہو چکا ہے، زیر تبصرہ کتاب اس کا اردو ترجمہ ہے جو تین ندوی نوجوانوں نے کیا ہے، اس ترجمہ کی خوبی اور کمال یہ ہے کہ ترجمہ کی زبان بالکل مولانا کی زبان بن گئی ہے اور اصل اور ترجمہ میں قطعاً کوئی فرق محسوس نہیں ہوتا، اس کا مطالعہ ہر صاحب ذوق کو کرنا چاہیئے اور خصوصاً مسلمانوں کو تاکہ ان صفحات کے آئینہ میں "عالم ہمہ ویرانہ ز چنگیزیٔ افرنگ" کے دلدوز مناظر دیکھکر یہ سوچ سکیں کہ "اکنوں چہ باید کرد"۔

رسالۃ التوحید مولانا سید ابوالحسن ندوی، تقطیع متوسط، ضخامت ۱۶۰ صفحات، ٹائپ جلی اور روشن، قیمت درج نہیں، پتہ: مجلس تحقیقات ونشریات اسلام پوسٹ آفس بوکس نمبر ۱۱۹ لکھنؤ۔

حضرت شاہ اسماعیل شہید رحمۃ اللہ علیہ کی کتاب تقویۃ الایمان مشہور و معروف کتاب ہے جس میں توحید کی حقیقت، شرک کے انواع و اقسام کمال بسط و تفصیل سے بیان کرنے کے بعد اُن مشرکانہ عقائد و اعمال پر سخت تنقید کی گئی ہے جن میں اُس زمانہ کے مسلمان عام طور پر مبتلا تھے اور جن کی وجہ سے اس ملک میں اسلام کی جڑیں کھوکھلی اور اس کی عمارت بوسیدہ اور از کار رفتہ ہو گئی تھی، شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا صاحب مدظلہ العالی کی فرمائش پر مولانا نے اس کتاب کو عربی کا جامہ پہنایا ہے، اور اس پر ایک مقدمہ بھی لکھا ہے جس میں شاہ شہید کے مختصر احوال و سوانح اور اُن کی تصنیفات کا تذکرہ ہے، پھر حواشی بھی ہیں جن میں بعض مسائل کی مزید تشریح و توضیح کی گئی ہے، اس کتاب کا ایک عربی ترجمہ بنارس کے جامعہ عربیہ کی طرف سے بھی شائع ہو چکا ہے۔ بڑی خوشی کی بات ہے کہ اب عرب ممالک بھی اس گنجینۂ علم و روحِ دین سے استفادہ کر سکیں گے۔

ہر حیثیت سے بڑی قابل قدر اور لائق مطالعہ ہے۔

دیارِ کابل سے دریائے یرموک تک از مولانا سید ابوالحسن علی ندوی، تقطیع متوسط، ضخامت ۳۰۴ صفحات، کتابت و طباعت بہتر، قیمت مجلد -/14

پتہ: مجلس تحقیقات و نشریات اسلام، لکھنؤ۔

۱۹۷۳ء (از ۴ جون تا ۲ اگست) میں مولانا نے رابطۂ عالم اسلامی (مکہ مکرمہ) کے ایک وفد کے امیر کی حیثیت سے مغربی ایشیا کے چھ ملکوں، افغانستان، ایران، لبنان، شام، عراق اور اردن کا دورہ کیا تھا، یہ کتاب اس سفر کی روئداد ہے، یہ سب ممالک ماضی میں تاریخ اسلام کا گہوارہ رہ چکے ہیں اور ان کی سرزمین کے چپہ چپہ پر اسلام اور مسلمانوں کے آثار و مآثر بکھرے ہوئے ہیں، مولانا نے عبرت کی آنکھ سے ان میں سے جو کچھ دیکھ سکتے تھے دیکھا اور وفد کے مقاصد کے ماتحت ہر ملک میں مسلمانوں کے مختلف طبقات سے ملاقات کی، ان کے موجودہ دینی، تعلیمی اور تہذیبی حالات، امیال و عواطف اور رجحانات کا جائزہ لیا، تعلیم کے عام مراکز اور خصوصاً دینی تعلیم کے معاہد اور مراکز کا معائنہ کیا اور ہر ملک کے افسرانِ حکومت، علما اور اساتذہ اور اکابرِ علم و فن سے افکار و خیالات کا تبادلہ کیا، اور جگہ جگہ عام اور خاص مجامع میں تقریریں بھی کیں، مولانا نے اس سفرنامہ میں یہ تاثرات و مشاہدات اپنے مخصوص انداز میں بحیثیت ایک دیدہ ور اور نقاد مورخ کے قلمبند کئے ہیں، اس بناپر اس کتاب میں تاریخِ ماضی کی جھلکیاں بھی ہیں اور عہدِ حاضر میں ان ملکوں کے مسلمانوں کے دینی، سماجی، اقتصادی، تعلیمی اور تہذیبی مدوجزر اور نشیب و فراز کی سرگذشت بھی، یوں تو پوری کتاب ہی نہایت دلچسپ اور معلومات افزا ہے، لیکن خاص طور پر وہ حصہ لائق مطالعہ ہے جہاں مولانا نے ان ممالک کے تفرنج اور مغرب پرستی کا ذکر کیا ہے ان مواقع پر مولانا کے دل کا سوز و گداز ایک جوئے خون بنکر چشم قلم سے بہ پڑا ہے، لیکن شرافتِ تحریر کا یہ عالم ہے کہ سنجیدگی اور شائستگی کا دامن کہیں ہاتھ سے نہیں چھٹنے پایا ہے، اس سفر میں مولانا نے جو تقریریں کی ہیں ان میں بھی جذباتیت بالکل نہیں، بلکہ تاریخی شواہد و نظائر اور قرآن کی حکیمانہ

النبی الخاتم از مولانا سید ابوالحسن علی ندوی، تقطیع متوسط، ضخامت ۹۲ صفحات ٹائپ جلی اور روشن، قیمت درج نہیں، پتہ: مجلس تحقیقات ونشریات اسلام، لکھنؤ۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے خاتم النبیین ہونے کا مسئلہ اس درجہ واضح اور بدیہی ہے کہ اس کے بغیر اسلام کا تصور ممکن ہی نہیں ہے۔ مگر کیا کیا جائے قادیانی تحریک نے اس کو بھی نظری بنادیا۔ چنانچہ علمائے دیوبند کی طرف سے اس موضوع پر متعدد اور محققانہ کتابیں شائع ہوچکی ہیں، ابھی حال میں پھر یہ فتنہ بڑے زور شور سے اٹھا تھا۔ اس کے جواب میں یہ کتاب لکھی گئی ہے، اور اس میں مصنف نے حسب معمول کتاب وسنت کے علاوہ تاریخ مذاہب اور فلسفۂ اجتماع کی روشنی میں دلائل قاطعہ سے ختم نبوت کی واقعیت کو ثابت کیا ہے، اس میں شک نہیں کہ استدلال کا یہ رخ تشنہ رہ گیا تھا۔ مولانا نے اس کی تکمیل کردی، علامہ اقبال نے اپنے لکچروں میں اس موضوع پر جو کچھ لکھا ہے اُس کے ساتھ اگر اس کتاب کو بھی پڑھ لیا جائے تو عقلی حیثیت سے بھی یہ مسئلہ بالکل صاف ہوجاتا ہے اور اس میں کوئی غل وغش باقی نہیں رہتا۔ یہ کتاب عربی میں ہے اس کا اردو اور انگریزی ترجمہ غالباً جلد شائع ہوگا یا شاید ہو بھی گیا ہو!!

ندوۃ المصنفین دہلی کا علمی و دینی ماہنامہ

مرتبہ

سعید احمد اکبرآبادی

برہان

| جلد ۷۵ | ماہ رجب ۱۳۹۵ھ مطابق اگست ۱۹۷۵ء | شمارہ ۲ |

فہرست مضامین

۱۔ نظرات	سعید احمد اکبر آبادی	۶۶
مقالات		
عہد نبوی کے غزوات دسرایا اوران کے مآخذ پر ایک نظر	" "	۶۹
حدیث کا درایتی معیار	مولانا محمد تقی امینی صاحب ناظم سنی دینیات مسلم یونیورسٹی علی گڑھ	۸۵
ہندوستان کی فارسی شاعری میں مقامی عناصر	ڈاکٹر غلام مجتبیٰ انصاری استاذ فارسی ٹی۔ این۔ بی کالج بھاگلپور	۱۰۲
ادبی مصادر میں آثار عمرین	ڈاکٹر ابوالنصر محمد خالدی صاحب عثمانیہ یونیورسٹی حیدر آباد	۱۱۱
عالمی اسلامی کانفرنس عراق میں نوروز	مولانا مفتی عتیق الرحمٰن صاحب عثمانی	۱۲۲

مطبوعات ندوۃ المصنفین دہلی

۱۹۳۹ء اسلام میں غلامی کی حقیقت - اسلام کا اقتصادی نظام - قانونِ شریعت کے نفاذ کا مسئلہ -
تعلیماتِ اسلام اور مسیحی اقوام - سوشلزم کی بنیادی حقیقت -

۱۹۴۰ء غلامانِ اسلام - اخلاق وفلسفۂ اخلاق - فہم قرآن - تاریخ ملت حصہ اول "نبی عربی صلعم" - صراطِ مستقیم (انگریزی)

۱۹۴۱ء قصص القرآن جلد اول - وحی الٰہی - جدید بین الاقوامی سیاسی معلومات حصہ اول -

۱۹۴۲ء قصص القرآن جلد دوم - اسلام کا اقتصادی نظام (طبع دوم بڑی تقطیع مع ضروری اضافات)
مسلمانوں کا عروج وزوال - تاریخ ملت حصہ دوم "خلافتِ راشدہ" -

۱۹۴۳ء مکمل لغات القرآن مع فہرستِ الفاظ جلد اول - اسلام کا نظامِ حکومت - سرمایہ - تاریخ ملت حصہ سوم "خلافتِ بنی امیہ"

۱۹۴۴ء قصص القرآن جلد سوم - لغات القرآن جلد دوم - مسلمانوں کا نظامِ تعلیم وتربیت (کامل)

۱۹۴۵ء قصص القرآن جلد چہارم - قرآن اور تصوف - اسلام کا اقتصادی نظام (طبع سوم جس میں غیر معمولی اضافے کئے گئے)

۱۹۴۶ء ترجمان السنہ جلد اول - خلاصہ سفرنامہ ابن بطوطہ - جمہوریہ یوگوسلاویہ اور مارشل ٹیٹو -

۱۹۴۷ء مسلمانوں کا نظمِ مملکت - مسلمانوں کا عروج وزوال (طبع دوم جس میں سیکڑوں صفحات کا اضافہ کیا گیا ہے
اور متعدد ابواب بڑھائے گئے ہیں) لغات القرآن جلد سوم - حضرت شاہ کلیم اللہ دہلویؒ -

۱۹۴۸ء ترجمان السنہ جلد دوم - تاریخ ملت حصہ چہارم "خلافتِ ہسپانیہ" تاریخ ملت حصہ پنجم "خلافتِ عباسیہ اول"

۱۹۴۹ء قرونِ وسطیٰ کے مسلمانوں کی علمی خدمات (حکمائے اسلام کے شاندار کارنامے (کامل)
تاریخ ملت حصہ ششم "خلافتِ عباسیہ دوم" بصائر -

۱۹۵۰ء تاریخ ملت حصہ ہفتم "تاریخ مصر ومغربِ اقصیٰ" تدوینِ قرآن - اسلام کا نظامِ مساجد -
اشاعتِ اسلام یعنی دنیا میں اسلام کیونکر پھیلا -

۱۹۵۱ء لغات القرآن جلد چہارم - عرب اور اسلام - تاریخ ملت حصہ ہشتم "خلافتِ عثمانیہ" جارج برنارڈشا -

۱۹۵۲ء تاریخ اسلام پر ایک طائرانہ نظر - فلسفہ کیا ہے؟ جدید بین الاقوامی سیاسی معلومات جلد اول (جس کو
ازسرِنو مرتب اور سیکڑوں صفحوں کا اضافہ کیا گیا ہے) کتابتِ حدیث -

۱۹۵۳ء تاریخ مشایخ چشت - قرآن اور تعمیرِ سیرت - مسلمانوں کی فرقہ بندیوں کا افسانہ -

لوگ ڈسپلن اور ضبط و نظم کے عادی ہوتے جا رہے ہیں، بحیثیت پر امن اور پابندِ قانون شہری کے جو اُن کے فرائض اور واجباتِ حیات ہیں اُن کا ذمہ دارانہ احساس بجا آوری اُن میں پیدا ہو رہا ہے اور عوام کی مشکلات آہستہ آہستہ دور ہوتی جا رہی ہیں، اس میں کوئی شبہ نہیں کہ جمہوریت سب سے اعلیٰ اور ترقی یافتہ نظامِ حکومت ہے، لیکن وہ بذاتِ خود مقصد نہیں، بلکہ ایک اصول ہے اور اصول مقاصد کے لئے ہوتے ہیں، مقاصد اصول کے لیئے نہیں ہوتے، کوئی دوا کیسی ہی اعلیٰ درجہ کی مقوی اور مفرح ہو، لیکن ہر مریض کو اور ہر وقت نہیں دی جا سکتی، امرجنسی جمہوریت کی نفی ہرگز نہیں ہے، بلکہ جمہوریت اور حسنِ معاشرت کے تقاضے کیا ہیں؟ ان کی تعلیم و تربیت اور لوگوں کو اُن کا عادی بنانے کے لئے ایک وقفہ ہے، جیسا کہ محترمہ وزیراعظم بار بار اعلان بھی کر رہی ہیں، اس حیثیت سے ہم اس کا خیر مقدم کرتے ہیں۔

اسلام کے نظامِ حکومت کا مزاج اور اس کی اسپرٹ جمہوری ہے، قرآن میں ہے "وَأَمْرُهُمْ شُورَىٰ بَيْنَهُمْ" لیکن اس کے باوجود شریعت میں نظامِ حکومت کی کوئی خاص اور معین شکل مقرر نہیں کی گئی بلکہ اس کا فیصلہ اربابِ حل و عقد پر چھوڑ دیا گیا ہے کہ وہ حالات اور وقت کے تقاضہ کی روشنی میں جو شکل قرینِ صواب سمجھیں اختیار کریں، یہ حالات کس طرح بدلتے ہیں اس کا اندازہ اس سے ہوگا کہ ایک مرتبہ چند لوگوں نے حضرت علی سے پوچھا: "اس کی کیا وجہ ہے کہ شیخین (حضرت ابوبکر و عمر) کے زمانہ میں وہ اختلافات نہیں تھے جو اب آپ کے زمانہ میں ہیں" حضرت علی نے فرمایا: "وجہ یہ ہے کہ شیخین کے عہد میں مسلمان میرے جیسے تھے اور اب میرے عہد میں تمہارے جیسے مسلمان ہیں" آج ہندوستان اور ایشیا و افریقہ کے دوسرے نو آزاد شدہ ممالک میں جو سیاسی ردوبدل ہو رہا ہے کیا اس سے یہ ثابت نہیں ہوتا کہ شریعت اسلام میں ایک

نظرات

ذرا تصور کیجئے امرجنسی کے نفاذ سے پہلے حالت کیا تھی ؟ ملک تیزی سے طوائف الملوکی اور انارکی کی طرف بڑھ رہا تھا۔ لاقانونیت عام تھی، حکومت کا رعب داب اور وقار مجروح ہوگیا تھا۔ ہر شخص اور ہر گروہ اپنی من مانی کرنے پر تلا ہوا تھا۔ ہر روز اسٹرائک، مظاہروں اور بند کا ہنگامہ بپا تھا۔ لڑکیوں اور عورتوں کے لئے ریل میں یا بس میں سفر کرنا ایک صبر آزما کام تھا، دفتروں میں فرضِ منصبی ادا کرنے کی رفتار بہت سست اور رشوت ستانی اور دوسرے ناجائز ذرائع آمدنی کی ترغیبات تیز سے تیز تر ہوگئی تھیں، یونیورسٹیاں سیاست اور ناشائستہ حرکات کا اکھاڑہ بنکے رہ گئی تھیں، قیمتیں بڑھ رہی تھیں، ضروری اشیائے خورونوش اور دوائیں بلیک مارکیٹ کی رونق بن گئی تھیں، ملاوٹ کا چلن بے روک ٹوک تھا، فرقہ وارانہ فسادات روزمرہ کا معمول ہوگئے تھے، غرض کہ شہری زندگی کا امن و امان اور سکون و عافیت مفقود ہوتا جارہا تھا اور جمہوریت کے غلط استعمال نے ملک اور قوم کی ترقی اور خوش حالی کی راہ میں رکاوٹوں اور موانع کی سنگین دیواریں کھڑی کردی تھیں۔

جو بیماریاں کہ کہنہ اور دیرینہ ہوں اور جن کی جڑیں گہری ہوں، امرجنسی کوئی جادو کی چھڑی تو نہیں ہے کہ اس کے نافذ ہوتے ہی وہ سب یک بیک کافور ہو جائیں اور مریض بالکل صحتمند اور توانا ہو جائے، لیکن اس سے انکار نہیں کیا جاسکتا کہ امرجنسی صورت حال کی اصلاح کی طرف ایک نہایت موثر اور مفید اقدام ہے اور اس نے ملک کا چہرہ بدل دیا ہے

عہد نبوی کے غزوات وسرایا
اور
ان کے مآخذ پر ایک نظر

اسلام اور یہود

(۱۲)

سعید احمد اکبرآبادی

جیسا کہ ابھی عرض کیا گیا اب جب کہ مدینہ، ماڈرن پالٹیکل سائنس کی اصطلاح اور تعریف کے مطابق، ایک ریاست تھا جس کے صدر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم تھے تو اس کے استحکام کے لئے آپ کو لامحالہ تین کام کرنے پڑتے تھے (۱) داخلی تحفظ کے انتظامات (۲) سرحدوں کا تحفظ (۳) سرحدوں کی توسیع (Tarritorial Expansion)

داخلی تحفظ (Internal Ceconity) کا تقاضا۔ جس کو دنیا کے تمام قوانین وضوابط اور دساتیر و آئین تسلیم کرتے ہیں۔ یہ ہے کہ جو لوگ ریاست کے وفادار نہیں ہیں، اور اس بنا پر ریاست، یا صدر ریاست، یا دستور و آئین ریاست کے خلاف معاندانہ اور شرانگیز رویہ رکھتے ہیں، ان کے خلاف باغیانہ سرگرمیوں میں منہمک رہتے ہیں۔ ریاست کو نقصان پہونچانے میں کوئی دقیقہ فروگذاشت نہیں کرتے، یہ سب لوگ غدار (Treason)

متعین طرزِ حکومت کا حکم نہ ہونے میں کیا حکمت و مصلحت ہے! فبای حدیث بعدہٗ یومنون۔

غزوات و سرایا پر جس مقالہ کی بارہویں قسط اس اشاعت میں ہدیۂ قارئین کی جارہی ہے خدا کا شکر ہے اسے ارباب علم ونظر کے حلقہ میں مصنف کی توقع سے کہیں زیادہ پسند کیا جارہا ہے، اس سلسلہ میں جو خطوط یا زبانی آرا وصول ہوئے ہیں ان میں اسے تسلیم کیا گیا ہے کہ اس مقالہ میں غزوات و سرایا کو اس طرح پیش کیا گیا ہے کہ آج کل کا جدید ذہن بھی ان کی ضرورت و اہمیت اور افادیت کا منکر نہیں ہوسکتا، لیکن اب سوال یہ ہے کہ اگر یہ مقالہ یونہی چلتا رہا تو مصنف کے اندازہ کے مطابق برہان کی پچاس ساٹھ قسطوں سے کم میں تمام نہ ہوگا اور ظاہر ہے کہ برہان کے صفحات اس کے متحمل نہیں ہوسکتے، اس بنا پر فیصلہ یہ کیا گیا ہے کہ "اسلام اور یہود" پر جو نئی بحث اب شروع ہوئی ہے اُس کے خاتمہ پر مآخذ سیرت پر مختصر مگر ایک جامع کلام کرکے برہان میں میں اس سلسلۂ مقالات کو ختم کر دیا جائے اور پھر اسے مکمل کرکے اور اس کے شروع میں بہ طور مقدمہ کے مآخذ پر مفصل کلام کرکے پانچسو چھ سو صفحات کی ایک کتاب شائع کر دی جائے، اس طرح برہان میں یہ سلسلہ غالباً مزید چھ سات قسطوں میں تمام ہوگا۔ واللہ ھو المستعان وعلیہ التکلان۔

کے ساتھ ان کے تعلقات کس قسم کے تھے ؟ ہم ان سب چیزوں کا مختصر تذکرہ ہجرت کے باب میں کر آئے ہیں ، اب یہ سنئے کہ قرآن مجید کا رویہ ان کے ساتھ کیا رہا ہے ۔

قرآن مجید میں یہود کا ذکر دو قسم کی آیات میں ہے (الف) ایک وہ آیات جن میں خاص طور پر یہود کو خطاب کیا گیا یا ان کے اعمال وافعال اور افکار و مزعومات کا تذکرہ فرمایا گیا ہے (ب) اور دوسری قسم ان آیات کی ہے جن میں عیسائیوں کے ساتھ شریک کر کے اہل کتاب کے مشترک لفظ سے ان کو خطاب کیا گیا یا ان کا تذکرہ کیا گیا ہے ، ان سب آیات میں جو مضامین بیان کئے گئے ہیں وہ حسب ذیل ہیں :

(۱) یہود کی استمالت (Persicstion) اور اسلام کے قبول کر لینے پر ان کی تحریص و ترغیب ۔

(۲) یہود جن اعتقادی اور عملی گمراہیوں میں مبتلا تھے ان کی نشاندہی اور ان پر تنبیہ ۔

(۳) آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ، اسلام اور مسلمانوں کے ساتھ ان لوگوں نے جو سخت معاندانہ اور عداوت کی روش اختیار کی تھی اس پر ان کو تنبیہ اور مسلمانوں کو ان سے ہوشیار و خبردار رہنے کی تاکید ۔

آیات نمبر اول میں قرآن مجید میں جس فراخدلی اور وسعتِ قلب سے حضرت موسیٰ اور ان کی کتاب توراۃ اور دوسرے انبیائے بنی اسرائیل کی مدح اور تعریف و توصیف کی گئی ہے وہ قرآن کا وصف امتیازی وخصوصی ہے ، دنیا میں کوئی الہامی یا آسمانی کتاب ایسی نہیں ہے جس میں کسی دوسرے مذہب کے پیغمبروں اور ان کی کتابوں کا ذکر اس درجہ عظمت ، فراخدلی اور فیاضی کے ساتھ اور اس کثرت اور تکرار سے کیا گیا ہو[۱] ، یہ سب کچھ درحقیقت بنیاد ہے

---

[۱] یہود سے متعلق قرآن مجید میں آیات اس کثرت سے ہیں کہ انھیں کلاًّ یا جزءً نقل کرنے کی گنجائش اس مقالہ میں کہاں ہوسکتی ہے ، جو اصحاب ان آیات کا (باقی حاشیہ اگلے صفحہ پر)

اورخیانت (disloyalty) کے جرم کے مرتکب ہیں۔ اس بنا پر ریاست کو ان سے پاک وصاف ہونا چاہئے، جرم کی شدت ونوعیت کے اعتبار سے اس کی صورتیں دو ہی ہوسکتی ہیں، ایک یہ کہ ان کو جلاوطن کیا جائے اور دوسرے یہ کہ قرآن کے حکم الفتنۃ اشد من القتل کے مطابق ان کا کام تمام کردیا جائے، چنانچہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے یہود کے مختلف قبیلوں اور بعض اشخاص وافراد کے ساتھ جو معاملہ کیا وہ داخلی تحفظات کے اسی تقاضہ کے ماتحت کیا۔ پھر آپ نے جو غزوات کئے ان کی دو صورتیں ہیں، ایک یہ کہ دشمن نے خود مدینہ پر چڑھائی کی، آپ نے اس کا دفاع کرکے سرحدی تحفظ کا انتظام کیا، دوسری صورت یہ تھی کہ آپ کو معلوم ہوا کہ دشمن مدینہ پر چڑھائی کا منصوبہ بنا رہا ہے، تو قبل اس کے کہ وہ اپنے منصوبہ کو عملی جامہ پہنائے آپ نے خود پیش قدمی کرکے اس کے منصوبہ کو ناکام بنادیا۔ مکہ آپ کا وطن تھا اور قبلۂ اسلام بھی وہیں تھا اس لئے اس کا فتح کرنا بھی ضروری تھا۔ اس طرح کے غزوات توسیع حدود کے ماتحت آتے ہیں۔ اب ہم علی الترتیب ان میں سے ہر ایک پر الگ الگ کلام کریں گے۔

مدینہ کے داخلی تحفظ کو جن لوگوں سے خطرہ تھا وہ دو طبقوں پر مشتمل تھے ایک منافقین اور دوسرے یہود، منافقین کے ساتھ حضورؐ نے جو برتاؤ کیا اس کو اور اس کے وجوہ واسباب کو ہم پہلے بیان کرچکے ہیں، اب صرف یہود کا معاملہ رہ جاتا ہے، یہ چونکہ تاریخ اسلام کا ایک نہایت اہم باب ہے اس بنا پر داخلی تحفظات کے سلسلہ میں آپ نے یہود کے خلاف جو اقدامات کئے ان کو بیان کرنے سے پہلے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور یہود کے تعلق کا تاریخی پس منظر بیان کردینا ضروری ہے۔

قرآن مجید میں یہود کا تذکرہ یہود مدینہ کون لوگ تھے، کس نسل سے تعلق رکھتے تھے، حوالی مدینہ میں کہاں سے آکر آباد ہوئے تھے، یہ کتنے قبیلوں پر مشتمل تھے، ان کے ذرائع معاش اور پیشے کیا کیا تھے، مدینہ میں ان کے اقتدار کا کیا عالم تھا، قبیلۂ اوس وخزرج

وَلَا يَتَّخِذَ بَعْضُنَا بَعْضًا أَرْبَابًا مِّن دُونِ اللَّهِ ۔ (آل عمران)

کی عبادت نہیں کریں گے، اُس کے ساتھ کسی چیز کو شریک نہیں کریں گے اور اللہ کے سوا ہم میں سے کوئی کسی کو اپنا آقا تسلیم نہیں کرے گا۔

پھر قرآن کے وحدت دین کے اسی تصور کا ایک عملی نمونہ دکھانے کے لئے یہاں تک کیا گیا کہ پہلے (یا دوسری مرتبہ) قبلہ بیت المقدس کو قرار دیا گیا اور اس کے بعد اسے بدلکر کعبہ کو بنا دیا گیا۔ قاضی بیضاوی (سیقول السفہاء کی تفسیر کے ماتحت) تو یہ لکھتے ہیں کہ بیت المقدس کو جو قبلہ بنایا گیا تھا وہ یہود کی تالیفِ قلب کے لئے بنایا گیا تھا لیکن ہم یہ نہیں کہتے، ہمارے نزدیک تحویل قبلہ کا مقصد یہ جتانا تھا کہ قبلہ کونسا مقام ہو؟ یہ صرف ایک فروعی چیز ہے جس کا تعلق ان رسوم شریعت سے ہے جن کی تعلیم ہر پیغمبر جداگانہ طور پر دیتا ہے، یہ دین کا صرف ایک مظہر ہے، عین دین نہیں ہے، اصل اور عین دین تو اللہ پر ایمان، اُس کی عبادت اور اس کے احکام کی پیروی ہے۔ جیسا کہ لَيْسَ الْبِرَّ أَن تُوَلُّوا وُجُوهَكُمْ قِبَلَ الْمَشْرِقِ وَالْمَغْرِبِ الیٰ آخر الآیتہ میں فرمایا گیا۔ قرآن کہتا ہے کہ تحویل قبلہ تو وحدتِ دین کا ایک عملی ثبوت ہے، نہ کہ اس کا انکار۔ پھر یہود اُس پر کیوں معترض ہوتے ہیں۔

اچھا! قرآن وحدت دین کا جو تصور پیش کرتا ہے وہ بالکل بجا اور درست! لیکن یہود اور نصاریٰ کہہ سکتے تھے کہ اس تصور کے ماتحت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ہمارے لئے واجب الاتباع اُس وقت ہوں گے جب کہ پہلے یہ تو ثابت ہو کہ آپ پیغمبر برحق اور مرسل من اللہ ہیں، اسی دغدغہ کو دور کرنے کی غرض سے قرآن نے ان کو یاد دلایا کہ یہ وہی پیغمبر ہیں جن کے مبعوث ہونے کی خبر توراۃ اور انجیل دونوں میں دی گئی ہے اور یہود تو خاص طور سے اس پیغمبر موعود کا انتظار بڑی شدت سے کر رہے تھے، کیونکہ اُن کے علم

اُس وحدتِ دین کی جس کا داعی قرآن مجید ہے اور اسی وجہ سے جو لوگ دین میں تفریق کرتے اور اس بنا پر پیغمبر پیغمبر میں فرق و امتیاز کرتے ہیں قرآن ان کی سخت مذمت کرتا ہے، اور وحدت دین کا مطلب یہ ہے کہ جب دین ایک ہی ہے اور باری باری سے جو پیغمبر اس کے داعی اور مبلغ ہو کر آرہے ہیں تو اب دین کے ساتھ وفاداری کا طبعی تقاضا یہ ہے کہ جو پیغمبر جس کے زمانہ میں آئے وہ اگرچہ ایمان تمام پیش رو پیغمبروں پر لائے گا لیکن اطاعت اور فرماں برداری اپنے عہد کے پیغمبر کی اسی طرح کرے گا جس طرح حضرت موسیٰ اور حضرت عیسیٰ کے عہد کے لوگ (جو اُن پر ایمان لے آئے تھے) علی الترتیب اپنے اپنے عہد میں کرتے تھے، غور کرنا چاہیئے کہ قرآن کا یہ تصور وحدتِ دین کس درجہ فطری (Natural) معقول (Reasonabl) اور منطقی (Logical) ہے جس سے کسی طبعِ سلیم کو انکار نہیں ہو سکتا، قرآن کی یہی وہ دعوت ہے جس کو اُس نے یہود اور نصاریٰ کے سامنے نہایت موثر و دلنشین پیرایۂ بیان میں بار بار پیش کیا ہے، یہاں تک کہ قرآن نے صاف لفظوں میں کہا:

قُلْ يَآ اَهْلَ الْكِتٰبِ تَعَالَوْا اِلٰى كَلِمَةٍ سَوَآءٍ بَيْنَنَا وَبَيْنَكُمْ اَلَّا نَعْبُدَ اِلَّا اللّٰهَ وَلَا نُشْرِكَ بِهٖ شَيْئًا

اے پیغمبر کہہ دیجئے کہ اے اہل کتاب تم اس چیز کی طرف آؤ جو ہم میں اور تم میں مشترک ہے، اور وہ یہ ہے کہ ہم اللہ کے سوا کسی

(بقیہ حاشیہ صفحہ گذشتہ) یکجائی مطالعہ مع اردو ترجمہ کے کرنا چاہیں انھیں حسب ذیل کتابوں سے مدد لینی چاہیئے:

(۱) تبویب القرآن لِضبط مضامین الفرقان از مولانا وحید الزماں نواب وقار نواز جنگ، حیدرآباد

(۲) مقدمۂ اردو ترجمۂ قرآن از مولانا نذیر احمد دہلوی

(۳) ترجمان القرآن سورۂ فاتحہ ۔ از مولانا ابوالکلام آزاد

آیات نمبر ۲ | یہود کے عہد قدیم کے یہ وہ تاریخی حقائق و واقعات ہیں جن کو قرآن مجید نے ان کی عبرت وبصیرت اور موعظت پذیری کی غرض سے بیان کیا ہے، خاص یہود مدینہ کے اعمال و افعال، اخلاق و عادات اور دسائس و مکائد کی پردہ دری میں بھی اس نے کوئی کسر اٹھا کے نہ رکھی، اس نے یہ بتایا کہ یہ لوگ گناہ اور حد سے تجاوز کی طرف پیشقدمی کرنے میں بڑی جلدی کرتے ہیں، سودی لین دین کے رسیا اور ناجائز طریقہ پر لوگوں کا مال ہڑپ کر لینے پر بڑے حریص ہیں، مسلمانوں کو جلی کٹی باتیں سنانے میں ان کو مزہ ملتا ہے، وغیرہ وغیرہ،

آیات نمبر ۳ | ہزار افہام و تفہیم، لطف و مدارات اور تنبیہ کے بعد بھی جب یہود ٹس سے مس نہ ہوئے اور اسلام قبول کرنا تو کجا، ایک اسلامی ریاست کے شہری کی حیثیت سے اسلام اور مسلمانوں کے ساتھ ایک ادنیٰ درجہ کی رواداری برتنی بھی گوارا نہیں کی تو آخرکار قرآن کو اعلان کرنا پڑا کہ یوں کہنے کو تو عیسائی اور یہود دونوں ہی اہل کتاب ہیں، لیکن درحقیقت عملاً دونوں میں بڑا فرق ہے، چنانچہ اس نے کہا:

لَتَجِدَنَّ اَشَدَّ النَّاسِ عَدَاوَةً لِّلَّذِيْنَ اٰمَنُوا الْيَهُوْدَ وَالَّذِيْنَ اَشْرَكُوْا، وَلَتَجِدَنَّ اَقْرَبَهُمْ مَّوَدَّةً لِّلَّذِيْنَ اٰمَنُوا الَّذِيْنَ قَالُوْٓا اِنَّا نَصٰرٰى ط ذٰلِكَ بِاَنَّ مِنْهُمْ قِسِّيْسِيْنَ وَرُهْبَانًا وَّاَنَّهُمْ لَا يَسْتَكْبِرُوْنَ ۝ وَاِذَا سَمِعُوْا مَآ اُنْزِلَ اِلَى الرَّسُوْلِ تَرٰٓى اَعْيُنَهُمْ تَفِيْضُ مِنَ الدَّمْعِ مِمَّا عَرَفُوْا مِنَ الْحَقِّ، يَقُوْلُوْنَ رَبَّنَآ اٰمَنَّا فَاكْتُبْنَا مَعَ الشّٰهِدِيْنَ ۝ (المائدہ)

اے پیغمبر جو لوگ ایمان لے آئے ہیں ان کے سب لوگوں سے زیادہ سخت دشمن آپ یہود اور مشرکین کو حتمی طور پہ پائیں گے، اور ان کے برعکس آپ ایمان لانے والوں سے باعتبار دوستی کے سب سے زیادہ قریب بغیر کسی شک کے اُن لوگوں کو پائیں گے جو کہتے ہیں کہ ہم نصاریٰ ہیں، اس کی وجہ یہ ہے کہ ان نصاریٰ میں علماء اور زاہد و عابد ہیں اور یہ گھمنڈ نہیں کرتے، اور جب یہ اس کلام کو سنتے

کے مطابق اس پیغمبر کا زمانۂ بعثت آچکا تھا اور اس بنا پر قبیلۂ اوس وخزرج کے لوگوں سے بہ طور فخر کہتے تھے کہ "اب وہ پیغمبر آنے والا ہے اور ہم اس پر ایمان لاکر تم لوگوں کو مغلوب کرلیں گے"۔ قرآن کہتا ہے کہ "لو! جس پیغمبر کا تم انتظار کر رہے تھے وہ آگیا، اب اس پر ایمان کیوں نہیں لاتے، ہاں بس! بات اتنی ہے کہ وہ پیغمبر تم میں پیدا نہیں ہوا، تو یاد رکھو کہ پیغمبری کسی خاص خاندان یا نسل کی اجارہ داری نہیں ہے، اللہ تعالیٰ کی حکمت جہاں چاہتی ہے پیغمبر پیدا کر دیتی ہے، یہ سب کچھ یاد دلانے کے ساتھ قرآن نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت کو ثابت اور موکد کرنے کے لئے دلائل وبراہین قاطعہ بھی پیش کئے جس کے بعد اس میں کوئی شک باقی ہی نہیں رہتا کہ آپ وہی پیغمبر موعود ہیں جن کی بشارت توراۃ اور انجیل میں مذکور تھی"، اب اس کے بعد یہود کے لئے مجالِ انکار کیا اور اور کیونکر ہو سکتی تھی، اس پورے سلسلہ کی جو آیات قرآن مجید میں جگہ جگہ بکھری ہوئی ہیں ان سب کا مطالعہ یکجائی طور پر کیا جائے تو صاف معلوم ہوگا کہ تلطفت، انہام وتفہیم اور ارشاد وہدایت کا وہ کونسا دقیقہ ہے جسے قرآن مجید نے یہود کے خطاب میں فروگذاشت کر دیا ہے۔

الطاف وانعامات الٰہی کا ذکر

پھر اس سلسلہ میں قرآن مجید نے یہود کو یہ بھی یاد دلایا کہ فرعون نے ان کو کس طرح ذلیل وخوار اور مظلوم ومقہور بنا رکھا تھا۔ اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ کے ذریعہ ان کو اس سے نجات دلائی، اور جب جنگل میں کچھ کھانے کو نہیں ملتا تھا، اللہ تعالیٰ نے اُن پر مَنّ وسلویٰ نازل کئے، دو مرتبہ ان کو حکومت وسلطنت اور سربلندی وسرفرازی عطا فرمائی، ان کی نسل میں بڑے بڑے پیغمبر پیدا کئے، ان کو دولت وثروت سے نوازا اور انھیں خوش حالی بخشی، لیکن یہ لوگ اپنی سرکشی، بغاوت اور احکام الٰہی سے سرتابی سے باز نہیں آئے اور انبیائے کرام کے قتل تک کے جرائم کا ارتکاب کیا تو پھر پانسہ پلٹ گیا اور رومیوں نے ان پر مسلط ہو کر انھیں کہیں کا نہیں رکھا۔

بہرہ مند اور فیض یاب تھے، بلکہ جیسا کہ گذر چکا ہے آپ نے ان لوگوں کے ساتھ تو خصوصی معاملہ یہ کیا کہ ان کے مختلف قبائل کے ساتھ معاہدہ کیا اور اس میں یہود کو اپنے دین پر قائم رہنے کی آزادی عطا فرمائی اور ان کی جانوں اور مال و متاع کو مسلمانوں کی جانوں اور ان کے اموال کی طرح محفوظ و مامون قرار دیا، اس سے قطع نظر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے ساتھ عدل و انصاف اور حسنِ خلق کا جو معاملہ کیا ہے اس کی چند مثالیں لیجئے، ورنہ تاریخ اور سیرت کی کتابوں میں اس قسم کے واقعات کثرت سے منقول ہیں:

(بقیہ حاشیہ ص ۱۴)

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا كُونُوا قَوَّامِينَ بِالْقِسْطِ شُهَدَاءَ لِلَّهِ وَلَوْ عَلَى أَنْفُسِكُمْ أَوِ الْوَالِدَيْنِ وَالْأَقْرَبِينَ ، إِنْ يَكُنْ غَنِيًّا أَوْ فَقِيرًا فَاللَّهُ أَوْلَى بِهِمَا ، فَلَا تَتَّبِعُوا الْهَوَى أَنْ تَعْدِلُوا وَإِنْ تَلْوُوا أَوْ تُعْرِضُوا فَإِنَّ اللَّهَ كَانَ بِمَا تَعْمَلُونَ خَبِيرًا ۝

(النساء) ع ۲۰

ایمان والو! انصاف کے علمبردار اور محافظ اور اللہ کے لئے گواہ بنو، اگرچہ اس میں تمہارا اپنا، تمہارے والدین اور رشتہ داروں کا نقصان ہی ہو، ان لوگوں میں کوئی مالدار ہے یا محتاج (تم اس کی پروا نہ کرو) کیونکہ اللہ ان کی تم سے بہتر طریقہ پر خبر گیری کرنے والا ہے تو ہاں دیکھو (انصاف کے معاملہ میں) من مانی نہ کرو جس کے باعث تم عدل کے راستہ سے منحرف ہو جاؤ، اگر تم اس میں ہچکچاؤ گے یا حق سے اعراض کرو گے تو سمجھ لو کہ اللہ بے شبہ تمہارے کرتوتوں سے باخبر ہے۔

رہا حسن خلق! تو اسلام کا دوسرا نام ہی حسن خلق ہے، چنانچہ ارشاد نبوی ہے:

(بقیہ حاشیہ ص ۱۵ پر)

ہیں جو ہمارے رسول (محمد) پر اتارا گیا ہے تو
آپ ان کی آنکھوں کو اشکبار دیکھیں گے، کیونکہ
انھوں نے حق کو پہچان لیا ہے، (چنانچہ) وہ
کہتے ہیں کہ اے ہمارے رب ہم ایمان لے آئے
ہیں، اس لئے تصدیق کرنے والوں کے ساتھ آپ
ہمارا نام بھی لکھ دیجئے۔

یہود کے ساتھ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا حسن خلق اور لطف و مدارات کا معاملہ

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم مردم شناسی اور نفسیات انسانی کی پہچان میں اعلیٰ کمال رکھتے تھے، اس لئے یہود کی رگ رگ اور نس نس سے باخبر تھے اور ان کی کوئی جلی اور خفی حرکت ایسی نہیں تھی جو آپ پر پوشیدہ ہو، لیکن اسلام نے اپنے اور پرائے، دوست اور دشمن، ہر ایک کے ساتھ عدل و انصاف اور حسن خلق و مدارات کا معاملہ کرنے کا جو حکم دیا اور اُس کی تاکید کی ہے[1]، اس سے یہود بھی

---

[1] عدل و انصاف کے بارہ میں اس سے زیادہ اور کیا کہا جا سکتا ہے، قرآن میں فرمایا گیا:

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا كُونُوا قَوَّامِينَ لِلَّهِ شُهَدَاءَ بِالْقِسْطِ ، وَلَا يَجْرِمَنَّكُمْ شَنَآنُ قَوْمٍ عَلَىٰ أَلَّا تَعْدِلُوا ، اعْدِلُوا هُوَ أَقْرَبُ لِلتَّقْوَىٰ ۔ (المائدہ)

اے ایمان والو، تم اللہ کے گواہ ہو کر عدل و انصاف کے علمبردار اور اُس کے محافظ بن جاؤ، اور ہاں دیکھو تمہارے ساتھ کسی قوم کی عداوت تم کو انصاف کے راستہ سے برگشتہ نہ کرنے پائے، تم ہر حالت میں انصاف کرو، یہ شیوۂ عدل ہی تقویٰ و طہارت سے قریب تر ہے۔

محمد عربی صلی اللہ علیہ وسلم پر طعن و طنز کرنے والے کہاں ہیں! کان کھول کر سن لیں، پھر ارشاد ہوا۔

(بقیہ حاشیہ ص ۱۴ پر)

کا فیصلہ کریں اور آپ دغا بازوں کے طرفدار نہ

ہوں۔

ابن ابی حدرد الاسلمی صحابی تھے، انھوں نے ایک یہودی سے چار درہم قرض لئے تھے، لیکن مقررہ وقت پر ادا نہ کر سکے، یہودی نے حضورؐ سے شکایت کی، آپ نے حضرت ابن ابی حدرد سے فرمایا: "یہودی کا جو واجبی مطالبہ ہے اسے پورا کرو" ابن ابی حدرد نے عرض کیا: "حضورؐ! خدا کی قسم! یہ میرے لئے ممکن نہیں ہے" حضورؐ نے دوبارہ پھر وہی فرمایا تو ابن حدرد نے بھی جواب میں اسی پہلی بات کا اعادہ کیا اور مزید کہا: "معلوم ہوا ہے کہ آپ ہم لوگوں کو خیبر کی مہم پر روانہ کرنے والے ہیں، اگر وہاں مال غنیمت میں مجھے کچھ مل گیا تو میں اس میں سے یہودی کا قرض ادا کر دوں گا" لیکن یہ سن کر حضور نے پھر یہی فرمایا: "تم یہودی کا حق ادا کرو" حضور کی عادت تھی کہ ایک بات کو تین مرتبہ کہنے کے بعد پھر اس کی تکرار نہیں کرتے تھے، ابن ابی حدرد سمجھ گئے کہ اس سے مفر نہیں ہے، اس لئے سیدھے بازار گئے، ....

..................، وہاں اپنی چادر جسے بہ طور تہبند لپیٹ رکھا تھا اسے کھول کر یہودی کے ہاتھ چار درہم میں فروخت کیا اور سر پر جو پگڑی بندھی تھی اس کو تہبند کی جگہ استعمال کیا۔[1]

ایک اور واقعہ سنئے جس کا تعلق خود حضور کی ذات سے ہے:

یہود سے لین دین کا معاملہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم بھی رکھتے تھے، چنانچہ صحیح بخاری میں ہے کہ ایک مرتبہ حضورؐ نے اپنی ایک زرہ ایک یہودی کے پاس گروی رکھ کر اپنے متعلقین کے لئے اس سے کچھ غلہ خریدا۔[2] زید بن سعنہ جو بعد میں مسلمان ہو گئے تھے، جس زمانہ میں

---

[1] مسند امام احمد ساعاتی ج ۱۹ ص ۹۳

[2] کتاب البیوع باب شراء النبی صلی اللہ علیہ وسلم بالنسیہ

عدل وانصاف حضرت عبداللہ بن عباس سے روایت ہے کہ ایک مرتبہ طعمۃ بن ابیرق نے قتادہ بن النعمان کی ایک زرہ چوری کرلی اور اسے گھر لے جاکر ایک یہودی کے پاس پوشیدہ رکھ دیا۔ اب زرہ کی تلاش ہوئی اور وہ یہودی کے گھر دستیاب ہوگئی تو لوگوں نے یہودی کو ہی ملزم ٹھہرالیا۔ ہرچند اس نے حقیقت واقعہ بیان کی، مگر کسی نے اس کا اعتبار نہیں کیا، آخر معاملہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں پیش کیا گیا، اب یہودی کے خلاف متعدد شہادتوں کی بنیاد پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم یہودی کے خلاف فیصلہ سنانے والے تھے ہی کہ اچانک آیت ذیل نازل ہوئی:

إِنَّآ أَنزَلْنَآ إِلَيْكَ ٱلْكِتَٰبَ بِٱلْحَقِّ لِتَحْكُمَ بَيْنَ ٱلنَّاسِ بِمَآ أَرَىٰكَ ٱللَّهُ ۚ وَلَا تَكُن لِّلْخَآئِنِينَ خَصِيمًا (النساء) [1]

ہم نے سچائی کے ساتھ کتاب آپ پر بے شبہ اس لئے نازل کی ہے کہ اللہ نے آپ کو جو کچھ دکھایا ہے آپ اس کے مطابق لوگوں کے معاملات

(بقیہ حاشیہ ص ۱۴)

بُعِثْتُ لِاُتَمِّمَ مَکَارِمَ الْاَخْلَاقِ میں اس لئے مبعوث کیا گیا ہوں کہ اعلیٰ اخلاق کی تکمیل کروں، اس سلسلہ میں اسلام کا رجحان طبعی (Natural trend) کیا ہے؟ اس کا اندازہ اس آیت سے ہوگا:

وَلَا تَسْتَوِى ٱلْحَسَنَةُ وَلَا ٱلسَّيِّئَةُ ۚ ٱدْفَعْ بِٱلَّتِى هِىَ أَحْسَنُ فَإِذَا ٱلَّذِى بَيْنَكَ وَبَيْنَهُۥ عَدَٰوَةٌ كَأَنَّهُۥ وَلِىٌّ حَمِيمٌ

اور بھلائی اور برائی دونوں برابر نہیں ہیں، آپ اپنی طرف سے مدافعت ایک ایسے طریقہ سے کیجئے جو بہتر ہے اور جس کا نتیجہ یہ ہو کہ جو تمہارا دشمن جانی ہے وہ جگری دوست بن جائے۔

[1] لیکن محدثین کے نزدیک اس روایت کی اسناد ضعیف ہیں۔ تفسیر ابن جوزی ج ۲ ص ۱۹۰

الْمُقْسِطِيْنَ ○ (المائدہ) [1]

نظر انداز کر دیں، آپ نے اگر انھیں نظر انداز کر بھی دیا تو یہ ہرگز آپ کا کچھ بگاڑ نہ سکیں گے، البتہ ہاں اگر آپ اُن کا جھگڑا چکانا چاہیں تو پھر عدل اور انصاف کے ساتھ فیصلہ کیجئے، اللہ بے شبہ عدل کرنے والوں کو پسند کرتا ہے۔

اسی طرح ایک محاکمہ آپ نے زنا کے ایک معاملہ میں کیا تھا، سورۂ المائدہ کی ہی دوسری آیتوں میں اس کا تذکرہ ہے، ہر شئی کا کمال یہ ہے کہ وہ اپنی ضد کو اپنے سامنے جھکنے پر مجبور کر دے، حسنِ نظارہ سوز کا کمال یہ ہے کہ ایک زاہدِ خشک بھی اسے دیکھے تو اُس کے عشوہ کا اسیر ہو جائے، ایک نغمہ کی غایت سحر کاری یہ ہے کہ پرندے بھی اسے سن کر سکتہ میں آجائیں، ابرِ کرم کی فیض بخشیوں کی انتہا یہ ہے کہ بنجر اور بے آب و گیاہ زمینیں چمنستانوں میں تبدیل ہو جائیں، نور و حرارت کی عطا گستری کا نقطۂ عروج یہ ہے کہ ظلمت کدے بقعۂ نور اور تیرہ و تار ویرانے روشن آبادیاں بن جائیں، پس اسی طرح ایک انسان کی عظمتِ اخلاقی کا منتہا یہ ہے کہ اس کا بڑے سے بڑا سرکش دشمن بے ساختہ اس کے عملی اعتراف و اقرار پر مجبور ہو جائے، چنانچہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ یہی معاملہ پیش آیا، مکہ میں تھے تو ابو جہل، عتبہ اور شیبہ تک نے آپ کے امین صادق ہونے کی برملا شہادت دی اور اب مدینہ میں یہود نے ہزار دشمنیوں کے باوجود آپ کو اپنے معاملات میں حکم قرار دے کر آپ کی صفتِ عدل و انصاف پر مہرِ تصدیق ثبت کی، تاریخ انسانی تہذیب و تمدن کا ایک نہایت عجیب و غریب واقعہ تھا جسے قرآن مجید نے بلاغت کے عام اصول کے مطابق تعجب کے پیرایۂ اظہار میں بیان کیا ہے

---

[1] تفسیر ابن جوزی ج ۲ ص ۳۶۰ و دیگر تفاسیر

یہودی تھے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے کچھ قرض لیا تھا۔ ایک روز وہ اپنا قرض مانگنے آئے تو حضورؐ کی چادر پکڑ کر کھینچی اور سخت گستاخی اور بے ادبی کے الفاظ استعمال کئے۔ حضرت عمر اس موقع پر موجود تھے، یہ دیکھکر غصہ سے بیتاب ہوگئے اور سخت زجر و توبیخ کی، رحمتِ عالم یہ دیکھکر مسکرائے اور فرمایا: عمر! مجکو تم سے کچھ اور امید تھی، تم کو زید بن سعنہ سے کہنا چاہیئے تھا کہ نرمی سے کلام کرے اور مجھ سے کہنا چاہیئے تھا کہ اس کا قرض ادا کروں۔ اس کے بعد حضرت عمر سے فرمایا: اس شخص کا قرض میری طرف سے ادا کرکے بیس صاع کھجور کے اسے اور زیادہ دیدو۔[1]

یہودیوں کے باہمی نزاعات کا فیصلہ

آنحضرت صلی اللہ علیہ کی اس صفتِ عدل و انصاف کا اعتراف یہود کو بھی تھا اور اس درجہ سخت دشمنی اور مخالفت کے باوجود یہ لوگ اپنے باہمی نزاعات وخصومات کا فیصلہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے ہی کراتے تھے، چنانچہ بنونضیر اور بنو قریظہ میں یہ جھگڑا مدت سے چلا آرہا تھا کہ بنونضیر اپنے مقتول کی دیت پوری وصول کرتے تھے اور بنو قریظہ نصف! آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے ان دونوں نے اپنا معاملہ پیش کیا تو آپ نے دونوں میں برابر کی دیت کا فیصلہ کیا اس پر قرآن کی یہ آیت نازل ہوئی:

سَمّٰعُوْنَ لِلْكَذِبِ اَكّٰلُوْنَ لِلسُّحْتِ فَاِنْ جَآءُوْكَ فَاحْكُمْ بَيْنَهُمْ اَوْ اَعْرِضْ عَنْهُمْ وَاِنْ تُعْرِضْ عَنْهُمْ فَلَنْ يَّضُرُّوْكَ شَيْـًٔا وَاِنْ حَكَمْتَ فَاحْكُمْ بَيْنَهُمْ بِالْقِسْطِ اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ	حکام یہود جھوٹ باتوں پر کان دھرنے والے اور حرام کمائی (رشوت) کھانے والے ہیں، اس لئے اگر اے محمدؐ یہود آپ کے پاس (اپنا کوئی معاملہ لیکر) آئیں تو آپ کو اختیار ہے کہ ان کے درمیان محاکمہ کریں یا انھیں

[1] بحوالہ سیرت النبی مولانا شبلی حصۂ اول مجلد دوم ص ۳۵۶

ایک جنازہ گذرا تو آپ حسب معمول کھڑے ہو گئے۔ صحابہ نے عرض کیا: "حضور! یہ تو یہودی کا جنازہ تھا!" آپ نے جواب دیا: "کیا اس میں جان نہیں تھی؟" آپ کے اتباع میں صحابہ کا بھی معمول یہی تھا کہ یہودی کا جنازہ گذرتا تھا تو کھڑے ہو جاتے تھے[1]۔

چشم پوشی اور درگذر

یہودی کسی موقع پر بھی خباثتِ نفس سے باز نہیں آتے تھے۔ لیکن آپ ہمیشہ خوش خلقی اور عفو و درگذر کا معاملہ کرتے تھے، ایک مرتبہ یہودیوں کا ایک گروہ خدمت اقدس میں حاضر ہوا اور السلام علیکم کے بجائے السام علیکم کہا جس کے معنی ہیں "تم پر ہلاکت ہو" حضرت عائشہ اس وقت موجود تھیں، یہ سن کر غصہ سے بیقرار ہو گئیں، اور تڑاق سے جواب میں بولیں: "بدبختو! تم پر خدا کی لعنت اور موت" رحمت عالم نے یہ سنا تو فرمایا: عائشہ! "ذرا صبر کرو!" حضرت عائشہ نے جواب دیا: "حضور! آپ نے سنا بھی، ان لوگوں نے کیا کہا!" آپ نے فرمایا: "ہاں! میں نے سنا اور اس کے جواب میں "وعلیکم" کہہ دیا، بس یہ کافی ہے اور اللہ تعالیٰ ہر معاملہ میں نرمی کو پسند کرتا ہے[2]۔"

یہود سے سماجی تعلقات

یہود اور مسلمانوں میں سماجی تعلقات بھی تھے، اوس اور خزرج کے ساتھ تو ازدواجی تعلقات اور رشتہ داریاں بھی تھیں، اسلام مشرکین تک کے ساتھ صلہ رحمی کا حکم دیتا ہے، پھر یہود اس سے کس طرح محروم ہو سکتے تھے، یہودی عورتیں بے تکلف کاشانۂ نبوت میں آتی جاتی تھیں، چنانچہ ایک مرتبہ حضرت ابوبکر صدیق گھر میں داخل ہوئے تو دیکھا کہ حضرت عائشہ کو کوئی شکایت ہے اور ایک یہودی عورت پاس بیٹھی جھاڑ پھونک کر رہی ہے۔ صدیق اکبر نے اس عورت سے فرمایا: تم کتاب اللہ سے جھاڑ پھونک کرو[3]۔ اسلام میں ہمسایہ کے جو

---

[1] صحیح بخاری باب من قام لجنازۃ یہودی

[2] صحیح بخاری باب طیب الکلام

[3] موطأ امام مالک و عمدۃ القاری ج ۲۱ ص ۲۶۲

ارشاد ہوتا ہے:

وَكَيْفَ يُحَكِّمُونَكَ وَعِنْدَهُمُ التَّوْرَاةُ فِيهَا حُكْمُ اللَّهِ، ثُمَّ يَتَوَلَّوْنَ مِنْ بَعْدِ ذَالِكَ وَمَا أُولَئِكَ بِالْمُؤْمِنِينَ۔ (المائدہ)

اور اے محمد یہ یہود اپنے معاملات میں آپ کو حکم کس طرح بناتے ہیں۔ درآنحالیکہ ان کے پاس توراۃ ہے جس میں اللہ کا حکم موجود ہے پھر اس کے بعد یہ لوگ اس سے منحرف ہوجاتے ہیں اور یہ ایمان لانے والے نہیں ہیں۔

کمال دلجوئی عدل و انصاف کے ساتھ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم یہود کی دلجوئی بھی فرماتے تھے، چنانچہ یہود کے معاملات کا فیصلہ خود ان کی کتاب توراۃ کی روشنی میں کرتے تھے، آپ مدینہ میں پہونچے اور یہود کو دیکھا کہ صوم عاشورا (محرم کی دسویں تاریخ کا روزہ) رکھتے ہیں تو آپ نے بھی اسے پسند فرمایا اور روزہ رکھا۔ ایک مرتبہ ایک یہودی نے حضرت موسیٰ کی فضیلت اس طرح بیان کی کہ گویا وہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے بھی افضل ہیں۔ ایک صحابی کو اس پر طیش آگیا اور انھوں نے یہودی کے طمانچہ رسید کیا، اس شخص نے حضورؐ سے شکایت کی تو آپ نے فرمایا: "لوگو! مجکو اور پیغمبروں پر ایسی فضیلت مت دو جس سے ان کی تنقیص کا پہلو نکلتا ہو"، پھر خاص حضرت موسیٰ کی نسبت ارشاد ہوا: "حشر میں سب بیہوش ہوجائیں گے، اس کے بعد سب سے پہلے مجھے ہوش آئے گا تو دیکھوں گا کہ موسیٰ عرش کا پایہ تھامے کھڑے ہیں[1]"،

احترام یہود اسلام دشمنی میں مشرکین قریش سے کم نہیں بلکہ زیادہ ہی تھے، تاہم اہل کتاب تھے، اس بنا پر آپ ان کے ساتھ رعایت و احترام کا خاص معاملہ کرتے تھے، ارشاد نبوی ہے کہ کسی مسلمان کا جنازہ گذرے تو کھڑے ہوجاؤ، سرور عالم کا یہی معاملہ یہودیوں کے جنازہ کے ساتھ تھا، چنانچہ ایک مرتبہ آپ چند صحابہ کے ساتھ تشریف فرما تھے کہ اتنے میں

---

[1] صحیح بخاری تفسیر سورۂ اعراف

حدیث کا درایتی معیار

(داخلی فہم حدیث)

(۲)

مولانا محمد تقی صاحب امینی ناظم دینیات علی گڑھ مسلم یونیورسٹی

پاکیزہ و گندی چیزوں سے متعلق دین کی بنیادی باتیں

(۵) پاکیزہ و گندی چیزوں سے متعلق مثلاً پاکیزہ اور گندی چیزیں برابر نہیں ہیں، ایک کو دوسرے سے بدلنے کی اجازت نہیں، گفتگو، تعلقات، روزی، زندگی اور اولاد وغیرہ ہر ایک میں پاکیزگی کو اختیار کرنا اور گندگی سے دور رہنا چاہیئے۔ وغیرہ ۔ درج ذیل آیتوں سے ثبوت ملتا ہے:

قُلْ لَّا يَسْتَوِى الْخَبِيْثُ وَالطَّيِّبُ وَلَوْ أَعْجَبَكَ كَثْرَةُ الْخَبِيْثِ[1]۔	آپ کہہ دیجئے کہ طیب (پاکیزہ) اور خبیث (گندی) برابر نہیں ہیں اگرچہ خبیث کی کثرت تجھ کو اچھی لگے۔
وَلَا تَتَبَدَّلُوا الْخَبِيْثَ بِالطَّيِّبِ[2]	اور خبیث کو طیب سے نہ بدلو۔
وَهُدُوْا إِلَى الطَّيِّبِ مِنَ الْقَوْلِ[3]	وہ پاکیزہ بات کی ہدایت دیے گئے۔
إِلَيْهِ يَصْعَدُ الْكَلِمُ الطَّيِّبُ[4]	اللہ کی طرف پاکیزہ کلام چڑھتے ہیں۔

---

[1] المائدہ ع ۱۳ [2] النساء ع ۱ [3] الحج ع ۳ [4] الفاطر ع ۲

حقوق ہیں ان کا دروازہ یہود کے لئے بھی کھلا ہوا تھا۔ چنانچہ ایک مرتبہ حضرت عبداللہ بن عمر گھر میں داخل ہوئے تو دیکھا ایک لڑکے نے بکری ذبح کی ہے اور اس کا گوشت بنا رہا ہے، حضرت عبداللہ بن عمر نے تاکید کی کہ اس گوشت کا ایک حصہ گھر کے پڑوسی یہودی کے ہاں بھی بھیجا جائے۔ کسی نے کہا: "حضرت! وہ تو یہودی ہے" آپ نے فرمایا: یہودی ہے تو کیا ہوا! پڑوسی تو ہے، میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا ہے، آپ نے پڑوسی کے حقوق اتنے اور اس تاکید سے بیان فرمائے کہ معلوم ہوتا تھا کہ آپ اس کو وراثت میں بھی حصہ دار بنائیں گے۔[۱]

داد و دہش اسلام کا حکم ہے کہ صدقات وخیرات میں مسلم اور غیر مسلم کی تمیز درست نہیں ہے۔ اس عام حکم سے یہودی بھی مستثنیٰ نہیں تھے، چنانچہ ایک مرتبہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک یہودی خاندان کو صدقہ دیا، ام المومنین حضرت صفیہ یہود خاندانوں میں رشتہ داریاں رکھتی تھیں اور خود صاحب حیثیت بھی تھیں، ایک مرتبہ انھوں نے اپنے دو یہودی رشتہ داروں کو تیس ہزار کی مالیت کا صدقہ دیا۔[۲]

---

[۱] الادب المفرد امام بخاری باب جار الیہودی۔ یہ روایت ابوداؤد اور ترمذی میں بھی ہے۔
[۲] کتاب الخراج قاضی ابو یوسف ص ۷۲

ان تینوں کو سمیٹ کر ایک مقصد بنایا جاتا ہے یعنی "انسان کے لئے دنیا و آخرت میں فلاح و کامیابی کا راستہ کھولنا" جیسا کہ بہت سی آیتوں میں صراحتہً فلاح و کامیابی کا ذکر موجود ہے لیکن حدیث کی معنویت سمجھنے میں سہولت کے لئے اس کو تین حصوں میں تقسیم کر دیا گیا۔ ہر حصہ کی الگ الگ تفصیل درج ذیل ہے :

انسان کی اصلاح

اصلاح کے لئے جامع لفظ "تزکیہ" ہے

دین کا پہلا مقصد انسان کی اصلاح ہے جس کے لئے قرآن حکیم میں نہایت جامع لفظ "تزکیہ" استعمال ہوا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا اہم کام اس کو قرار دیا گیا جیسا کہ ان آیتوں سے ثابت ہے۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام کی دعا میں ہے :

رَبَّنَا وَابْعَثْ فِيهِمْ رَسُولًا مِّنْهُمْ يَتْلُوا عَلَيْهِمْ آيَاتِكَ وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتَابَ وَالْحِكْمَةَ وَيُزَكِّيهِمْ۔[1]

اے ہمارے رب آپ ان میں ایک رسول ان ہی میں سے بھیجئے جو ان کو آپ کی آیتیں پڑھکر سنائے اور ان کو کتاب وحکمت کی تعلیم دے اور ان کا تزکیہ کرے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے کام کی تفصیلات میں ہے :

هُوَ الَّذِي بَعَثَ فِي الْأُمِّيِّينَ رَسُولًا مِّنْهُمْ يَتْلُوا عَلَيْهِمْ آيَاتِهِ وَيُزَكِّيهِمْ وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتَابَ وَالْحِكْمَةَ وَإِن كَانُوا مِن قَبْلُ لَفِي ضَلَالٍ مُّبِينٍ۔[2]

اللہ ہی نے امیوں میں انھیں میں سے ایک رسول بھیجا جو ان کو اس کی آیتیں پڑھ کر سناتا ان کا تزکیہ کرتا اور ان کو کتاب وحکمت کی تعلیم دیتا ہے بلاشبہ اس سے پہلے وہ کھلی ہوئی گمراہی میں تھے۔

---

[1] البقرہ ع ۱۵ [2] الجمعہ ع ۱

اَلْخَبِيْثٰتُ لِلْخَبِيْثِيْنَ وَالْخَبِيْثُوْنَ لِلْخَبِيْثٰتِ وَالطَّيِّبٰتُ لِلطَّيِّبِيْنَ وَالطَّيِّبُوْنَ لِلطَّيِّبٰتِ[۱]

گندی عورتیں گندے مردوں کے لئے اور گندے مرد گندی عورتوں کے لئے ہیں۔ پاکیزہ عورتیں پاکیزہ مردوں کے لئے اور پاکیزہ مرد پاکیزہ عورتوں کے لئے ہیں۔

كُلُوا مِمَّا فِي الْاَرْضِ حَلٰلًا طَيِّبًا[۲]

زمین کی چیزوں میں سے حلال طیب کھاؤ۔

مَنْ عَمِلَ صَالِحًا مِّنْ ذَكَرٍ اَوْ اُنْثٰى وَهُوَ مُؤْمِنٌ فَلَنُحْيِيَنَّهٗ حَيٰوةً طَيِّبَةً[۳]

جس مرد یا عورت نے عمل صالح کئے اور وہ مومن ہے تو ہم اس کو حیات طیبہ (پاکیزہ زندگی) عطا کریں گے۔

رَبِّ هَبْ لِيْ مِنْ لَّدُنْكَ ذُرِّيَّةً طَيِّبَةً[۴]

اے میرے پروردگار اپنی طرف سے پاکیزہ اولاد عطا فرما۔

یہ اور ان کے علاوہ بہت سی آیتیں ہیں جن سے دین کی بنیادوں کا ثبوت ملتا ہے۔ قرآن حکیم میں اس حد تک ان کی تشریح بھی موجود ہے کہ دونوں کی روشنی میں شریعت سازی ہو سکے اور اخذ و استنباط کا سلسلہ جاری رہے۔ شعورِ نبوت نے "بنیاد و تشریح" دونوں سے معنویت حاصل کر کے شریعت سازی کے فرائض انجام دئے اور مقاصدِ دین کو بروئے کار لانے کے لئے عمارت تعمیر کی۔

دین کے مقاصد دین کے تین مقصد ہیں:

(۱) انسان کی اصلاح

(۲) عدل و رحمت کا قیام اور

(۳) دنیا و آخرت کی فلاح

---

۱. النور ع ۳ ۲. البقرہ ع ۲۲ ۳. النحل ع ۱۳ ۴. آل عمران ع ۴

تزکیہ کے مقابل تدسیہ ہے جس کے معنی ہیں :

ادخال الشیئ فی الشیئ بضرب من الاکراہ[1] کسی کو کسی شے میں زبردستی داخل کرنا

اس کی تائید دوسری آیت سے ہوتی ہے جس میں لڑکی کی پیدائش پر عرب جاہلیت کا ردعمل مذکور ہے

أَيُمْسِكُهُ عَلَىٰ هُونٍ أَمْ يَدُسُّهُ فِي التُّرَابِ[2] اس کو ذلت قبول کر کے رو کے رکھے یا مٹی میں دبا دے ۔

مذکورہ آیت میں نیکی وبدی (تقویٰ وفجور) کے الہام سے ثابت ہے کہ انسان میں دونوں کی قوتیں موجود ہیں اسی طرح تزکیہ وتدسیہ کے مقابلہ سے ظاہر ہے کہ نیکی سے نفس کو نشوونما ، د مالیدگی حاصل ہوتی ہے جبکہ بدی سے اس کو پستی وخواری ہوتی ہے ۔ پھر تزکیہ اور تدسیہ کے فعل کو انسان کی طرف منسوب کرنے سے پتہ چلتا ہے کہ اس میں نیکی کو غالب اور بدی کو مغلوب کرنے کی قوت بھی موجود ہے ۔

"تزکیہ" کے مفہوم میں اصلاح داخل ہے جیساکہ "زکّاہ" (تزکیہ کا ماضی) کے معنی اصلحہ (اس کی اصلاح کی) اور ولکن اللہ یزکّی (لیکن اللہ تزکیہ کرتا ہے) کے معنی یُصلح (اصلاح کرتا ہے) بیان کئے گئے ہیں[3]۔

اصلاح وتزکیہ کے لئے شعور نبوت کی ضرورت قرآن حکیم میں اصلاح وتزکیہ سے متعلق دین کی بنیادی باتیں اور بطور نمونہ ان کی تشریح کے لئے کچھ جزئیات موجود ہیں لیکن ان کا مفہوم متعین کر کے برمحل منطبق کرنے اور احوال وظروف کی رعایت کر کے عملی شکل میں متشکل کرنے کے لئے ایک ایسے شعور کی ضرورت ہے جو اخذ و استنباط کی صلاحیت رکھتا ہو اور جس

---

[1] راغب اصفہانی ۔ المفردات فی غریب القرآن و ابن منظور لسان العرب [2] النحل ع ۷

[3] سعید الخوری الشرتونی اللبنانی ۔ اقرب الموارد جزء ثالث

كَمَآ اَرْسَلْنَا فِيكُمْ رَسُولًا مِّنكُمْ يَتْلُوا عَلَيْكُمْ آيَاتِنَا وَيُزَكِّيكُمْ وَيُعَلِّمُكُمُ الْكِتَابَ وَالْحِكْمَةَ وَيُعَلِّمُكُم مَّا لَمْ تَكُونُوا تَعْلَمُونَ[1]

جیساکہ ہم نے تم میں ایک رسول تمھیں میں سے بھیجا جو تم کو ہماری آیتیں سناتا، تمھارا تزکیہ کرتا اور تم کو کتاب وحکمت کی تعلیم دیتا اور تم کو وہ باتیں سکھاتا ہے جو تم نہ جانتے تھے۔

"تزکیہ" کے لغوی واصطلاحی معنی

"تزکیہ" کے لغوی معنی ابھارنا اور نشوونما دینا ہیں لغت کی کتابوں میں اس کا مادہ "زکار" بیان کیا گیا ہے۔

الزکاء النماء والریع وکل شیئ یزداد وینمی فھو یزکو زکاء[2]

زکار کے معنی بڑھنا اور ترو تازہ ہونا۔ ہر وہ چیز کہ جس میں زیادتی وترقی ہو وہ اس میں داخل ہے۔

راغب اصفہانی کہتے ہیں:

اصل الزکاء النمو الحاصل عن برکۃ اللہ[3]

"زکار" کی اصل وہ بڑھوتری جو اللہ کی برکت سے حاصل ہو۔

اسی لحاظ سے تزکیۂ نفس کے معنی وہ یہ کرتے ہیں:

تنمیتہا بالخیرات والبرکات[4]

نفس کو بھلائیوں اور برکتوں سے ترقی دینا۔

قرآن حکیم کی اصطلاح میں "تزکیہ" کا مفہوم بدی کی قوتوں کو مغلوب کرکے نیکی کی قوتوں کو ابھارنا اور نشو ونمار دینا تاکہ فوز وفلاح حاصل ہو جیساکہ ان آیتوں سے ثابت ہے:

وَنَفْسٍ وَّمَا سَوّٰهَا فَاَلْهَمَهَا فُجُوْرَهَا وَتَقْوٰهَا قَدْ اَفْلَحَ مَنْ زَكّٰهَا وَقَدْ خَابَ مَنْ دَسّٰهَا[5]

نفس اور اس کی بناوٹ شاہد ہے کہ اللہ نے اس کو نیکی وبدی کا الہام کیا (قوتیں عطا کیں) وہ شخص کامیاب ہوا جس نے اس کا تزکیہ کیا وہ ناکام رہا جس نے اس کو آلودہ کیا

---

[1] البقرہ ع ۱۸ [2] محمد بن مکرم ابن منظور۔ لسان العرب ج ۱۴
[3] راغب اصفہانی۔ المفردات فی غریب القرآن۔ [4] ایضاً [5] الشمس ع ۱

ں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان نورانی شعاعوں سے کام لے کر اصلاح وتزکیہ کی عمارت
یر کی جس کی تفصیل حدیثوں میں موجود ہے یہاں بطور نمونہ عمارت کے چند حصے ذکر کئے جاتے
یں جن سے معنوی دلالت کو سمجھنے اور ان پر پوری عمارت کو قیاس کرنے میں سہولت ہوتی ہے۔

ہ یہ ہیں:

(۱) عقاید و عبادات

(۲) اقدار و اخلاق

(۳) عادات و اطوار

(۴) معروف و منکر اور

(۵) طیبات و خبائث

نفسی قوتوں کی اہمیت

لیکن ان سب پر گفتگو سے پہلے "نفسی قوتوں" کو سمجھنا ضروری ہے جو پیدائش کے وقت ودیعت کی جاتی ہیں اور جن پر ساری بحثوں کا مدار ہے۔ قرآن
کیم میں ہے:

اِنَّ اللّٰہَ لَا یُغَیِّرُ مَا بِقَوْمٍ حَتّٰی یُغَیِّرُوْا مَا بِاَنْفُسِہِمْ[1]

بے شک اللہ کبھی کسی قوم کی حالت نہیں بدلتا جب تک وہ ان چیزوں کو نہ بدلیں جو ان کے "انفس" کے ساتھ وابستہ ہیں۔

دوسری جگہ ہے:

ذٰلِکَ بِاَنَّ اللّٰہَ لَمْ یَکُ مُغَیِّرًا نِّعْمَۃً اَنْعَمَہَا عَلٰی قَوْمٍ حَتّٰی یُغَیِّرُوْا مَا بِاَنْفُسِہِمْ[2]

یہ بات اس لئے ہوئی کہ اللہ جو نعمت کسی قوم کو عطا فرماتا ہے اسے وہ اس وقت تک نہیں بدلتا جب تک کہ لوگ ان چیزوں کو نہ بدلیں جو ان کے انفس کے ساتھ وابستہ ہیں۔

---

[1] الرعد ع ۲ [2] الانفال ع ۷

کی صحت کی ضمانت بھی ہو۔ رسول اللہؐ نے شعور نبوت کے ذریعہ متعلقہ آیتوں کی معنوی دلالت سے اخذ و استنباط کر کے اصلاح و تزکیہ کی پوری عمارت تیار کی۔

طبیب حاذق کے کام سے یک گونہ مشابہت

اس اہم کام کے لئے شعور نبوت کو کن چیزوں پر نظر ڈالنے کی ضرورت ہوئی۔ کن گوشوں تک رسائی حاصل کرنا پڑی اور نفسی قوتوں کے پیش نظر قول و فعل کو کس انداز میں ڈھالنا پڑا؟ ان سب کے لئے جسمانی طبیب حاذق کے کام میں غور کرنے کی ضرورت ہے۔ جس کی نظر مرض کی قوت، اس کی نوعیت، مریض کی عمر، جائے رہائش اور موسم نیز دوا و غذا کی قوت ان کی خاصیت و اثر اور پرہیز و علاج سے متعلق تمام باتوں پر ہوتی ہے اور پھر ان کے لحاظ سے وہ بہت سی ان باتوں کی خبر دیتا جن کو لوگ نہیں جانتے۔ ان باریکیوں کا احاطہ کرتا جن سے وہ لاعلم ہوتے۔ کبھی وہ امور محسوسہ کو مخفی امور کے قائمقام قرار دیتا ہے مثلاً چہرہ کی سرخی اور سوڑھے سے خون جاری ہونے کو غلبۂ خون کی علامت قرار دیتا کبھی علامت کو بجائے سبب مرض اور دوا کی مخصوص مقدار کو بجائے ازالۂ مرض قرار دے کر قاعدہ کلیہ وضع کرتا ہے مثلاً جو شخص فلاں دوا یا معجون کی اتنی مقدار نہ استعمال کرے گا وہ ہلاک ہو جائے گا کبھی وہ مرض و مریض کی نوعیت و کیفیت کے پیش نظر نئی دوائیں اور نئے مرکبات تیار کر کے ان کو مخصوص امراض کے لئے تیر بہدف ثابت کرتا ہے وغیرہ۔ ظاہر ہے کہ ان کاموں کے لئے مجرد علم طب کافی نہیں ہے بلکہ فنی حذاقت و مہارت درکار ہے کہ وہ مریض و مرض کے پیش نظر اخذ و استنباط اور ریسرچ و تحقیق کا سلسلہ جاری رکھ سکے۔

نفسی زندگی "جسمانی" سے کہیں زیادہ باریک ہے

انسان کی نفسی زندگی کا معاملہ "جسمانی" سے کہیں زیادہ باریک اور جذب و انجذاب کو قبول کرنے والا ہے۔ اس بنا پر لازمی طور سے اس کے مرض و مریض، دوا و غذا اور پرہیز و علاج کی نزاکتوں کو سمجھنے کے لئے فنی حذاقت و مہارت کافی نہیں ہے بلکہ نورانی شعاعوں کی بھی ضرورت ہے جن کے ذریعہ ان مخفی تاروں کا عکس لیا جا سکے جن کو چھیڑے بغیر زندگی کے "ساز" میں "سوز" نہیں پیدا ہوتا اور بہت سے نغمے خاموش ہو جاتے

(۱) کل مولود یولد علی الفطرۃ فابواہ یھودانہ اوینصرانہ اویمجسانہ[۱] — ہر بچہ فطرت پر پیدا ہوتا ہے پھر اس کے والدین یہودی، نصرانی اور مجوسی بنا ڈالتے ہیں۔

پھر ایک مثال کے ذریعہ رسول اللہؐ نے وضاحت فرمائی:

(۲) کما تنتج البھیمۃ بھیمۃ جمعاء ھل تحسون فیھا من جدعاء[۲] — جیسا کہ بکری کا بچہ صحیح وسالم پیدا ہوتا ہے اس میں "کن کٹے" کا عیب نہیں پایا جاتا۔

(۳) ان اللہ کتب علی ابن آدم حظہ من الزناء ادرک ذلک لا محالۃ فزنا العین النظر وزنا اللسان النطق والنفس تمنی وتشتھی والفرج یصدق ذلک ویکذبہ[۳] — اللہ نے ابن آدم پر (مثلاً) زنا سے اس کا حصہ لکھدیا ہے جو اس کو پہونچتا ہے۔ آنکھ کا زنا دیکھنا، زبان کا زنا گفتگو کرنا۔ نفس اس کی خواہش وآرزو کرتا اور شرمگاہ اس کی تصدیق یا تکذیب کرتی ہے۔

(۴) الناس معادن کمعادن الذھب والفضۃ[۴] — لوگ کان "ہیں" مثل سونے چاندی کی کان کے (جن سے مختلف قسم کے لوگ نکلتے ہیں۔

(۵) کل میسر لما خلق لہ[۵] — ہر ایک کے لئے وہی آسان ہے جس کے لئے وہ پیدا ہوا۔

(۶) ما منکم من احد الا وقد وکل بہ قرینہ من الجن وقرینہ من الملائکۃ قالوا وایاک یا رسول اللہ قال وایای ولکن اللہ اعانتی فاسلم فلا یأمرنی الا بخیر[۶] — تم میں سے ہر شخص ایک ساتھی شیطان سے اور ایک ساتھی فرشتہ سے مقرر ہے لوگوں نے سوال کیا کیا آپ کے ساتھ بھی ہے آپ نے فرمایا میرے ساتھ بھی ہے لیکن اللہ نے میری مدد کی اور شیطان میرا مطیع ہو گیا

[۱، ۲] بخاری ومسلم ومشکوۃ کتاب القدر [۳] ایضاً [۴] مسلم ومشکوۃ کتاب العلم
[۵] بخاری ومسلم ومشکوۃ کتاب القدر [۶] مسلم ومشکوہ باب الوسوسہ

"انفس" کو دوسری جگہ "آفاق" کے مقابلہ میں ذکر کیا گیا ہے جس سے اس کی وسعت و بوقلمونی کا ثبوت ملتا ہے۔

سَنُرِیْھِمْ آیَاتِنَا فِی الْآفَاقِ وَ فِیْ اَنْفُسِھِمْ حَتّٰی یَتَبَیَّنَ لَھُمْ اَلْحَقُّ[1]

اب ہم ان کو اپنی نشانیاں دنیا میں اور ان کے نفسوں میں دکھائیں گے یہاں تک کہ ان پر حق ظاہر ہو جائے۔

ان آیتوں میں "انفس" سے مراد تمام وہ قوتیں ہیں جن کا اثر کسی نہ کسی شکل میں انسان کے اعمال وحرکات پر پڑتا ہے۔ ان قوتوں کا احاطہ مقصود نہیں ہے بلکہ صرف ان بنیادی قوتوں کا ذکر مقصود ہے جن کا سمجھنا اصلاح وتزکیہ کی اولین ضرورت ہے۔

نفسی بنیادی قوتوں سے متعلق آیتیں | بنیادی قوتوں کا ذکر قرآن حکیم کی ان آیتوں میں ہے

فطرۃ اللہ التی فطر الناس علیھا لاتبدیل لخلق اللہ[2]

اللہ کی وہ فطرت جس پر اس نے لوگوں کو پیدا کیا۔ اللہ کی بناوٹ میں کوئی تبدیلی نہیں۔

قَالُوْٓا اَتَجْعَلُ فِیْھَا مَنْ یُّفْسِدُ فِیْھَا وَیَسْفِکُ الدِّمَآءَ[3]

فرشتوں نے کہا کیا آپ اس کو خلیفہ بنائیں گے جو زمین میں فساد وخونریزی کرے گا۔

قُلْ کُلٌّ یَّعْمَلُ عَلٰی شَاکِلَتِہٖ[4]

آپ کہد یجئے ہر ایک اپنی "شاکلہ" پر کام کرتا ہے

وَاتَّقُوا الَّذِیْ خَلَقَکُمْ وَالْجِبِلَّۃَ الْاَوَّلِیْنَ[5]

ڈرو تم اس سے جس نے تم کو پیدا کیا اور اگلی مخلوق (کی جبلّت) کو پیدا کیا۔

معنویت حاصل کرنے والی حدیثیں | ان آیتوں میں فطرت، شاکلہ اور جبلّت کا ذکر ہے جن سے معنویت (معنوی دلالت) حاصل کرنے والی حدیثیں یہ ہیں:

---

[1] حم السجدہ ع ۶ [2] الروم ع ۴ [3] البقرہ ع ۴
[4] بنی اسرائیل ع ۱ [5] شعراء ع ۱۰

ان آدم خلق من اخلاط مرکبۃ علموا انہ یکون فیہ الحقد و الغضب ومنھما یتولد الفساد و لیسفک الدماء[1]

آدم مرکب اخلاط سے پیدا کیا گیا جس سے فرشتوں نے جانا کہ اس میں ضرور غصہ اور کینہ ہوگا جن سے فساد پھیلے گا اور خونریزی ہوگی۔

چوتھی حدیث میں شاکلہ اور جبلّت کی ابتدائی ہیئت کی طرف اشارہ ہے جس میں صالح وغیر صالح دونوں اجزاء کی آمیزش ہے۔

پانچویں حدیث میں "قرینہ من الجن وقرینہ من الملٰئکۃ" کے ذریعہ شاکلہ وجبلت میں سعادت وشقاوت دونوں قسم کی قوتوں کو قریب الفہم بنایا گیا۔

چھٹی حدیث میں دونوں قوتوں کی تاثیر کو عملی زندگی میں سمجھایا گیا۔

ساتویں حدیث میں نفسی قوتوں کے استحکام پر زور دیا گیا جن کے زائل ہونے کی توقع نہیں ہے مثلاً غصہ اور شہوت کی قوت کو اصلاح وتزکیہ کے ذریعہ ختم نہیں کیا جا سکتا یا کند ذہن کو تربیت کے ذریعہ اعلیٰ قسم کا ذہین نہیں بنایا جا سکتا۔

آٹھویں حدیث میں اصلاح وتزکیہ اور تربیت کی تاثیر کو سمجھایا گیا کہ ان کے ذریعہ نفسی قوتوں کے استعمال کا رخ پھیرا جاتا اور ان میں نکھار پیدا کیا جاتا ہے۔

ان کے علاوہ معنوی دلالت کی تشریح وتوضیح کرنے والی اور کئی حدیثیں کتاب القدر اور باب الوسوسہ وغیرہ میں ہیں جن کو طوالت کے خیال سے ذکر نہیں کیا جاتا۔

ان حدیثوں سے فطرت، شاکلہ اور جبلّت کا قرآنی مفہوم معلوم کرنے میں سہولت ہوئی ورنہ لغت کی مدد سے مفہوم متعین کرنے میں بڑی دشواری تھی۔ جیسا کہ ہر ایک کے لغوی و اصطلاحی معنی سے ثابت ہے۔

فطرت کی لغوی واصطلاحی تحقیق (۱) فطرت کے لغوی معنی آٹا گوندھ کر خمیر آنے سے پہلے روٹی

---

[1] علاء الدین علی بن محمد تفسیر خازن ج ۴

اب وہ صرف خیر و بھلائی کی مجھے تلقین کرتا ہے۔

(۷) اذا سمعتم بجبلٍ تغیر عن خلقه فلا تصدقوا به واذا سمعتم برجل تغیر عن خلقه فلا تصدقوا به فانه یصیر الی ماجبل علیه[1]

جب کسی پہاڑ کے بارے میں سنو کہ وہ اپنی جگہ سے ٹل گیا تو صحیح مان لو لیکن جب کسی انسان کے بارے میں سنو کہ اس کی خلقت بدل گئی تو نہ صحیح مانو کیونکہ وہ اپنی جبلّت کی طرف پھر لوٹ آئے گا۔

(۸) خیارهم فی الجاهلیة خیارهم فی الاسلام اذا فقهوا[2]

جو زمانۂ جاہلیت میں اچھے تھے وہ اسلام میں بھی اچھے ہیں۔ جبکہ انھوں نے سمجھ حاصل کی۔

معنوی دلالت کی تشریح پہلی اور دوسری حدیث سے فطرت کی نقاب کشائی ہوئی اور عملی زندگی میں اس کا رخ متعین ہوا جس کی بنا پر شاہ ولی اللہ یہ کہنے میں حق بجانب ہوئے۔

لان الانسان خلق فی اصل فطرته المیل الی بارئه جل مجده و ذلك المیل امر دقیق[3]

انسان کی اصل فطرت میں اپنے بزرگ و برتر خالق کی طرف میلان پیدا کیا گیا اور یہ میلان نہایت دقیق امر ہے۔

تیسری حدیث میں انسان کے اجزائے ترکیبی کے خواص کی نشاندہی کی گئی اور عملی زندگی میں ان خواہشات کا رُخ بتایا گیا۔ چنانچہ خلافتِ آدم کے واقعہ میں فرشتوں نے آدم کے بارے میں فتنہ و فساد اور خونریزی پھیلانے کی جو بات کہی تھی اس کی بنیاد یہی اجزائے ترکیبی کے خواص تھے۔

علاء الدین علی بن محمد کہتے ہیں:

---

[1] مسند احمد ج ۶ من حدیث ابی الدرداء [2] مسلم و مشکوٰۃ کتاب العلم

[3] ولی اللہ۔ حجۃ اللہ البالغہ ج ۱۔ باب الایمان بان العبادۃ حق اللہ الخ

المتهئی لقبول الدین فلو ترک علیھا لاستمر لزومھا ولم یفارقھا الی غیرھا وانما یعدل عنہ من یعدل لآفۃ من آفات البشر والتقلید[1]

جاتا ہے جو قبول دین کے لئے آمادہ ہوتی ہے، اگر اسی ہیئت پر چھوڑ دیا جائے تو یہ برقرار رہے کسی اور ہیئت کی طرف تجاوز نہ کرے جو تقلید یا بشری آفات میں کسی آفت کی وجہ سے ہوتی ہے۔

قاضی بیضاوی کہتے ہیں:

وھی قبولھم للحق وتمکنھم من ادراکہ[2]

حق کو سمجھنے اور قبول کرنے کی جو استعداد و قدرت ہوتی ہے اس کا نام فطرت ہے۔

یہ فطرت (قبول حق کی قوت و استعداد) پیدائش کے وقت منجانب اللہ ہر فرد کو یکساں دی جاتی ہے۔ اس قدرتی عطیہ میں کسی قسم کی تخصیص و ترجیح نہیں ہوتی۔ نیز اس میں ایک خاص قسم کی روشنی و رہنمائی ہوتی ہے جو اس وقت تک کام دیتی ہے جب تک اس کے خلاف دوسرے موثرات کا غلبہ نہیں ہو جاتا۔ اصلاح و تزکیہ کے ذریعہ اس غلبہ کو مغلوب کیا جاتا اور فطرت کی اصل قوت کو بحال کیا جاتا ہے۔

فطرت کے اور معنی بھی بیان کئے گئے ہیں مثلاً رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بعض حدیثوں میں فطرت کے تحت ختنہ کرانا، ناخن ترشوانا، مونچھیں کتروانا، بغل و ناف کے بال صاف کرنا وغیرہ ذکر کیا ہے[3]۔

"ابو الہثیم" نے فطرت ثانیہ سے کلمہ شہادت مراد لیا ہے[4]۔

---

[1] ابن اثیر۔ النہایۃ فی غریب الحدیث۔

[2] قاضی بیضاوی۔ تفسیر بیضاوی روم ع ۴

[3] بخاری کتاب اللباس باب قص الشارب۔ ونسائی ذکر الفطرۃ

[4] محمد مرتضی زبیدی۔ تاج العروس وتفسیر بیضاوی روم ع ۴

پکانا۔ "تفطر العجین" اس وقت کہتے ہیں جب آٹا گوندھ کر روٹی پکائی جائے۔[1]

پھر معنی میں توسیع ہوکر کسی "شئ" کو خاص ہیئت پر ایجاد کرنے اور گھڑنے میں فطرت کا استعمال ہونے لگا۔ "فطر اللہ الخلق" کے یہ معنی بیان کئے گئے ہیں:

وھو ایجادہ الشیئ وابداعہ علی ھیئۃ مترشحۃ بفعل من الافعال[2]

اللہ کا کسی چیز کو ایسی ہیئت پر گھڑنا کہ جس کے لئے اس کو پیدا کیا گیا ہے وہ اس کے لائق ہوجائے

انگریزی و عربی لغت میں یہ تعریف کی گئی ہے:

"بچہ کی "نیچرل کانسٹی ٹیوشن" جس پر وہ اپنی ماں کے پیٹ میں پیدا کیا جاتا ہے۔"[3]

قرآن حکیم کی اصطلاح میں "فطرت" قبول حق کی اس قوت و استعداد کا نام ہے جو پیدائش کے ابتدائی مرحلہ میں ہر فرد کو منجانب اللہ عطا کی جاتی ہے۔ راغب اصفہانی نے مذکورہ آیت "فطرۃ اللہ التی الخ" میں فطرت کے یہ معنی بیان کئے ہیں:

ھی ما رکز فیہ من قوتہ علی معرفۃ الایمان[4]

اللہ کی فطرت سے وہ قوت مراد ہے جو ایمان کی معرفت کے لئے پیوست کی جاتی ہے۔

"النہایۃ فی غریب الحدیث" میں مذکورہ حدیث "کل مولود یولد علی الفطرۃ الخ" کے یہ معنی ہیں:

انہ یولد علی نوع من الجبلۃ والطبع

"بچہ "جبلت وطبیعت کی ایسی ہیئت پر پیدا کیا

---

[1] مجدالدین الشیرازی۔ قاموس۔ فطر۔ و محمد طاہر پٹنی۔ مجمع البحار ج ۳ فطرت

[2] ایضاً (قاموس)

[3] "Arabic, English Lexican By Edward william lane"

[4] راغب اصفہانی۔ المفردات فی غریب القرآن

علی شاکلتہ ای علی سجیّتہ التی قیّدتہ وذلك ان سلطان السجیّۃ علی الانسان قاھر[1]

اپنی شاکلہ پر یعنی اس بناوٹ پر جس کا تو نے اس کو مقید کیا کیونکہ انسان پر بناوٹ کی حکومت غالب ہے۔

"سجیۃ" کے معنی خلقت، طبیعت اور ملکہ ہیں۔

ھی الملکۃ الراسخۃ فی النفس التی لا یقبل الزوال بسھولۃ[2]

"سجیہ" نفس میں ایک مضبوط ملکہ ہے جو آسانی سے نہیں زائل ہوتا۔

سید محمد آلوسی بغدادی نے بھی "شاکلۃ" کے یہی معنی بیان کئے ہیں[3]

قاضی بیضاوی کہتے ہیں:

کل واحد یعمل علی طریقتہ التی تشاکل جوھر روحہ واحوالہ التابعۃ لمزاج بدنہ[4]

ہر شخص اس طریقہ پر عمل کرتا ہے جو جوہر روح ومزاج بدن کی حالتوں کے ساتھ مشابہت رکھتا ہے۔

شاہ ولی اللہ کہتے ہیں:

علی شاکلتہ ای طریقتہ التی جبل علیہ[5]

اپنے اس طریقہ پر عمل کرتا ہے جس پر اس کی جبلت کی گئی

"شاکلۃ" کے اور معنی بھی بیان کئے گئے ہیں مثلاً

---

[1] راغب اصفہانی۔ المفردات فی غریب القرآن۔

[2] زبیدی۔ تاج العروس۔ فصل السین

[3] محمود آلوسی بغدادی روح المعانی ج ۱۹

[4] قاضی ناصر الدین بیضاوی۔ تفسیر بیضاوی۔ بنی اسرائیل ع ۱

[5] ولی اللہ۔ حجۃ اللہ البالغۃ باب اختلاف الناس فی جبلتھم المستوجبۃ۔

بعض دوسرے حضرات نے فطرت کے معنی دین، اسلام اور سنت قدیمہ وغیرہ کئے ہیں[۱]

شاہ ولی اللہ نے اس حالت کو فطرت سے تعبیر کیا ہے جو انبیائی تعلیمات کا خلاصہ طہارت، اخباث، سماحت اور عدالت سے ترکیب پاتی ہے۔

والحالۃ المرکبۃ منہا تسمی الفطرۃ[۲] — ان چاروں اوصاف سے جو حالت ترکیب پاتی ہے اس کا نام فطرت ہے۔

یہ سب فطرت کے آثار و مظاہر ہیں۔

شاکلہ کی لغوی و اصلاحی تحقیق

(۲) شاکلۃ ۔ عربی میں شاکل کی مؤنث ہے جس کے لغوی معنی مثل، نظیر، مشابہت، مسلک، مذہب، طریقہ وغیرہ ہیں[۳]۔

محاورہ ہے:

لست علی شکلی ولا علی شاکلتی — تو میرے مسلک اور طریقہ پر نہیں ہے۔

فیہ شکلۃ ا دشاکل من ابیہ — اس میں اپنے باپ سے مشابہت ہے۔

ھذا علی شاکلۃ ابیہ ای شبھہ — یہ اپنے باپ کے مشابہ ہے۔

قرآن حکیم کی اصطلاح میں شاکلۃ" اس پیدائشی بناوٹ کو کہتے ہیں جس میں ہدایت وضلالت یا سعادت وشقاوت، دونوں قوتوں کی کارفرمائی ہوتی ہے۔ یہ انسان کی معنوی صورت ہے جو ابتدا میں بنتی اور سعادت وشقاوت کے خمیر سے ترکیب پاتی ہے۔

راغب اصفہانی کہتے ہیں:

---

[۱] محمد مرتضی زبیدی۔ تاج العروس وتفسیر بیضاوی ر دوم ع ۴

[۲] ولی اللہ۔ حجۃ اللہ البالغہ ج ۱ باب الاصول التی یرجع الیہا تحصیل الطریقۃ الثانیۃ

[۳] محمد مرتضی زبیدی تاج العروس ودیگر کتب لغت

مذکورہ آیت "وَاتَّقُوا الَّذِیْ خَلَقَکُمْ وَالْجِبِلَّۃَ الْاَوَّلِیْنَ" میں جبلت کے دوسرے معنی بھی بیان کیے گئے ہیں مثلاً عدد کثیر، اگلی مخلوق، دس ہزار کی جماعت، جماعت کثیرہ وغیرہ[۱]

لیکن اصل معنی خلقت، طبیعت اور بناوٹ ہیں جن کا لحاظ دوسرے معنوں میں موجود ہے اس کا ثبوت رسول اللہ کی درج ذیل دعا میں ہے:

اسألك من خيرها وخير ما جبلتها عليه واعوذ بك من شرها وشر ما جبلتها عليه[۲]۔	اے اللہ میں آپ سے اس عورت کی بھلائی اور ان چیزوں کی بھلائی مانگتا ہوں جن کو اس کی بناوٹ میں رکھا اور پناہ مانگتا ہوں اس عورت کے شر اور ان چیزوں کے شر سے جن کو تو نے اس کی بناوٹ میں رکھا۔

"شاکلہ" اور "جبلت" میں سعادت کا خمیر فطرت سے اور شقاوت کا خمیر اجزائے ترکیبی کے خواص سے حاصل کیا جاتا ہے۔ پھر شاکلہ اور جبلّت کی تیاری میں یکسانیت نہیں ہوتی بلکہ مختلف وجوہ کی بناء پر فرق ہوتا ہے۔ اس بناء پر اصلاح وتزکیہ کے کام میں بڑی دشواری پیش آتی اور احوال وفطرت کی رعایت لازمی ہوتی ہے۔

(باقی)

---

[۱] ابن جریر طبری۔ جامع البیان فی تفسیر القرآن ج ۱۶ شعراء ع ۱۰، محمود آلوسی۔ روح المعانی ج ۱۹ شعراء ع ۱۰

[۲] ابوداؤد۔ کتاب النکاح باب فی جامع النکاح

(۱) وہ طریقہ اور مذہب جو ہدایت وضلالت میں اس کی حالت کے مشابہ ہے[۱]

(۲) وہ عادتیں جن پر انسان کی پیدائش ہوئی[۲]

(۳) وہ طریقہ اور روش جس پر انسان کی پیدائش ہوتی ہے وغیرہ[۳]

یہ سب معنی اصطلاحی مفہوم سے حاصل کئے گئے ہیں۔

جبلت کی لغوی و اصطلاحی تحقیق

(۳) جبلت کے لغوی معنی خلقت، طبیعت، اصل اور وہ حالت جس پر بنایا گیا[۴] مفہوم کے لحاظ سے جبلت اور شاکلہ دونوں ایک ہیں۔ جیسا کہ مذکورہ آیت میں "والجبلۃ الاولین" کے یہ معنی بیان کئے گئے ہیں:

ای المجبولین علی احوالھم التی بنوا علیھا وسبلھم التی قیضوا لسلوکھا المشار الیھا بقولہ تعالیٰ قُلْ كُلٌّ يَعْمَلُ عَلَىٰ شَاكِلَتِهِ[۵]

وہ جن کی پیدائش ان احوال پر ہوئی جن پر وہ بنائے گئے اور ان راستوں پر ہوئی جن پر چلنا مقرر کیا گیا۔ اللہ کے فرمان "قل کل یعمل علی شاکلتہ" میں اسی طرف اشارہ ہے۔

تاج العروس (زبیدی) کی یہی عبارت ہے[۶]۔ روح المعانی (محمود آلوسی) میں بھی یہی مفہوم بیان کیا گیا ہے[۷]۔

---

[۱] محمد طاہر پٹنی۔ مجمع البحار۔ وقاضی بیضاوی۔ تفسیر بیضاوی بنی اسرائیل ع ۱

[۲] ابوبکر جصاص۔ احکام القرآن ج ۳ بنی اسرائیل ع ۱

[۳] ابوحیان اندلسی۔ البحر المحیط بنی اسرائیل ع ۱

[۴] ابن منظور، لسان العرب وسعید الخوری الشرتونی اللبنانی: اقرب الموارد

[۵] راغب اصفہانی۔ المفردات فی غریب القرآن۔ جبل

[۶] زبیدی۔ تاج العروس۔ فصل الجیم مع اللام

[۷] محمود آلوسی۔ روح المعانی ج ۱۹، شعراء ع ۱۰

بات کا ثبوت دیا کہ شاعر خواہ فارسی زبان کا ہو یا کسی اور زبان کا، وہ اپنے گرد و پیش کے حالات سے غافل و بے خبر نہیں رہ سکتا بلکہ ماحول کی ایک ایک چیز پر اس کی گہری نظر رہتی ہے۔ وہ لوگوں کی زبان، گفتار اور طور طریقے جاننے اور سمجھنے کی کوشش کرتا ہے اور ان چیزوں کو اختیار کر کے خود اپنی زبان و شاعری میں سمو دینے کی صلاحیت رکھتا ہے۔ امیر خسرو کی چند غزلیں جن کے اشعار اور مصرعوں میں فارسی و ہندوی زبانوں کی بہترین آمیزش ملتی ہے۔ نہایت دلچسپ اور معنی خیز ہیں ؎

زحالِ مسکیں مکن تغافل دورائے نیناں بنائے بتیاں
کہ تاب ہجراں ندارم ای جاں نہ لیہو کاہے لگائے چھتیاں
شبانِ ہجراں دراز چوں زلف و روزِ وصلت چو عمر کوتہ
سکھی پیا کو جو میں نہ دیکھوں تو کیسے کاٹوں اندھیری رتیاں

تعجب کی بات یہ ہے کہ امیر خسرو کے ایسے اشعار بھی ملتے ہیں جن میں فارسی اور میتھلی زبان کی حسین رنگ آمیزی پائی جاتی ہے ؎

ہندی بچہ ای بیں کہ عجب حسن دھرے چھے
بروقت سخن گفتن مکھ پھور جھرے چھے
گفتم ز لب لعل تو یک بوسہ بخواہم
گفتا کہ ہرے رام ترک کامے کرے چھے

سب لوگ جانتے ہیں کہ امیر خسرو فن موسیقی میں نہ صرف استاد تھے بلکہ بہت سے آلات موسیقی کے موجد بھی تھے۔ ستار کے متعلق مشہور ہے کہ یہ انھیں کی اختراعات میں سے ہے فن موسیقی میں ان کی مہارت ایک الگ موضوع ہے جس کی تفصیل یہاں ممکن نہیں، میں یہاں صرف ایک شعر نقل کروں گا جس سے اندازہ ہوگا کہ اس شاعر کو ساز سے صوتی ہم آہنگی کا کتنا پختہ شعور حاصل تھا ؎

ہندوستان کی فارسی شاعری میں مقامی عناصر

از ڈاکٹر غلام مجتبیٰ انصاری استاد فارسی، ٹی۔ ان۔ بی۔ کالج، بھاگل پور

علامہ شبلی کا یہ اعتراض کہ "عرب کی شاعری سے ملک کا تمدن، معاشرت، خانگی حالات، رہنے سہنے کے طریقے، اسباب خانہ داری اور اس قسم کی دوسری باتیں اس تفصیل سے معلوم ہوسکتی ہیں کہ تاریخ یعنی ہسٹری سے بھی نہیں معلوم ہوسکتیں، لیکن فارسی شاعری میں یہ باتیں ناپید ہیں"۔ ہندوستان کی فارسی شاعری کے سلسلے میں کچھ حد تک ضرور صحیح ہے لیکن کلی طور پر اسے صحیح نہیں کہا جاسکتا۔ ہندوستان کے فارسی شعراء پر یہ الزام کہ انھوں نے اپنی شاعری میں اس ملک کے تمدن، ماحول اور معاشرت کا ذکر نہیں کیا بلکہ وہی گل وبلبل شیراز اور شیریں و فرہاد کے راگ الاپتے رہے یا لیلیٰ مجنوں کی داستاں سرائی کرتے رہے، امیر خسرو اور فیضی کے کلام کی روشنی میں غلط ثابت ہوتا ہے۔ خود علامہ شبلی اس بات کو تسلیم کرتے ہیں کہ فارسی شاعری نے چھ سو برسوں کی طویل مدت میں ہندوستان میں صرف دو اشخاص پیدا کئے جنھیں اہل زبان یعنی ایران کو بھی چار و ناچار ماننا پڑا۔

ہندوی ادب و شاعری کے پرستار امیر خسرو کی شخصیت اور شاعری سے اچھی طرح واقف ہوں گے۔ وہ ایک ایسے شاعر تھے جن کی ذات میں بیک وقت بہت سارے علوم و فنون مجتمع ہوگئے تھے۔ انھوں نے ہندوستان کی اکثر علاقائی زبانوں میں شاعری کی، یہاں کے ماحول اور فضا کی تصویر کشی کی۔ یہاں کے مختلف پیشہ کے لوگوں کی خصوصیتیں بیان کیں اور اس

ٹکڑے سپرد ہوئے چنانچہ اس کا ایک حصہ فیضی کو بھی ترجمہ کرنے کے لئے ملا۔ یجر وید کا ترجمہ بھی فیضی کی طرف منسوب ہے۔ بھاون نام کا ایک شخص جو دکھن کا رہنے والا تھا، پڑھکر مطلب سمجھاتا جاتا تھا اور فیضی فارسی میں لکھتا جاتا تھا۔ "لیلا وتی" کا ترجمہ فیضی نے سنسکرت سے فارسی میں کیا اتنا ہی نہیں بلکہ اس نے بہت سارے اشعار ملک کے مختلف خطوں کی تعریف اور وہاں کے حسن و زیبائش کے بارے میں لکھے احمد آباد کی تعریف اور گجرات و دہلی کے لوگوں کے حسن و جمال کی توصیف مندرجہ ذیل اشعار میں ملاحظہ ہو ؎

چو رشک گلشنِ فردوس احمد آباد است
ازاو مباد برونم کشند چوں آدم
بحسنِ مردم گجرات یاد نیست دلی
نمی روند جوانانِ دہلی از یادم

طالب آملی جو جہانگیر بادشاہ کے دربار کا ملک الشعراء تھا، اس کے دل میں شروع سے ہندوستان آنے کی خواہش تھی چنانچہ جب ماژندران سے ہندوستان آیا تو ایک رباعی کہی ؎

طالب گلِ ایں چمن بہ بستاں بگذار　　بگذار کہ شوی پشیماں بگذار
ہندو نبرد تحفہ کسی جانب ہند　　بخت سیہ خویش بایراں بگذار

مطلب یہ کہ ہندوستان میں کالی چیز کا تحفہ لے کر نہیں جاتے اس لئے سیاہ قسمت کو یہیں چھوڑ کر چلنا چاہیئے۔

طالب نے ہندوستان سے جب قندھار کا سفر کیا تو یہ اشعار لکھے ؎

نگارانِ لاہور و خوبانِ دہلی　　بدل کردہ بودند پیوند جانم
یکی چہرہ سودی بچشمِ رکابم　　یکی بوسہ دادی بزلفِ عنانم
فشاندی یکی در بغل یاسمینم　　نہادی یکی در دہاں برگ پانم

دہل زد دہل زد بہ تحسین او   کہ دیں دینِ او دینِ او دینِ او

مصرعہ دوم کی پیہم تکرار بالکل نقارے کی آواز کی ترجمانی ہے۔

یہ حقیقت ہے کہ خسرو کی مادری زبان دہلوی ہندوی تھی جو انھیں فارسی سے زیادہ عزیز تھی۔ اس زبان میں انھوں نے لاکھوں شعر، گیت، پہیلیاں وغیرہ کہی ہیں ان میں بلیشتر ضائع ہوچکی ہیں لیکن اس کا جو حصہ مشتی نمونہ از خرواری باقی ہے وہ ہمارے ادب کا قابل فخر سرمایہ اور ہمارے ملک کی بے بہا دولت ہے۔ خسرو کے ایسا ہمہ رنگ جینیس ہندوستان آج تک نہیں پیدا کرسکا آج ہم جو زبان بولتے ہیں وہ خسرو ہی کی زبان ہے۔

مغلوں کا زمانہ ہندوستان میں فارسی شعروادب کا سنہرا زمانہ تھا یہ وہ زمانہ تھا جبکہ شعراء ایران سے ہجرت کرکے ہندوستان آتے تھے اور گوہر مقصود حاصل کرتے تھے شہنشاہ اکبر نے اپنے دربار کو ایک ایسا گلدستہ بنا رکھا تھا جس میں مختلف علوم وفنون کے پھول یکجا نظر آتے تھے۔ اس کے نورتنوں میں جہاں ایک ابوالفضل، فیضی اور عبدالرحیم خانخاناں جیسے باکمال لوگ تھے وہیں دوسری طرف راجہ مان سنگھ، ٹوڈرمل اور بیربل جیسے قابل وباصلاحیت لوگ بھی موجود تھے۔ اکبر نے اپنے دربار میں "ملک الشعراء" کا عہدہ مقرر کر رکھا تھا، شیخ مبارک کے دونوں لڑکے ابوالفضل وفیضی جو شروع میں اکبر کے عتاب سے بچنے کے لئے چھپتے پھرتے رہے، بعد میں دربار اکبری کے اہم ارکان مقرر ہوئے۔ فیضی نے اکبر کے اصرار پر ۱۰۰۳ھ میں "نل ودمن" کا قصہ منظوم کرنا شروع کیا اور چار مہینوں میں پایۂ تکمیل کو پہنچا کر اکبر کے سامنے پیش کیا۔ ملا عبدالقادر بدایونی نے فیضی سے بدظن رہنے کے باوجود لکھا ہے کہ تین سو برس سے ایسی مثنوی نہیں لکھی گئی پھر لکھتا ہے "الحق مثنویست کہ دریں صد سال بعد از امیر خسرو شاید در ہند کسی گفتہ باشد"۔ ۹۹۰ھ میں اکبر نے حکم دیا تھا کہ "مہابھارت" کا ترجمہ کیا جائے۔ بڑے بڑے گنوان پنڈت جمع ہوئے، اکبر خود نقیب خاں کو عبارت کا مطلب سمجھاتا جاتا تھا اور وہ فارسی میں ترجمہ کرتا تھا۔ پھر عبدالقادر بدایونی اور ملا شیری وغیرہ کو مہابھارت کے الگ الگ

لی کہ مجھ کو یہیں رہنے کی اجازت دی جائے میں یہاں بیٹھکر اطمینان سے فتوحات شاہی نظم
کروں گا چنانچہ یہ درخواست منظور ہوئی۔ جیسا کہ پہلے ذکر کیا گیا کلیم ہندوستان کا مداح
اور افسانہ خواں تھا ایک قصیدہ کی پوری تمہید ہندوستان کی تعریف میں ہے جس کا یہ شعر
درج کرنے کے قابل ہے ؎

توان بہشت دوم گفتنش باین معنی
کہ ہر کہ رفت ازیں بوستاں پشیماں شد

یعنی بیشک ہندوستان دوسری جنت کا نام ہے کیونکہ جو بھی اس چمن سے باہر گیا، بہت
پچھتایا۔

کلیم نہایت حاضر جواب اور ذہین تھا۔ قیصر روم نے شاہ جہاں کو خط لکھا کہ آپ صرف
ہندوستان کے بادشاہ ہیں، "شاہ جہاں" کا لقب کیوں اختیار کیا؟ شاہ جہاں کو بھی یہ خیال
ہوا کہ یہ غلط بیانی ہے۔ اپنے وزیر یمین الدولہ سے کہا کہ کوئی اور لقب اختیار کرنا چاہئے
کلیم کو خبر ہوئی اسی وقت قصیدہ لکھ کر پیش کیا جس میں لقب کی یہ دلیل دی ؎

"ہند" و "جہاں" ز روی عدد ہر دو چوں یکیست
شہ را خطاب شاہجہانی مبرہن است

مطلب یہ کہ "ہند" اور "جہاں" دونوں لفظ کے عدد ایک ہیں (۵۹) اس لئے "شاہ جہاں" اور
"شاہ ہند" دونوں کہہ سکتے ہیں۔

ہندوستان کے بہت سے پیشوں، پھلوں اور پھولوں کے نام اس نے اپنی شاعری
میں لکھدیے ہیں جن کا نام بھی زبان قلم پر لانا قابل اعتراض تھا مثلاً ؎

منہ بر وعدۂ تنبولیاں دل
کہ جز خوں خوردن از وی نیست حاصل

ز حسن شستہ دھوبی چہ گویم
ازاں بی پردہ محبوبی چہ گویم

یعنی جب میں قندھار کے لئے روانہ ہونے لگا تو میری محبت اور ہمدردی میں دہلی اور لاہور کے نوجوانوں کی عجیب کیفیت تھی کوئی میرے رکاب سے اپنا چہرہ ملتا تھا تو کوئی میرے عنان کی زلفوں کو بوسہ دیتا تھا۔ ایک میرے پہلو میں یاسمین چھڑکتا تھا تو دوسرا میرے منہ میں پان کا بیڑہ ڈالتا تھا۔ آخری شعر میں "برگ پانم" کی ترکیب نہایت برجستہ ہے۔ طالب آملی نے پان کا ذکر کر کے ہندوستان کی مہمان نوازی کی رسم کو بخوبی واضح کر دیا ہے۔ مہمانوں کو کھانے کے بعد اور رخصت کرتے وقت پان پیش کرنا ہمارے ملک کی قدیم رسم ہے۔

ابوطالب کلیم ہمدانی شاہ جہاں کے دربار کا ملک الشعراء تھا وہ جہانگیر کے دور حکومت میں ہندوستان آیا اور ۱۰۲۸ھ میں وطن واپس گیا مگر ہندوستان کی محبت دل میں ایسی تھی کہ حسرتوں کے انبار لئے جاتا تھا۔ اسی حالت میں ایک غزل لکھی جس کے چند اشعار قابل ذکر ہیں ؎

زشوقِ ہند زاں ساں چشم حسرت بر قفا دارم

کہ رو ہم گر براہ آرم نمی بینم مقابل را

یعنی ہندوستان کے شوق میں میری آنکھیں اس طرح پیچھے کی طرف لگی ہوئی ہیں کہ سامنے کے رخ پر نظر بھی ڈالتا ہوں تو سامنے کا آدمی نظر نہیں آتا، آگے کہتا ہے ؎

اسیرِ ہندم وزیں رفتنِ بیجا پشیمانم

کجا خواہد رساندن پر فشاں ایں مرغ بسمل را

مطلب یہ کہ میں ہندوستان کی محبت کا قیدی ہوں اور اپنے اس بے موقع سفر سے پشیماں ہوں پتہ نہیں ہندوستان کی محبت کا یہ بیقرار پنچھی کہاں پہنچا دیا جائے گا۔

علامہ شبلی کہتے ہیں کہ اس حالت کے ساتھ ابوطالب کلیم کا وطن میں کیا جی لگتا دو برس بھی نہ گزرنے پائے تھے کہ پھر ہندوستان واپس آگیا پھر جب شاہجہاں کے ساتھ کشمیر گیا تو وہاں کی رنگینی اور آب و ہوا کی دلآویزی کا اس قدر شیفتہ ہوا کہ بادشاہ سے درخواست

معلوم ہوتا ہے کہ اوڑیسہ اور بنگال کے مچھروں نے ہمارے شاعر کو بہت تنگ کیا تھا اوڑیسہ کے مچھروں کا ذکر اس طرح کرتا ہے ؎

در راہ ادلیسہ ما دغم کوشیہا وز راحت وعافیت فراموشیہا
سرگوشی یک پشہ بنمرود چہ کرد مسکین من وپشہ ہا وسرگوشیہا

مطلب یہ کہ اوڑیسہ کے راستے میں رنج وتکلیف کا کیا بیان کیا جائے تمام عیش وآرام بھول گئے، ایک مچھر کی سرگوشی نے نمرود کا کیا حال کر دیا یعنی اس کا کام ہی تمام کر دیا اس راہ میں بھی بیچارہ میں تھا، مچھر تھے اور ان کی سرگوشیاں تھیں خدا نہ کریں کہیں میرا حال بھی نمرود ہی جیسا ہو۔

بنگال کے مچھروں کے بارے میں لکھتا ہے ؎

بنگال ولپشہٴ پیل افگن او دارند دُم عقرب کاشی ہدہان

بنارس کی سرزمین اور وہاں کے حسن کی تعریف ذیل کے شعر میں اس طرح کرتا ہے ؎

چوں صفحۂ آئینہ نماید ہمہ جا روی گر بنگری از فرق سرش تا کف پالیش

مذکورہ بالا شاعروں کی طرح مخدوم سید قاسم حاجی پوری نے بھی اپنے کلام میں حسینان ہند کی تعریف وتوصیف کی ہے۔ سید قاسم حاجی پوری دسویں صدی ہجری میں صوبہ بہار کے حاجی پور (موجودہ ضلع ولیشالی) کے علاقہ میں گزرے ہیں۔ ان کا زمانہ ہمایوں اور اکبر بادشاہ کا زمانہ تھا۔ انھوں نے ایک پوری غزل میں اس ملک کے حسینوں کی تعریف اور ان کے ناز وغمزہ کا ذکر کیا ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ جو دل ان حسینوں کی زلف میں گرفتار ہو گیا وہ جلوۂ حق کا مظہر بن گیا۔ یہ مہ جبیناں سر سے پاؤں تک دعوتِ نظارہ ہیں اور مشہد وبغداد کے حسینوں کی طرح جاذب نظر اور دلکش ہیں۔ اپنے استاد کے سامنے زانوی ادب تہہ کرکے یہ دن رات حسن وناز کا سبق پڑھتے ہیں اور اپنے ناز وانداز سے اہل خرد کے دل وجان لے بھاگتے ہیں۔ لوگ ان کی دلربائی میں پڑکر اپنی ساری زندگی تباہ کر ڈالتے ہیں۔ اشعار ملاحظہ ہوں ؎

غرورِ حسن با جہل پٹھانی چو گردد جمع نتواں زندگانی

گلِ گدھل نہ نہیہ دست موسم شگفتہ چوں رخ یاراست دایم

نہال نیمش از بس خوش نسیم است دل طوبیٰ ز رشک آں دو نیم است

درویش حسین والہ ہروی تیس برس کی عمر میں ہرات سے ہندوستان آیا اور اپنی پوری زندگی ہندوستان کے مختلف حصوں میں گذارنے کے بعد بنگال میں پیوست خاک ہوا۔ اس ملک کی تعریف میں اس نے بہت سارے اشعار لکھے۔ یہاں کی مختلف جنگلوں کی آب وہوا دریاؤں کی کثرت اور پہاڑی راستوں کے نشیب و فراز کے بارے میں اپنے خیالات کا اظہار کیا۔ آسام کے متعلق لکھتا ہے ؎

عالمی دیگر و خلقی دگر و وضعی دگر نہ زمینش چو زمین و نہ سما ہمچو سما

آسماں بی سببِ ابر فرستد باراں وز زمیں بی مدد خاک شود سبز گیا

پستیِ راہ و بلندیش ندارد مثلی در تعاریف بہہ از مرتبۂ شاہ و گدا

....

.... بحرہا بی حد اندازہ چو فکرِ دانا

یعنی آسام کی سرزمین عجیب، یہاں کے لوگ عجیب اور لوگوں کے طور طریقے جداگانہ ہیں۔ نہ تو یہاں کی زمین عام زمین کی طرح ہے اور نہ ہی آسمان عام آسمان کی طرح ہے۔ فضا کا عالم یہ ہے کہ بغیر ابر کے یہاں پانی برستا ہے اور زمین (پتھریلی) بغیر خاک کے سبزہ اُگاتی ہے۔ یہاں کے راستوں کے نشیب و فراز کی مثال دوسری جگہ نہیں ملتی جو فرق ایک بادشاہ اور فقیر میں ہوا کرتا ہے وہی فرق یہاں کے راستوں کی اونچائی اور نیچائی میں ہے۔ یہاں کے دریا فلسفیوں کے افکار و خیالات کی طرح بے انتہا اور وسیع ہیں۔

ادبی مصادر میں آثار عمرینؓ

آثار عمرؓ

(۶)

جناب ڈاکٹر ابو النصر محمد خالدی صاحب پروفیسر شعبۂ تاریخ عثمانیہ یونیورسٹی حیدرآباد

۶۵ عمرؓ نے ابو موسیٰ اشعری کو لکھا:

اللہ کی حمد اور اس کے رسول پر سلام وصلوٰۃ کے بعد معلوم رہے کہ: اس میں کوئی شبہ نہیں کہ لوگوں کی اکثریت عموماً اپنے حکمرانوں کو سخت ناپسند کرتی ہے۔ میں اللہ سے اپنے اور تمہارے لئے اس بات سے پناہ مانگتا ہوں کہ ہمیں اندھی نادانی اور جوش انگیز کینے اپنی گرفت میں لے لیں اور حالت یہ ہو کہ خواہشوں کی پیروی کی جائے اور دنیا کو ترجیح دی جائے۔

تم (روزانہ) اللہ کی حدیں قائم کرنے (عدل گستری و انصاف رسانی کے لئے مجمع عام میں) اجلاس کیا کرو۔ خواہ دن بھر میں کچھ ہی دیر کے لئے کیوں نہ ہو۔ اگر تمہارے سامنے دو ایسے امور پیش ہوں کہ ایک اللہ کے لئے اور دوسرا دنیا کے لئے تو دنیا میں اپنا حصہ لینے پر اپنے آخرت کے حصہ کو ترجیح دو۔ کیوں کہ دنیا ختم ہو جائے گی۔ آخرت باقی رہے گی۔ اللہ کے خوف سے تشویش ناک رہو۔ بدکاروں کو دھمکاؤ۔ ان کو پراگندہ و منتشر کردو۔ (کہیں وہ اپنا جتھا نہ بنالیں)۔

بین نگاران ہند حسن معاد | ہمچو خوبانِ مشہد و بغداد
علم خوبی و ناز می خوانند | شاہداں مہوشاں بہ پیش استاد
جان اہل خرد بغمزہ برند | ایں چنیں شیوہ کردہ اند نفاد
بہرشاں عمرِ خلق صرف کنند | گشت ایں باب مطرد ل بناد
ہست امیدوار جلوۂ حق | دل کہ در زلفِ شاں گرفت ملاد

ایک دوسری جگہ فرماتے ہیں ؎

جادوی ہندسیت ملک روم تنہا می گرفت | آں سیہ خالی کہ بر رخسار گلگوں بستہ اند

ملک روم کا جادوی حسن دنیا بھر میں مشہور ہے۔ قاسم کہتے ہیں کہ اب تک حسن کی یہ شہرت صرف ملک روم کے لئے مخصوص تھی مگر جب سے ہم نے حسینانِ ہند کے پھول جیسے رخسار پر سیاہ تل کا حسین منظر دیکھا ہے تب سے ہندوستان اس معاملہ میں بڑھا چڑھا نظر آیا۔ پھر لکھتے ہیں ؎

چوں نگارم کشور ہندی کند خوی ظہور | رونقِ خوبانِ ملک روم و کابل بشکند

یعنی جب ہندوستان کے پری چہرہ لوگ اپنے حسن کا جلوہ دکھانے پر آمادہ ہو جاتے ہیں تو روم اور کابل کے حسینوں کے رنگ ماند پڑ جاتے ہیں۔

فیضی، طالب آملی اور ابو طالب کلیم کی طرح سید قاسم حاجی پوری کہیں باہر سے ہجرت کر کے یہاں نہیں بسے تھے بلکہ ان کے آبا و اجداد پشتہا پشت سے اس ملک میں رہتے چلے آئے تھے یہی وجہ ہے کہ جو خلوص اور زور بیان ہندوستان کی چیزوں کی تعریف و توصیف میں ان کے یہاں موجود ہے وہ اور دوسرے شعراء کو میسر نہیں۔ اس طرح ہم دیکھتے ہیں کہ علامہ شبلی کا یہ الزام کہ فارسی شاعری میں ہندوستانی ماحول کی باتیں نہیں ملتیں، جزدی طور پر صحیح ہو تو ہو مگر کلی طور پر درست نہیں۔

۶۶ عمرؓ نے فرمایا۔ تم اللہ کی کتاب کے مٹکے (گونی) اور دانش کے چشمے (ہم پوتے) بنو۔ اللہ سے روز کی روزی روز مانگو۔ اگر وہ زیادہ سودمند نہ ہو تو اس میں تمھارا زیاں بھی نہیں۔

البیان والتبیین ج ۲ ص ۳۰۳ نیز ج ۳ ص ۲۸۹

۶۷ عمرؓ جب کوئی غلام خریدتے تو یہ دعا کرتے: یا اللہ! یہ مجھے اس طرح عنایت فرمائیے کہ وہ امانت دار، خیرخواہ و سچا ہو اور اس کی عمر دراز ہو۔

البیان والتبیین ج ۲ ص ۳۲۱

۶۸ عمرؓ جب کسی کو حکومت کا کوئی عہدہ دیتے تو فرماتے: حکومتی کام (عہدہ داری) ایک بھٹی ہے دیکھو! تم اس سے کس طرح نکلتے ہو۔

البیان والتبیین ج ۲ ص ۳۲۱

تشریح: جس طرح کسی اعلیٰ دھات کا کھرا یا کھوٹا ہونا موس میں ڈالنے سے معلوم ہو جاتا ہے۔ اسی طرح بااقتدار ہونے پر عہدہ دار کا بدکار یا پرہیزگار ہونا ظاہر ہو جاتا ہے۔

۶۹ عمرؓ نے فرمایا: تیرانداز سوار کی قوت اس وقت تک نہیں ٹوٹتی جب تک وہ کمان کا چلہ کھینچتا اور گھوڑے پر کود کر سوار ہوتا رہے۔

البیان والتبیین۔ ج ۳ ص ۲۳

ملحوظہ: درج بالا اثر کی تشریح جاحظ نے یوں کی ہے: ایک تیرانداز کی طاقت اس وقت تک کام دیتی رہتی ہے جب تک کہ وہ کمان کا چلہ (میدان جنگ کے علاوہ بھی بطور مشق) کھینچتا رہے۔ (مشق و ممارست سے جسم کو سختی برداشت کرنے کی عادت ہو جاتی ہے) اور گھوڑے پر سوار ہو تو رکاب میں پاؤں ڈالے بغیر اچک کر سوار ہو تو پھرتی و چستی باقی رہتی ہے۔ (یہ جہادی زندگی کے لئے نہایت ضروری ہے)۔

۷۰ عمرؓ نے فرمایا: راحت ایک بندھن ہے کہ یہ آدمی کو بےکار کر دیتا ہے موٹاپے سے خبردار رہو کہ یہ بھی آدمی کو سست بنا دیتا ہے۔

اگر عرب قبیلوں میں دشمنی ہو اور وہ مدد کے لئے اپنے اپنے اہل قبیلہ کو پکاریں۔ آؤ بھائیو! (ہمارے دشمن کے خلاف) ہماری مدد کرو تو تم یقین کر لو کہ یہ بلاوا شیطان کا بلاوا ہے۔ ان پر تلوار چلاؤ تا آں کہ وہ اللہ کے حکم کی طرف پلٹ آئیں اور ان کی پکار اللہ اور امام کی طرف ہو (شریعت۔ قانون کو اپنے ہاتھ میں نہ لے لیں بلکہ مقتدر۔ حاکم سے اللہ کا فیصلہ نافذ کرنے کی درخواست کریں)

امیر المومنین کو اطلاع ملی ہے کہ بنو ضبہ اپنے بھائی بندوں کو آواز دیتے ہیں۔ میں اللہ کی قسم کھا کر کہتا ہوں کہ اللہ نے انھیں اس پکار کے ذریعہ کبھی کسی بھلائی کو نہیں ابھارا اور نہ اس کے وسیلہ کبھی کسی برائی کو روکا۔ جب تمھیں میرا یہ مراسلہ ملے تو فہمائش کے بعد بھی سمجھ نہ آئی تو انھیں سزا دو۔ بنو ضبہ سے غیلان ابن فرشتہ کو اپنے مصاحبوں میں شامل رکھو۔

بیماروں کے پاس جایا کرو۔ جنازوں میں شرکت کیا کرو۔ ہر کس وناکس کے لئے اپنا دروازہ کھلا رکھو۔ اور ان کے معاملہ میں بذات خود دلچسپی لو۔ (یہ نہ بھولو کہ) تم بھی انھیں میں سے ایک ہو الا یہ کہ اللہ نے بہ نسبت ان کے تم پر زیادہ بوجھ ڈالا ہے۔

امیر المومنین کو معلوم ہوا ہے کہ تمھارے اہل خانہ کے لباس خوراک اور سواری میں ایسی آن بان ظاہر ہونے لگی ہے جو عام مسلموں کے لئے نہیں ہے۔ عبداللہ خبردار رہو! تمھاری حالت کہیں اس چرندہ کی سی نہ ہو جائے جو کسی سرسبز میدان سے گزرا تو موٹا ہونے کے سوا اس کا کوئی مقصد ہی نہیں رہا۔ حال آں کہ اس کی موت اس کے موٹاپے ہی میں ہے۔ اچھی طرح جان لو کہ حکم راں کو اللہ کی طرف پلٹ کر جانا ہے۔ فرماں روا اگر کج روی اختیار کرے تو اس کے زیر فرماں لوگ بھی ٹیڑھی چال چلنے لگتے ہیں۔ سب سے زیادہ بدبخت وہ شخص ہے جس کے سبب اس کے زیر فرمان لوگ بھی بدبخت ہو جائیں۔ والسلام۔

البیان والتبین۔ ج ۲ ص ۲۹۳

۷۳۔ اصمعی اپنے شیخ عمری سے روایت کرتے ہیں

عمرؓ دائیں ہاتھ سے اپنے گھوڑے کا دایاں کان پکڑتے۔ اپنا پورا جسم اکٹھا کر (سکیڑتے) پھر اچھل کر سوار ہو جاتے تو (گھوڑے کی پیٹھ پر اس طرح جم جاتے کہ) معلوم ہوتا گویا آپ گھوڑے کی پیٹھ ہی کے لئے پیدا کئے گئے ہیں (اسی کی پیٹھ پر پیدا ہوئے ہیں)

البیان والتبین ج ۳ ص ۲۴

۷۴۔ عمرؓ نے عُمیر بن سعد کو حمص واقع شام کا والی مقرر کیا تھا۔ ایک مرتبہ وہ دار الخلافہ آئے۔ اس وقت ان کے ساتھ ایک تھیلی، ایک چرمی کوزہ، لکڑی کا ایک لگن اور ایک لاٹھی تھی۔ ان کے سوا اور کوئی سامان نہیں تھا۔

عمرؓ نے عُمیر سے پوچھا: یہ خستہ حالی کیوں؟ یہ بناوٹ تو نہیں؟

عُمیر: آپ مجھ میں کیا خستہ حالی پاتے ہیں؟ کیا میں تندرست نہیں ہوں؟ میرے ساتھ تو دنیا اور جو کچھ اس میں ہے وہ سب کچھ موجود ہے۔

عمرؓ: تمھارے ساتھ دنیا کی کیا کیا چیزیں ہیں؟

عمیر: میرے ساتھ تھیلی ہے۔ اس میں میری خوراک رہتی ہے۔ میرے ساتھ لگن ہے۔ اس میں اپنے کپڑے دھو لیتا ہوں۔ میرے ساتھ کٹورا ہے۔ اس میں میرے پینے کا پانی رہتا ہے۔ میرے ساتھ لاٹھی (سونٹا) ہے۔ اگر دشمن سے مڈبھیڑ ہو تو اس سے اس کا مقابلہ کروں گا۔ اور اگر سانپ آڑے آجائے تو اسی سے اس کا سر کچل دوں گا۔ اب دنیا میں جو کچھ باقی رہ گیا وہ سب اسی کے تابع ہے جو میرے ساتھ ہے۔

البیان والتبین۔ ج ۳ ص ۴۳

ملحوظہ: خبر میں اس سے زیادہ کچھ اور نہیں ہے۔ عمرؓ نے غالباً تحسین فرمائی ہوگی۔

۷۵۔ عمرؓ کے دورِ خلافت میں ایک سال بارش بالکل نہیں ہوئی۔ اس وقت کعب بن

اور بروایتے: تن آسانی سے خبردار۔ یہ فرائض سے بے پروائی ہے۔

البیان والتبین ج ۳ ص ۲۳

و باختلاف البخلاء ج ۲ ص ۷۸

۷۱ شام و فارس و مصر جیسے شاداب علاقے عرب مسلموں کے قبضہ میں آگئے تو عمرؓ نے دیکھا کہ مہاجرین وانصار اپنی معاشی ومعاشرتی زندگی میں آسائش وکشادگی اختیار کرتے جا رہے ہیں۔ ان کی اکثریت غیرعرب باشندوں کی سی راحت خیز زندگی بسر کرنے کی فکر میں لگی ہوئی ہے۔ اس صورت حال کے پیش نظر عمرؓ نے فرمایا: اے اہل عرب! تم اپنے جدّ اعلیٰ سعد بن عدنان (رسول اللہ صلعم کی ۱۹ ویں پیڑھی) کی طرح اکھڑ و سادہ زندگی اختیار کرو۔ رکاب کاٹ دو اور گھوڑے پر اچک کر سوار ہوا کرو۔

البیان والتبین ج ۳ ص ۲۴

البخلاء ج ۲ ص ۷۸ و ۷۹

۷۲ عمرؓ نے مسلموں کو خطاب کرکے فرمایا: (یا لکھا)

تم اپنے اونٹوں کو پتھریلی زمین میں چلایا کرو۔ اِن کے تلوے چھل جانے پر بھی انھیں بھاگنے کے قابل بناؤ اور تم خود موزے نہیں بلکہ صرف تسمے کی جوتیاں پہنا کرو نہیں معلوم کب دشمن اچانک آپڑے تو پیچھے پلٹتے ہوئے دوڑنے یا لیکایک دشمن پر ہجوم کرنے کی نوبت آجائے۔

یا بروایتے: ننگے پیر چلا کرو۔ نہیں معلوم دشمن کا پیچھا کرنے کے لئے تم کو لیکایک کب دوڑنا پڑے یا اچانک حملہ ہو جائے تو عارضی طور پر پسپا ہونے کی نوبت آجائے۔

البیان والتبین ج ۳ ص ۲۴

البخلاء ج ۲ ص ۷۹

لئے بارش برسائیے۔

۷۶ عمرؓ فرمایا کرتے تھے : اگر صبر و شکر دونوں بمنزلہ سواری ہوں تو مجھے اس کی پرواہ نہیں کہ میں کونسی سواری اختیار کروں۔

البیان والتبین ج ۳ ص ۲۱۶

نیز البخلاء ج ۲ ص ۷۸

۷۷ ابوسعید حسن بصری نے کہا : عمر بن خطابؓ نے فرمایا : اللہ اس شخص پر رحم کرے جس نے ہماری برائیاں ہم تک پہنچائیں (ہمیں ہماری برائیوں سے واقف کرایا) اب جواب کی تیاری کرو کیوں کہ یقیناً تم سے سوال کیا جائے گا (کہ تم نے اپنی اور دوسروں کی برائیاں دور کرنے میں کیا کوشش کی)

مومن دین کا راستہ (اپنے طرز عمل) اپنی رائے سے نہیں بلکہ اس کو اپنے پروردگار کی ہدایت سے اختیار کرتا ہے۔ یہ حق وہی ہے جس نے اس پر قائم رہنے والوں کو دبلا کر دیا (فکر پر مائل کیا اور عمل پر ڈالا) اور ان کے اور ان کی خواہشوں کے درمیان آڑ بن گیا (حائل ہو گیا)

(اللہ کے دین پر) وہی صبر کرتا ہے جو اس کی فضیلت (اس کا خیر، مفید و حسین ہونا) جانتا اور اس کے اچھے نتائج کی امید رکھتا ہے۔ جس نے دنیا کی حمد کی اس نے آخرت کی مذمت کی۔ وہی شخص اللہ کی ملاقات سے کتراتا ہے جو اس کی ناراضی پر قائم ہے۔

آدم کے فرزندو ! ایمان خوشنمائی ودیدہ زیبی یا ارمانیں یا آرزوئیں نہیں ہے۔ ایمان وہ ہے جو دلوں میں پیوست اور عمل اس کی توثیق وتصدیق کرے۔

البیان والتبین ۔ ج ۳ ص ۱۳۴

۷۸ حسن بصری کہتے ہیں : عمرؓ نے فرمایا : مانگنے والے دو طرح کے ہوتے ہیں۔ ایک مانگنے والا تو وہ ہے جو دنیا مانگتا ہے۔ تم دنیا کو اس کے گلے میں ڈال دو (سینہ

ماتع حمیری (متوفی سنہ ۳۲ھ) نے عمرؓ سے کہا : امیرالمومنین ! جب بنو اسرائیل پر خشک سالی کی بپتا پڑتی تو نبیوں کے رشتہ داروں کو ساتھ لے کر اللہ کی جانب رجوع ہوتے او پانی کے لئے دعا کرتے تھے۔ (مناسب ہے کہ آپ بھی ایسا کریں)۔

کعب کے اس مشورہ کی بنا پر عمرؓ نے رسول اللہ صلعم کے چچا عباس بن عبد المطلب بن ہاشم بن عبد مناف کو اپنے ساتھ لے کر اللہ سے بارش کی دعا کی۔

یہ اس طرح کہ آپ عباس کا ہاتھ تھامے ہوئے منبر پر چڑھے۔ دعا کی اور گناہوں سے معافی چاہنے کے علاوہ کچھ نہیں کہا (اور نہ کچھ کیا)۔

اس پر لوگوں نے کہا : آپ نے بارش کے لئے دعا نہیں کی۔ اللہ سے صرف گناہوں کی بخشش چاہی ؟

عمرؓ نے کہا : میں نے تو جاہلی دور کے باطل عقیدہ سے اللہ کی پناہ مانگ کر بارش کی درخواست کی ہے۔

بقول جاحظ اس سے عمرؓ کا اشارہ تنزیل کے سورۂ نوح کی ۱۱ ویں آیت کی طرف تھا۔ آیت کا ترجمہ ہے : تم اپنے پروردگار سے گناہ بخشواؤ۔ بے شک وہ بڑا بخشنے والا ہے۔ تمھارے لئے بکثرت بارش برسائے گا۔

جاہلی دور میں لوگوں کا خیال تھا کہ چند ستارے ہیں جو بارش برساتے ہیں۔ ایسے ستارہ کو مجدح کہتے ہیں۔

البیان والتبین ج ۳ ص ۵۹ د ۲۷۹

ملحوظہ : درج بالا واقعہ صحیح البخاری کتاب ۱۵ ۔ الاستسقار ۔ باب ۳ اور کتاب ۶۲ ۔ فضائل اصحاب النبی صلعم باب ۱۱ میں اس طرح ہے : یا اللہ ہم اپنے نبی (صلی اللہ علیہ وسلم) کے ذریعہ آپ کا تقرب حاصل کیا کرتے تھے اور آپ ہمارے لئے بارش برساتے اور اب ہم ہمارے نبی (صلی اللہ علیہ وسلم) کے چچا کے ذریعہ آپ کا تقرب حاصل کرتے ہیں۔ پس ہمارے

یہ (کلام اللہ) حق ہے۔ یہ (بظاہر) گراں بار و کڑوا معلوم ہوتا ہے (مگر اس کا نتیجہ نوز و فلاح ہے) اور باطل خفیف اور زود اثر معلوم ہوتا ہے (مگر اس کا نتیجہ ناکامی و نامرادی ہے)

توبہ کے ذریعہ غلطی کے ازالہ کی کوشش سے بہتر یہ ہے کہ غلطی ہی سے اجتناب کیا جائے۔ بسا اوقات کسی شئے پر صرف ایک ہی نظر نفسانی خواہش کو جنم دے دیتی ہے ور گھڑی بھر کی ایک خواہش انسان کو مدت دراز تک دل ریش و رنجیدہ رکھتی ہے۔

البیان و التبین۔ ج ۳ ص ۱۳۸

۸۰ عمرؓ نے ایک شخص کو یہ نصیحت فرمائی: ایسا نہ ہو کہ لوگ (تعریف سے) تم کو اپنے نفس سے بھڑکی (بھلادے) میں ڈال دیں۔ جو کچھ حکم ہے وہ ان پر نہیں تم پر چلے گا۔ دن بے پروائی سے مت گذارو۔ کیونکہ جو کچھ تم نے کیا ہے وہ اس کو محفوظ رکھنے والا ہے۔ اگر (کسی وقت) تم نے کچھ برائی کی ہے تو (فوراً) کچھ بھلائی (بھی ضرور) کرو۔ پرانی برائی دور کرنے میں میں نے نئی بھلائی سے زیادہ مطلوب تر و زود اثر شے کوئی اور نہیں دیکھی۔

البیان و التبین ج ۳ ص ۱۴۳

۸ عمرؓ کا گزر ایک مجمع کی طرف ہوا۔ یہ بیٹھے آپس میں (باتیں کرتے ہوئے) اپنے اپنے ارمان بیان کر رہے تھے۔ جب آپ کو دیکھا تو خاموش ہو گئے۔

عمرؓ نے پوچھا: تم لوگ کیا باتیں کر رہے تھے (کیا شغل تھا)

لوگوں نے کہا: اپنے اپنے ارمان بیان کر رہے تھے!

عمرؓ: (اچھا تو ٹھیک ہے) اپنے اپنے ارمان بیان کرو۔ میں بھی تمہارا ساتھ دوں گا۔

لوگوں نے کہا: آپ ہی اپنی تمنا ظاہر فرمائیے (تو مناسب ہے)

کے اوپر کے حصہ پر پھینک دو) کیوں کہ اکثر ایسا ہوتا ہے کہ اس نے دنیا سے جو چیز مانگی لیکن اس سے جو کچھ ملا اسی سے اس کی موت واقع ہوئی۔ اور کبھی ایسا ہوتا ہے اس نے دنیا سے جو کچھ حاصل کرنا چاہا وہ اس کو نہیں ملا۔ اور جو نہیں ملا وہی اس کی ہلاکت کا سبب ہوا۔

ایک مانگنے والا وہ ہے جو آخرت مانگتا ہے۔ جب تم آخرت مانگنے والے کو دیکھو تو پھر تم (طلبِ آخرت میں) اس سے آگے بڑھنے کی کوشش کرو۔

البیان والتبیین ج ۳ ص ۱۳۷ و ۱۳۸

۷۹ ایک مرتبہ عمرؓ نے خطاب عام میں کہا: لوگو! سنو!! مجھ پر ایسا وقت آتا ہے جب میں خیال (= یقین) کرتا ہوں کہ جس شخص نے قرآن پڑھا وہ اس کے ذریعہ اللہ اور جو کچھ اللہ کے یہاں ہے ان کا طلب گار رہا۔ مجھے فی الواقع ایسا خیال گزرا ہے کہ لوگ قرآن کو اسی لئے پڑھتے ہیں کہ اس کے ذریعہ وہ سب کچھ حاصل کریں جو اللہ کے یہاں ہے۔ تم قرآن خوانی کے ذریعہ اللہ کے طلب گار ضرور رہو اور اپنے اعمال کے ذریعہ بھی اسی کے طالب رہو۔

ہم تم کو اس وقت سے جانتے ہیں جب کہ وحی نازل ہوتی تھی۔ اور رسول اللہ صلعم ہم میں موجود تھے۔ اب وحی کا نزول بند ہوگیا۔ اور رسول اللہ صلعم گزر گئے۔ اب میں تم سے اسی طرح واقف ہوں جیسا کہ میں نے کہا۔ آگاہ رہو جس نے ہم سے بھلائی ظاہر کی ہم اس کے متعلق اسی طرح نیک گمان رہیں گے اور اس کی ستائش کریں گے۔ اور جس نے ہم سے برائی ظاہر کی ہم بھی اس کے متعلق اسی طرح بدگمان رہیں گے اور برائی کے سبب اس سے بیزار رہیں گے۔

ان (نفوس) جانوں کو ان کی ناروا خواہشوں سے روکو کیوں کہ انھیں (ہمیشہ) اپنی خواہشوں کا لپکا لگا رہتا ہے۔ اگر تم اپنی جانوں کو ان ناروا خواہشوں سے نہیں روکو گے تو وہ تم کو بدانجامی کی انتہا تک پہنچا دیں گے۔

عالمی اسلامی کانفرنس
عراق میں نوروز

۴

مولانا مفتی عتیق الرحمٰن صاحب عثمانی

دیگر فضائل کے علاوہ حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ کے لئے یہ شرف ہی کیا کم ہے کہ بڑے بڑے اصحاب کرام اور اجلّہ خلفاء کی موجودگی میں بھی یہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے رازدارِ خاص تھے، تمام صحابہ ان کو "صاحب سرّ رسول اللہ" کے لقب سے یاد کرتے تھے، یہ ہمرازی اور رازداری کیا تھی اور یہ لقب ان کو کیوں ملا تھا، عام روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ منافقوں، ان کے نسب ناموں اور ان کے مکر و خداع کے پیچ و خم سے حذیفہ سب سے زیادہ باخبر تھے، اس خاص کام میں حضور نے انہی کو اپنا ہمراز بنا رکھا تھا اور ان کو منافقین کے رازہائے سربستہ سے آگاہ فرمایا کرتے تھے، ان کی اسی خصوصیت کا اثر تھا کہ فاروق اعظم نے اپنے عہد خلافت میں ان سے دریافت کیا "فی عمالی احدٌ من المنافقین؟ قال نعم واحد، قال من ھو، قال لا اذکرہ، قال حذیفۃ نعزلہ، کانما دل علیہ" یعنی فاروق اعظم نے حذیفہ سے دریافت کیا "میرے عاملوں میں کوئی منافق تو نہیں ہے؟" حذیفہ نے جواب دیا "ہاں ایک ہے" پوچھا وہ کون ہے، حذیفہ نے کہا "اس وقت نہیں بتاتا"، حذیفہ کا بیان ہے کہ عمر فاروق نے بہرحال اس شخص کو معزول کر دیا، خلیفۂ ثانی ایسے جنازے میں بھی شریک نہیں ہوتے تھے جس میں حذیفہ نہ ہوں، یہی خلش رہتی تھی کہ حذیفہ کی عدم شرکت کے کوئی معنی ہیں، اسی لیے کبھی کبھی مجمع سے برملا دریافت کرتے تھے "حذیفہ بھی موجود ہیں یا نہیں؟" حذیفہ نہ ہوتے

عمرؓ: میری تمنا ہے کہ اس گھر میں جتنے لوگ سما سکیں وہ سب کے سب ابوعبیدہ عامر بن جراح فہری اور ابوحذیفہ بن عتبہ بن ربیعہ بن عبدشمس کے غلام سالم جیسے ہوں۔
سالم اللہ کی محبت میں شدید تھے۔ اگر وہ اللہ سے نہ ڈرے ہوتے تو بھی اس کی نافرمانی نہ کرتے۔

ابوعبیدہ کے متعلق رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے: ہر اُمت کا ایک امین ہوتا ہے اور اس امت کے امین ابوعبیدہ بن الجراح ہیں۔

البیان والتبیین ج ۳ ص ۱۵۰

۸۲ جریر بن عبدالحمید بن قرط اپنے شیخ عطار بن سائب سے روایت کرتے ہیں کہ: عبدۃ بن ہلال ثقفی نے کہا: مجھ پر کبھی کوئی ایسی رات نہ گزرنے پائے کہ میں سوتا رہوں اور نہ مجھ پر کوئی ایسا دن گزرنے پائے کہ میں اس میں کچھ کھاؤں۔
(یعنی رات بھر نماز کروں اور دن بھر روزہ رکھوں)
عبدۃ کا یہ قول عمرؓ تک پہنچا تو آپ نے سزا دینے کا ارادہ کیا۔
(اس دھمکی سے وہ اتنے متاثر ضرور ہوئے کہ) دونوں عیدوں اور بعد کے تین دنوں میں روزہ ترک کر دیا کرتے تھے۔

البیان والتبیین ج ۳ ص ۱۵۶

(باقی)

دیر مسجد کے امام صاحب کے پاس بیٹھے، امام صاحب سنجیدہ اور باوقار عالم دین ہیں، ان سے باتیں کرنے کو جی چاہتا تھا لیکن اندھیرا ہوگیا تھا اور ہمارے گائڈ اور لائق انجینیر شیخ محمد شامل اور ہندوستانی سفارت خانے کے ٹرانسلیٹر مولوی عبدالودود صاحب اعظمی کا اصرار تھا کہ جلد آگے بڑھیں، مولوی عبدالودود صاحب فاضل دیوبند بھی ہیں اور عربی ایم اے بھی، نہایت ذہین اور تیز نوجوان ہیں اور مجھ سے مخلصانہ علاقہ رکھتے ہیں، پہلے دہلی میں وزارتِ خارجہ کے دفتر میں تھے، پھر سعودی عرب کے ہندوستانی سفارت خانے میں رہے، ان دنوں عراق کے ہندوستانی سفارت خانے میں ہیں اور انگریزی سے عربی میں اور عربی سے انگریزی میں ٹرانسلیشن کا کام کرتے ہیں، اسی کے ساتھ اور بھی بہت سے کام انجام دیتے ہیں، ان کا شمار سفارت خانے کے لائق اور مقبول کارکنوں میں ہوتا ہے، قیام بغداد کے دنوں میں برابر میرے پاس آتے رہے اور ان سے اور ان کے ایک غیر مسلم ساتھی سے جو تامل کے علاقے کے ہیں (افسوس ہے ان کا نام اس وقت حافظے میں نہیں ہے) بہت سے کاموں میں مدد ملی ۔ ہمارے آج کے پروگرام میں "طاقِ کسریٰ" کا معائنہ بھی شامل تھا، شیخ محمد شامل نے بتایا کہ "طاق" یہیں سامنے ہے، اگرچہ رات ہوگئی تھی لیکن اس غیر معمولی تاریخی عمارت اور اس کے کھنڈروں کا دیکھنا بھی ضروری تھا، ہم لوگ مسجد کے احاطے سے باہر آکر موٹر پر سوار ہی ہوئے تھے کہ "طاقِ کسریٰ" کے نیچے پہونچ گئے، اس پر ہیبت اور عظیم الشان اجڑی ہوئی محراب کا نظارہ جس سمت سے زیادہ صاف اور کھلا ہوا ہوسکتا تھا اندھیرے کی وجہ سے ہم وہاں نہیں گئے اور جاکر بھی کیا کرتے کہ مقصد نظارہ نہیں. عبرت پذیری تھا اور اس کے لیے ہمیں کہیں جانے کی ضرورت نہیں تھی، میرے سامنے اس وقت جغرافیہ کی کوئی کتاب نہیں ہے اور سچی بات یہ ہے کہ کسی کتاب کے مطالعہ کی فرصت بھی نہیں ہے ورنہ فتوح البلدان بلاذری کا اور معجم البلدان یاقوت حموی کا مطالعہ کرتا اور اس محل کے کھنڈروں کے دروبست کی نشان دہی کرتا، یہ بظاہر اس قصرِ ابیض کی محراب کا ایک ٹکڑا ہے جس کے مفتوح ہونے کی بشارت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دی تھی، ہم اس ٹوٹی ہوئی محراب کی بلندی اور قدامت کو دیکھکر اوراقِ ماضی میں گم ہوگئے اور مسلمانوں کی عظمتِ رفتہ کا نقشہ سامنے آگیا۔ ابھی لوٹ ہی رہے تھے کہ شیخ محمد شامل نے بتایا ۔ یہاں

تو اس جنازے کی نماز میں شریک نہ ہوتے تھے، ایک دفعہ حضرت عمر نے ایک خاص عالم کیف میں ساتھیوں سے فرمایا کسی چیز کی تمنا کرو، ساتھیوں نے ایسے گھر کی تمنا کی جو سونے چاندی اور جواہرات سے بھرا ہوا ہو اور وہ اس کو اللہ کے راستہ میں خرچ کریں، عمر فاروق نے والہانہ انداز میں فرمایا لیکن میں ابو عبیدہ، معاذ بن جبل اور حذیفہ بن الیمان جیسے انسانوں کی آرزو اور تمنا کرتا ہوں کہ ان کو خدمتِ خلق کے لیے ذمہ دارانہ عہدوں پر مقرر کروں اور وہ احکام خداوندی کی اطاعت بجا لائیں۔ اس کیف آور گفتگو کے بعد خلیفۂ امت نے حضرت ابو عبیدہ کے پاس کچھ مال بھیجا اور کہا دیکھو یہ اس مال کا کیا کرتے ہیں، ابو عبیدہ نے وہ مال ضرورت مندوں میں تقسیم کر دیا، اسی طرح حضرت حذیفہ کے پاس ایک رقم بھیجی اور کہا دیکھو وہ اس رقم کو کس مصرف میں لاتے ہیں، حذیفہ نے ساری رقم حاجت مندوں کو دے دی، اب حضرت عمر کو یہ کہنے کا موقع ملا "سوچو میں نے تم سے کیا کہا تھا"۔ نہاوند کے مشہور و معروف معرکے میں حضرت نعمان بن مقرن کی شہادت کے بعد امیر الجیش حذیفہ ہی بنائے گئے اور ہمدان، رے اور دینور انہی کے ہات پر فتح ہوئے، فاروق اعظم نے اپنے زمانۂ خلافت میں حضورؐ کے اسی ہمراز خادم کو مدائن کا عامل بنا کر بھیجا تھا، حذیفہ مدائن پہونچے تو شہر کے عوام نے ان کا پرجوش استقبال کیا اور خلیفہ کی ہدایت کے مطابق ان سے دریافت کیا "جس چیز کی ضرورت ہو بتائیے" مدائن کے اس افسرِ اعلیٰ نے کہا "مجھے صرف معمولی کھانے اور اپنے گدھے (سواری) کے لیے گھاس کی ضرورت ہے، جب تک تمھاری خدمت کے لیے یہاں ہوں میری ضرورت صرف یہی ہے، ایک زمانے کے بعد امیر المومنین نے ان کو بلا بھیجا، حذیفہ مدینہ کے لیے روانہ ہوئے اور امیر المومنین کو ان کی آمد کی خبر ہوئی تو راستے میں کہیں چھپ کر بیٹھ گئے، "عاملِ مدائن" کو جب اسی حالت میں دیکھا جس حالت میں عامل مقرر کرتے وقت اپنے سے جدا کیا تھا تو بے اختیارانہ ان کو لپٹ گئے اور کہا "انت اخی وانا اخوک"۔

ذکر سلمان پاک اور ان دو بلند پایہ اصحاب رسول اللہ کے مزارات پر حاضری کا چل رہا تھا، اسی خطے میں بعض تابعین اور دو اہل بیت کرام کے مزارت بھی ہیں، ان مزارات پر بھی فاتحہ پڑھی اور تھوڑی

اور اس میں ملوث ہونے سے تمہارے حالات تبدیل ہوجائیں اور صدق و اخلاص کی یہ شان باقی نہ رہے
اللہ تعالٰے کی خوشنودی کے لئے کچھ کر جاؤ، میں نے تو فیصلہ کر لیا ہے کہ گھوڑوں کو دریا میں ڈال دوں
اور اسی حالت میں دریا کو پار کروں، آپ کا یہ تمام کا تمام لشکر سواروں کا تھا اس میں پیادے نہیں
تھے، سب نے یک زبان ہو کر جواب دیا کہ ہم دل وجان سے حاضر ہیں اور آپ کے حکم کے تابع ہیں،
اللہ تعالٰے آپ کے ارادے میں برکت عطا فرمائے، آپ نے حکم دیا کہ پہلے کچھ سوار آگے بڑھ کر
پرلے کنارے پر قبضہ کرلیں، عاصم بن عمر اور ذو الباس چھ سو سواروں کو لے کر دریا میں کود گئے
اور معمولی مزاحمت کے بعد کنارے پر قبضہ ہوگیا، اس کے بعد حضرت سعدؓ نے حکم دیا کہ پورا لشکر
دریا میں داخل ہوجائے اور یہ کلمات وردِ زبان رکھے " نستعین باللہ ونتوکل علیہ حسبنا
اللہ ونعم الوکیل، واللہ لینصرن اللہ ولیہ ولیظھرن دینہ ولیھزمن عدوہ ولا قوۃ
الا باللہ العلی العظیم" دریا عبور کرتے وقت لشکر کی ترتیب اس طرح رکھی گئی تھی کہ دو دو شخص باہم
ملے ہوئے اور باتیں کرتے ہوئے جائیں، حضرت سعدؓ کے رفیق حضرت سلمان فارسیؓ تھے، حضرت
سعد بار بار ان کلمات کو دہرا رہے تھے، حضرت سلمان نے فرمایا اسلامی لشکر جس طرح داخل ہوا ہے
اُسی طرح پار ہوگا، طبری اور ابن الاثیر کے بیان کے مطابق ساٹھ ہزار شہسواروں کی یہ فوج تیز و تند
دریا میں پھیلی ہوئی تھی اور ساتھی ایک دوسرے سے اس طرح باتیں کرتے جاتے تھے گویا باغ کی
روشوں پر چہل قدمی کر رہے ہیں، تاریخ گواہ ہے کہ ان لشکریوں میں کوئی شخص غرق ہوا، نہ کسی کی
کوئی چیز ضائع ہوئی، صرف ایک شخص جن کا نام عرقدہ تھا گھوڑے سے پانی میں گرے، ان کے ساتھی
تعقاع نے انھیں فوراً نکال لیا، دریا کو ایسی طغیانی کی حالت میں ہزاروں سواروں کا اس طرح اطمینان
وسکون سے باتیں کرتے ہوئے پار کرلینا ایک عجیب وغریب بات تھی، گھوڑے اگرچہ دریا میں تیر سکتے
ہیں مگر اتنے گہرے اور وسیع وعریض دریا کو جس میں عام حالات میں بھی جہاز چلتے ہوں جوش و
طغیانی کی حالت میں پار کرنا گھوڑوں کی طاقت سے باہر اور عام عادت کے خلاف تھا، اسی وجہ سے
اہلِ مدائن نے اس حد درجہ غیر معمولی حالت کو دیکھا تو شہر خالی کر کے چلے گئے۔ ایک عرب شاعر نے تائیدِ غیبی

سے چالیس، پچاس کیلومیٹر کی مسافت پر دریائے دجلہ کا وہ حصہ بھی ہے جس میں زبردست طغیانی کے باوجود حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ نے اپنے گھوڑا سوار لشکر کو دریا پار کرنے کا حکم دیا تھا شیخ شامل کا یہ کہنا تھا کہ میرے سامنے تاریخ عالم کے اس لاثانی واقعہ کی پوری تفصیل آگئی اور کچھ دیر تک ہم سب اس واقعہ کا تذکرہ کرتے رہے، رات کا وقت نہ ہوتا اور پروگرام کی بندش نہ ہوتی تو دجلہ کے اس مقدس کنارے کو ضرور دیکھنے جاتے لیکن ہمیں تو ابھی بغداد واپس ہونا تھا اور صبح کے دورے طے شدہ پروگرام تھے، اب جب کہ ہمارے گائڈ نے یہ واقعہ یاد ہی دلادیا ہے تو آپ بھی اس کا ضروری خلاصہ سنتے جائیں۔ حضرت سعد بن ابی وقاص عراق فتح کرکے قادسیہ کے زبردست معرکے سے فارغ ہوچکے تو فارس کے دارالحکومت مدائن کا قصد کیا، دجلہ کی مشرقی جانب میں مدائن واقع تھا جس کو مدائن قصوی بھی کہتے تھے اور غربی جانب میں بھرسیر تھا جس کو مدائنِ دنیا کہتے تھے۔ قصوی کے معنی بعید اور دنیا کے معنی قریب کے ہیں، مسلمان دریائے دجلہ کی غربی جانب سے آرہے تھے اس لیے پہلے ان کے راستے میں بھرسیر آتا تھا اور اسی وجہ سے اس کو مدائن دنیا کا لقب دیا، مدائن دوسرے کنارے پر تھا اس لیے اس کو مدائن قصوی کا نام دیا گیا۔ حضرت سعد دجلہ کی جانب غرب کو فتح کرتے ہوئے بھرسیر تک پہونچ گئے اور دریا کی غربی جانب میں سرزمین عرب تک جتنا فارس کا ملک تھا مسلمانوں کے قبضے اور اطاعت میں آگیا تھا صرف خاص بھرسیر باقی رہ گیا تھا جس کا محاصرہ دو مہینے تک جاری رہا، محصورین نے پریشان ہوکر حضرت سعد کی خدمت میں پیغامِ صلح بھیجا۔ آخر کار بھرسیر کا گورنر شہر کے باشندوں اور لشکر کو لے کر مدائن چلا گیا، اب مدائن کی مہم سامنے تھی، اہل فارس نے دجلہ کے ساحل سے تمام کشتیاں ہٹادیں اور دریا پار کرنے کی کوئی صورت نہ رہی، بارش کی کثرت سے عام طور پر دریاؤں میں طغیانی زیادہ تھی، حضرت سعدؓ اسی تردد میں تھے کہ دجلہ کی طغیانی اور بڑھ گئی اور اس کے پھیلاؤ کی انتہا نہ رہی، مسلمان یہ حالت دیکھکر حیران وپریشان تھے کہ حضرت سعدؓ کو خواب میں دکھایا گیا "مسلمان دجلہ میں داخل ہوگئے ہیں"، خواب نے آپ کو ادھر متوجہ کردیا اور آپ نے لشکر کے سامنے یہ تقریر کی، دشمن نے دریا کی طغیانی میں پناہ لے رکھی ہے، تم اس پر حملہ نہیں کرسکتے، وہ جب چاہے حملہ کرسکتا ہے، میری رائے یہ ہے اس سے پہلے کہ دنیا تم پر غالب آئے

نمرود کے غرورِ الوہیت کی باتیں یاد آگئیں، اور میں غور کرتا رہا کہ سائنس کی ترقی دو قدم اور آگے بڑھ گئی تو فضا ابراہیمؑ و نمرود کے مکالمے کو کس طرح روئے زمین پر پھیلائے گی، آج کا پروگرام نہایت مصروف تھا، نجف کے "دار العلوم الاسلامیہ" میں ۱۰ بجے سے اجلاس کی کارروائی شروع ہونے والی تھی — مگر ہمیں راستے ہی میں گیارہ بج گئے تھے، اسی ہماہمی میں کوفہ کی شہرۂ آفاق مسجد "جامع کوفہ" پہونچے، اس طرح کے غیر معمولی تاریخی مقامات و آثار دیکھ کر جذبات کی ایک عجیب کیفیت ہوجاتی ہے، ہماری بھی ہوئی، لیکن ابھی صحنِ مسجد کا فاصلہ طے کرکے محراب علی تک پہونچے ہی تھے کہ واپسی کا تقاضا شروع ہوگیا، "جامع کوفہ" کی حاضری قلتِ وقت کی وجہ سے باقاعدہ پروگرام میں شامل نہیں تھی پھر بھی رواروی میں اسکے لیے چند منٹ نکال لیے گئے، پروگرام پر اپنا اختیار ہوتا تو کم سے کم ایک روز یہاں کے لئے رکھا جاتا، مگر ایک روز چھوڑ ایک گھنٹے کا بھی موقع نہیں تھا، "محراب علی" کے قریب تحیۃ المسجد کی دو رکعتیں پڑھیں اور بھاگتے دوڑتے حضرت مسلم بن عقیل کے مزار تک پہونچے، مزار کا قبہ شاندار ہے اور دالان وغیرہ بھی وسیع ہیں، یہ عمارت "جامع کوفہ" کے ساتھ ہی لگی ہوئی ہے، اُس وقت عجیب حالت ہو رہی تھی، دل کا تقاضا تھا کہ ان کے مزار کے قریب بیٹھ کر ان کی فداکاری کی یاد تازہ کریں لیکن وہاں تو فاتحہ پڑھنا ہی دشوار ہو رہا تھا، چلیے، چلیے، گاڑیاں روانہ ہو رہی ہیں، اس مفہوم کے عربی فقرے ہر طرف سے سننے میں آرہے تھے، "جامع کوفہ" کے صحن کے وسط میں حوض اور تہ خانے کے طرز کی ایک عمارت ہے جس کے متعلق کہا جاتا ہے کہ کشتیٔ نوح کی تیاری کی اصل جگہ یہی ہے، سیر کرانے والوں سے میں کچھ دریافت بھی کرتا رہا لیکن اس افراتفری میں ٹھکانے سے کوئی جواب دینے والا بھی نہیں تھا، حالانکہ یہ باتیں اطمینان سے سمجھنے کی ہوتی ہیں، اس شہرت کی تاریخی حیثیت کیا ہے، کشتیِ نوح کے متعلق جدید تحقیقات کیا ہیں، یہ اور اسی طرح کے بہت سے سوالات تھے جن پر غور کرنے کی ضرورت تھی مگر بارانوں کی نضامیں ان چیزوں پر کون غور کرتا ہے۔ مجھے تو یہی غنیمت معلوم ہوا کہ چند لمحوں ہی کے لیے سہی اس مسجد پر نظر تو پڑگئی جس کی رگ رگ میں انقلاباتِ زمانہ

کے اس عجیب واقعہ کو اس طرح ادا کیا ہے

واملنا علی المدائن خیلاً بحرھا من برھن اریضاً

یعنی ہم نے اپنے گھوڑوں کو مدائن پر جھکا دیا کہ مدائن کا دریا ان کے لیے

میدان کی طرح سیر و تفریح کی جگہ ہوگئی تھی۔

نہروان کے پل پر چند لوگوں کو دیکھا گیا کہ ایک خچر کو جس پر دو صندوق لدے ہوئے تھے تیزی کے ساتھ ہانکتے ہوئے لے جارہے تھے، اس خچر کو پکڑ لیا گیا، ان صندوقوں میں دوسرے قیمتی سامان کے علاوہ "کسریٰ" کا نہایت قیمتی اور مرصع ومطلیٰ تاج بھی تھا جو کسی بڑے دربار کے موقع پر زیب سر کیا جاتا تھا اس ولولہ انگیز تاریخی واقعہ کے بہت سے گوشے تفصیلی بیان کے محتاج ہیں جن کو ہم یہاں نظر انداز کر رہے ہیں اور آگے بڑھنا چاہتے ہیں، "طاقِ کسریٰ" کے عبرت انگیز اور سبق آموز مشاہدے کے بعد واپسی میں ہوائی گھر کی تفریح کا لطف اٹھایا اور بغداد واپس آگئے، ہوٹل پہونچ کر عشاء کی نماز پڑھی اور سو گئے، دوشنبہ ۱۷ر فروری کا پروگرام نجف اشرف اور کربلائے معلیٰ کا تھا، نجف میں بہت بڑا دارالعلوم ہے، جہاں سیکڑوں طلبہ تعلیم پاتے ہیں ان میں اچھی خاصی تعداد ہندوستانیوں کی بھی ہے، موتمر کا باقاعدہ اجتماع آج "قاعتہ النعمان" کے بجائے نجف کے اسی دارالعلوم کے وسیع ہال میں تھا، پروگرام کے مطابق تمام ارکان وفد ۸½ بجے "قاعتہ النعمان" پہونچ گئے اور ۹ بجے نجف کے لیے روانہ ہوگئے، بغداد سے نجف کی مسافت کم وبیش ایک سو پچاس کیلومیٹر ہے، نئی اور اعلیٰ درجے کی بسوں میں یہ فاصلہ دو گھنٹے میں طے ہوگیا، چھپے ہوئے طے شدہ پروگرام میں اگرچہ "جامع کوفہ" کی زیارت کا نام نہیں تھا لیکن چند منٹ کے لیے یہاں بھی حاضری ضروری تھی، بغداد اور کوفہ کے درمیان "بابل" کے کھنڈر بھی آئے جن کے آس پاس سے ہماری سواریاں گذرتی ہوئی چلی گئیں، جیسے ہی کہا گیا "ہم اب بابل کے کھنڈروں کے قریب سے گزر رہے ہیں چند لمحوں کے لئے سب اسی طرف متوجہ ہوگئے مگر وقت کی تنگی کی وجہ سے گاڑیوں ٹھہرایا نہیں گیا اور ٹھہر کر دیکھتے بھی کیا، یہ قدرتی بات ہے کہ دنیا کے اس قدیم ترین تاریخی شہر کا نام سنتے ہی حضرت ابراہیم علیہ السلام کے ولولۂ توحید اور

۱۹۵۴ء — حیات شیخ عبدالحق محدث دہلوی ۔ العلم والعلماء ۔ اسلام کا نظام عفت و عصمت ۔
تاریخ صقلیہ ، تاریخ ملت جلد نہم

۱۹۵۵ء — اسلام کا زرعی نظام ، تاریخ ادبیات ایران ، تاریخ علم فقہ ، تاریخ ملت حصہ دہم سلاطین ہند اول
تذکرہ علامہ محمد بن طاہر محدث پٹنی

۱۹۵۶ء — ترجمان السنہ جلد ثالث ۔ اسلام کا نظام حکومت (طبع جدید دلپذیر ترتیب) جدید بین الاقوامی
سیاسی معلومات جلد دوم خلفائے راشدین اور اہل بیت کرام کے باہمی تعلقات

۱۹۵۷ء — لغات القرآن جلد پنجم ، صدیق اکبر ، تاریخ ملت حصہ یازدہم سلاطین ہند دوم انقلاب روس اور روس انقلاب کے بعد

۱۹۵۸ء — لغات القرآن جلد ششم سلاطین دہلی کے مذہبی رجحانات ۔ تاریخ گجرات ۔ جدید بین الاقوامی سیاسی معلومات جلد سوم

۱۹۵۹ء — حضرت عمرؓ کے سرکاری خطوط ۔ ۱۸۵۷ء کا تاریخی روزنامچہ جنگ آزادی ۱۸۵۷ء ، مصائب سرور کونینؐ ۔

۱۹۶۰ء — تفسیر مظہری اردو پارہ ۲۹ ۔ ۳۰ ۔ حضرت ابوبکر صدیقؓ کے سرکاری خطوط
امام غزالی کا فلسفہ مذہب و اخلاق ۔ عروج و زوال کا الٰہی نظام ۔

۱۹۶۱ء — تفسیر مظہری اردو جلد اول مرزا مظہر جان جاناں کے خطوط ۔ اسلامی کتب خانے عرب دنیا ۔
تاریخ ہند پر نئی روشنی

۱۹۶۲ء — تفسیر مظہری اردو جلد دوم ۔ اسلامی دنیا دسویں صدی عیسوی میں معارف الآثار ۔
نیل سے فرات تک ۔

۱۹۶۳ء — تفسیر مظہری اردو جلد سوم ۔ تاریخ ردہ ، سرکشی ضلع بجنور ۔ علماء ہند کا شاندار ماضی اول

۱۹۶۴ء — تفسیر مظہری اردو جلد چہارم حضرت عثمانؓ کے سرکاری خطوط عرب و ہند عہد رسالت میں ۔
ہندوستان شاہان مغلیہ کے عہد میں ۔

۱۹۶۵ء — ہندوستان میں مسلمانوں کا نظام تعلیم و تربیت جلد اول ۔ تاریخی مقالات
لا مذہبی دور کا تاریخی پس منظر ۔ ایشیا میں آخری نوآبادیات

۱۹۶۶ء — تفسیر مظہری اردو جلد پنجم ۔ رموز عشق ۔ خواجہ بندہ نواز کا تصوف و سلوک ۔
ہندوستان میں عربوں کی حکومتیں ۔

۱۹۶۷ء — ترجمان السنہ جلد چہارم تفسیر مظہری اردو جلد ششم حضرت عبداللہ بن مسعود اور ان کی فقہ

۱۹۶۸ء — تفسیر مظہری اردو جلد ہفتم ۔ تین تذکرے ۔ شاہ ولی اللہ کے سیاسی مکتوبات
اسلامی ہند کی عظمت رفتہ ۔

۱۹۶۹ء — تفسیر مظہری اردو جلد ہشتم تاریخ الفخری حیات ذاکر حسین ۔ دین الٰہی اور اس کا پس منظر

۱۹۷۰ء — حیات عبدالحی تفسیر مظہری اردو جلد نہم ، مآثر و معارف احکام شرعیہ میں حالات زمانہ کی رعایت

۱۹۷۱ء — تفسیر مظہری اردو جلد دہم بیماری اور اس کا روحانی علاج ۔ خلافت راشدہ اور ہندوستان

۱۹۷۲ء — فقہ اسلامی کا تاریخی پس منظر ۔ انتخاب الترغیب والترہیب ۔ اخبار التنزیل
عربی لٹریچر میں قدیم ہندوستان

کی عجوبہ کاریاں سموئی ہوئی ہیں، ــــ مسجد کے دروازے کے بالکل سامنے ہانی بن عروہ مذحجی کی قبر تھی اس پر بھی فاتحہ پڑھی، مسلم بن عقیل کو پناہ دینے والے بہادر اور جاں باز ہانی، ابن زیاد کے ہاتوں ان کا سفاکانہ قتل، امام حسین رضی اللہ عنہ کے چچازاد بھائی حضرت مسلم بن عقیل کی دردناک شہادت، سب ہی ایسے واقعات تھے جن کی یاد آ رہی تھی مگر ہمیں تو جلد سے جلد نجف پہونچنا تھا جامع کوفہ میں پیش آنے والے بے شمار تاریخی واقعات لوحِ حافظہ میں اُبھر رہے تھے جو اُبھر کر ہی رہ گئے اور گاڑیاں نجف کے لیے روانہ ہوگئیں، کوفہ اور نجف کا فاصلہ مشکل سے چند کیلومیٹر ہوگا، بلکہ شاید درمیان میں صرف ایک طویل و عریض قبرستان ہے جس کے متعلق مشہور ہے کہ دنیا کا سب سے بڑا قبرستان ہے، بسیں چلی ہی تھیں کہ نجف کی آبادی آگئی۔

(باقی)

ندوۃ المصنفین دہلی کا علمی و دینی ماہنامہ

مُرتّبہ

سعید احمد اکبرآبادی

برہان

جلد ۷۵ | ماہ شعبان المعظم رمضان المبارک ۱۳۹۵ھ مطابق ستمبر ۱۹۷۵ء | شمارہ ۳

فہرست مضامین

۱۔ نظرات	سعید احمد اکبر آبادی	۱۳۰
مقالات		
۔ عہد نبوی کے غزوات و سرایا اور ان کے مآخذ پر ایک نظر	″ ″	۱۳۳
۔ حدیث کا درایتی معیار	مولانا محمد تقی امینی صاحب ناظم دینیات مسلم یونیورسٹی علی گڑھ	۱۴۱
۔ علامہ فضل امام خیر آبادی	جناب مولوی ریاض الانصاری سیتاپوری	۱۵۵
۔ ادبی مصادر میں آثار عمرین	ڈاکٹر ابو النصر محمد خالدی صاحب عثمانیہ یونیورسٹی حیدر آباد	۱۷۲
۔ آل عبد الرحمٰن بیلمانی ایک قدیم ترین ہندی الاصل علمی خانوادہ	مولانا قاضی اطہر مبارک پوری ایڈیٹر البلاغ بمبئی	۱۸۰

مطبوعات ندوۃ المصنفین دہلی

سنہ ۱۹۳۹ء اسلام میں غلامی کی حقیقت - اسلام کا اقتصادی نظام - قانون شریعت کے نفاذ کا مسئلہ -
تعلیماتِ اسلام اور مسیحی اقوام - سوشلزم کی بنیادی حقیقت -

سنہ ۱۹۴۰ء غلامانِ اسلام - اخلاق وفلسفۂ اخلاق - فہم قرآن - تاریخ ملت حصہ اول "نبی عربی صلعم" - صراط مستقیم (انگریزی)

سنہ ۱۹۴۱ء قصص القرآن جلد اوّل - وحی الٰہی - جدید بین الاقوامی سیاسی معلومات حصہ اول -

سنہ ۱۹۴۲ء قصص القرآن جلد دوم - اسلام کا اقتصادی نظام (طبع دوم بڑی تقطیع مع ضروری اضافات)
مسلمانوں کا عروج وزوال - تاریخ ملت حصہ دوم "خلافتِ راشدہ" -

سنہ ۱۹۴۳ء مکمل لغات قرآن مع فہرستِ الفاظ جلد اوّل - اسلام کا نظامِ حکومت - مزید - تاریخ ملت حصہ سوم "خلافت بنی امیہ"

سنہ ۱۹۴۴ء قصص القرآن جلد سوم - لغات القرآن جلد دوم - مسلمانوں کا نظامِ تعلیم وتربیت (کامل)

سنہ ۱۹۴۵ء قصص القرآن جلد چہارم - قرآن اور تصوف - اسلام کا اقتصادی نظام (طبع سوم جس میں غیر معمولی اضافے کئے گئے)

سنہ ۱۹۴۶ء ترجمان السنہ جلد اوّل - خلاصہ سفرنامہ ابن بطوطہ - جمہوریہ یوگوسلاویہ اور مارشل ٹیٹو -

سنہ ۱۹۴۷ء مسلمانوں کا نظمِ مملکت - مسلمانوں کا عروج وزوال (طبع دوم جس میں سیکڑوں صفحات کا اضافہ کیا گیا ہے
اور متعدد ابواب بڑھائے گئے ہیں) لغات القرآن جلد سوم - حضرت شاہ کلیم اللہ دہلویؒ -

سنہ ۱۹۴۸ء ترجمان السنہ جلد دوم - تاریخ ملت حصہ چہارم "خلافتِ ہسپانیہ" - تاریخ ملت حصہ پنجم "خلافتِ عباسیہ اوّل"

سنہ ۱۹۴۹ء قرونِ وسطیٰ کے مسلمانوں کی علمی خدمات (حکمائے اسلام کے شاندار کارنامے) (کامل)
تاریخ ملت حصہ ششم "خلافتِ عباسیہ دوم" بصائر -

سنہ ۱۹۵۰ء تاریخ ملت حصہ ہفتم "تاریخ مصر ومغربِ اقصیٰ" - تدوینِ قرآن - اسلام کا نظامِ مساجد -
اشاعتِ اسلام یعنی دنیا میں اسلام کیونکر پھیلا -

سنہ ۱۹۵۱ء لغات القرآن جلد چہارم - عرب اور اسلام - تاریخ ملت حصہ ہشتم "خلافتِ عثمانیہ" - جارج برنارڈ شا -

سنہ ۱۹۵۲ء تاریخ اسلام پر ایک طائرانہ نظر - فلسفہ کیا ہے؟ جدید بین الاقوامی سیاسی معلومات جلد اوّل (جس کو
از سرِ نو مرتب اور سیکڑوں صفحوں کا اضافہ کیا گیا ہے - کتابتِ حدیث -

سنہ ۱۹۵۳ء تاریخ مشائخ چشت - قرآن اور تعمیرِ سیرت - مسلمانوں کی فرقہ بندیوں کا افسانہ -

ہیں جن پر ایسے نوجوانوں اور مدارس کے ذمہ دار اصحاب دونوں کو سنجیدگی سے غور کرنا چاہیئے،
(۱) پہلی بات یہ ہے کہ یہ ملازمتیں جن کا اوپر ذکر کیا گیا ان میں تنخواہ کا اسکیل خواہ کچھ ہی ہو عموماً مترجم یا ترجمان کی ہوتی ہیں اور ان کی حیثیت کلرکی ہے نہ کہ اکزکیٹو۔ اس بنا پر جو کچھ فائدہ ہے وہ معاشی ہے نہ علمی ہے نہ ادبی، اور نہ عہدہ و منصب کا، (۲) دوسری بات یہ ہے کہ یہ ملازمتیں اُس وقت تک نہیں مل سکتیں جب تک امیدوار انگریزی کی اچھی قابلیت نہ رکھتا ہو۔ اسی وجہ سے ان نوجوانوں کو مدرسہ میں زندگی کے سات آٹھ برس گذارنے کے بعد طالب علمی از سرِ نو شروع کرنی ہوتی ہے اور اس میں آٹھ نو برس صرف کرکے وہ انگریزی کے اعلیٰ امتحانات پاس کرنے کے لائق ہوتے ہیں، (۳) تیسری بات جو کم اہم نہیں ہے وہ یہ کہ زبان خواہ عربی ہو یا انگریزی یا کوئی اور زبان وہ کبھی مقصود بالذات نہیں ہو سکتی، وہ صرف اظہار اور ابلاغ کا ذریعہ ہے، اس لئے صرف زبان و بیان پر قدرت حاصل کرکے اس پر قانع ہو جانا ایسا ہی ہے جیسا کہ وضو کرکے فارغ ہو جانا اور نماز نہ پڑھنا۔

ان وجوہ کے پیش نظر ان نوجوانوں کو سوچنا چاہیئے کہ ان کی زندگی کا یہ ڈھنگ کیا ان کے اور خود مدارس کے بنیادی مقصد کے ساتھ ہم آہنگی رکھتا ہے؟ جواب یہ ہے کہ نہیں، لیکن معاشی مجبوریاں ہیں جن کی وجہ سے انھیں یہ سب کچھ کرنا پڑتا ہے۔

اس صورتِ حال کی اصلاح بجز اس کے نہیں ہو سکتی کہ مدارس عربیہ کے فارغ التحصیل طلباء فراغت کے بعد جس کس مپرسی اور بیکسی کا شکار ہوتے ہیں انھیں اس سے محفوظ رکھا جائے اور کوشش اس بات کی کی جائے کہ ملک میں دینی، علمی اور تعلیمی اداروں کا جو ایک وسیع سلسلہ پھیلا ہوا ہے ان کو اور زیادہ وسیع کیا جائے اور ایسے ہونہار طلباء کو فراغت کے بعد اسی میں جذب کر لیا جائے اُن کا معاشی تکفل موجودہ زمانے کے معیار کے مطابق ہونا چاہیئے تاکہ وہ یکسوئی اور اطمینان

نظرات

اگرچہ مدارس عربیہ کا وجود کبھی ایسے افراد سے خالی نہیں رہا جو علوم عربیت میں مہارت کے ساتھ عربی زبان میں تحریر و تقریر پر قادر ہوں، لیکن ایسے حضرات خال خال ہوتے تھے اور اسی وجہ سے جو علماء اس وصف میں کمال رکھتے تھے وہ طبقۂ علماء میں ممتاز ہو جاتے تھے، ورنہ عام حالت یہ تھی کہ انگریزی تعلیم یافتہ اصحاب عربی کے اساتذہ اور طلبہ کو طعنہ دیتے تھے کہ ہم انگریزی پڑھتے ہیں تو اس میں بول سکتے اور لکھ بھی سکتے ہیں مگر مدارس کے اصحاب کو کچھ نہیں آتا، نہ عربی میں گفتگو کر سکتے ہیں اور نہ اس میں لکھ سکتے ہیں، اور اس میں شبہ نہیں کہ ان کا یہ کہنا بڑی حد تک غلط نہیں تھا۔

لیکن خدا کا شکر ہے آج مدارس عربیہ کا رنگ دوسرا ہی ہے، اگرچہ ندوۃ العلماء لکھنؤ نے اس میں سبقت کی، لیکن اب دار العلوم دیوبند بھی کم نہیں، یہاں بھی اب ایسے طلباء کثرت سے ملیں گے جو شستہ عربی میں بے تکلف تقریر و تحریر کر سکتے ہیں اور اردو کے مضامین کی تعریب پر قدرت رکھتے ہیں، یہ وہ طلباء ہیں جو ایک دن کے لئے بھی ملک سے باہر نہیں گئے مگر ان کی کھپت عرب ممالک کے سفارت خانوں، حکومت کی وزارت خارجہ کے شعبوں، آل انڈیا ریڈیو کے عربی پروگراموں میں ہو رہی ہے اور ملک میں ان کی مانگ بڑھ رہی ہے۔ شمالی ہند اور جنوبی ہند کے بعض دوسرے مدارس بھی اس میں نیک نام ہیں۔

یہ امر اس حیثیت سے تو خوشی کی بات ہے کہ ندوہ ہو یا دیوبند یا کوئی اور مدرسہ، ان کے فارغ التحصیل طلباء کے لئے ایک نیا اور اچھا ذریعۂ معاش پیدا ہو گیا، لیکن اس سلسلہ میں چند باتیں

عہد نبوی کے غزوات و سرایا
اور
ان کے مآخذ پر ایک نظر

(۱۳)

سعید احمد اکبرآبادی

یہود کی روش

لیکن جیسا کہ ہم آگے چل کر جب یہود کی مخاصمت کے اسباب پر مفصل گفتگو کریں گے بتائیں گے یہ نہ صرف تاریخ یہود کا بلکہ پوری دنیا کا ایک عظیم المیہ[1] ہے کہ یہود پر ان میں سے کسی چیز کا کوئی اثر نہیں ہوا، ان میں چند لوگ انفرادی طور پر مسلمان ضرور ہوئے، اگرچہ ان میں بھی متعدد اشخاص تاریخ و سیر کی کتابوں میں جن کے نام مذکور ہیں منافق نکل گئے، لیکن بحیثیت مجموعی انھوں نے نہ اسلام قبول کیا اور نہ ایک اسلامی ریاست میں پرامن شہری کی حیثیت سے رہنے کا عہد کیا۔ شروع شروع میں جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ تشریف لائے ہیں ان لوگوں نے اس خیال سے حضور کے ساتھ تھوڑا بہت تعاون ضرور کیا کہ آپ ہر بات میں ان کی تائید

---

[1] پروفیسر منٹگمری کہتے ہیں: "محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) نے یہود کے ساتھ جو معاہدہ کیا تھا یہود نے اس کی قدر نہ کرکے اپنی قومی زندگی کا ایک زریں موقع ضائع کر دیا۔ اور ہمیشہ مخالفت کرتے رہے اگر وہ ایسا نہ کرتے تو محمد نے ان کے ساتھ جو مراعات کر رکھی تھیں ان کی بنیاد پر وہ عرب امپائر میں شریک ہوتے اور آج دنیا کی تاریخ کا نقشہ ہی دوسرا ہوتا۔" (محمد ان مدینہ ص ۲۱۹)

سے اپنے مفوضہ فرائض کی تکمیل کرسکیں۔

ہم نے اپنی طالب علمی کے زمانہ میں دیکھا ہے کہ مولانا حبیب الرحمٰن صاحب عثمانیؒ مہتمم دارالعلوم دیوبند مدرسہ کے ہونہار اور ذی استعداد طلبا پر کس طرح شفقت کی نظر رکھتے تھے، ان کی تربیت کرتے تھے، فراغت کے بعد ان میں مایوسی اور بیزاری کے جذبات پیدا نہیں ہونے دیتے تھے اور ان کا معاشی بندوبست کرنا بھی گویا ایک فرض سمجھتے تھے، دوسری جانب عصر سے مغرب تک یا مغرب سے عشار تک خاص خاص اساتذہ کے ہاں باقاعدہ مجلس ہوتی تھی اور طلباء اس میں شریک ہوتے تھے، ان مجلسوں سے طلبار کا ذوقِ علمی پختہ ہوتا تھا اور ان کی روحانی اور اخلاقی تربیت بھی ہوتی تھی، افسوس ہے کہ آج مدارس عربیہ سے اس قسم کی روایات ختم ہوتی جارہی ہیں اور اب گویا ہمارے مدارس بھی کالجوں اور اسکولوں کی طرح اسناد اور ڈگریاں تقسیم کرنے کے کارخانے بن کر رہ گئے ہیں اور بس! "وائے گردرپسِ امروز بود فردائے"۔

خدا خدا کرکے پاکستان اور ہندوستان میں کتابوں اور مجلات ورسائل کی آمدورفت کی راہ کھل گئی تھی اور برہان پاکستان پابندی سے جارہا تھا اور پاکستان سے کتابیں اور مجلات ورسائل بھی ہمیں وصول ہونے شروع ہوگئے تھے، لیکن کم وبیش دو ماہ سے یہ سلسلہ اچانک منقطع ہوگیا ہے، اگست میں جتنے پرچے برہان کے پاکستان گئے تھے وہ سب واپس آگئے ہیں اور اُدھر سے بھی اب کوئی پرچہ نہیں آرہا ہے، اس کا سبب معلوم نہیں۔ یہ لکھنا اس لئے ضروری تھا کہ پاکستان سے احباب کے خطوط برہان نہ پہونچنے کی شکایت میں آرہے ہیں۔

دور اندیشی اور سلامت روی ہوتی تو یہ ہوا کا رخ پہچانتے اور کم از کم اس معاہدہ کی پابندی کرتے جو حضور کے اور ان کے درمیان تھا اور ایک اسلامی ریاست کے پرامن شہری کی حیثیت سے رہنے کا عزم کرتے، لیکن اس کے برخلاف ہوا یہ کہ اب یہ قابو سے باہر ہوگئے، ان میں اور مشرکین مکہ میں کوئی چیز مشترک نہیں تھی، لیکن اسلام اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی شدید مخالفت میں یہود ان لوگوں تک کے ساتھ ساز باز کرتے ہوئے نہ شرمائے، ابن اسحٰق نے قبیلہ وار ان سڑسٹھ (67) افراد و اشخاص کے نام درج کیے ہیں جو بنو نضیر، بنو قریظہ اور بنو قینقاع وغیرہ قبیلوں میں ممتاز مرتبہ و مقام رکھتے تھے اور حضور کے ساتھ دشمنی میں پیش پیش تھے، متاخر مورخین اور خصوصًا ابن ہشام نے بھی ان لوگوں کے نام قبیلہ وار لکھے ہیں۔

سازشیں

غزوۂ بدر کے بعد ان لوگوں کے ایک نمائندہ وفد نے جو بنو نضیر اور دوسرے قبائل یہود کے چیدہ لوگوں پر مشتمل تھا اور جس میں حیی بن اخطب، سلام بن ابی الحقیق، ابو رافع، الربیع بن الربیع بن ابی الحقیق، کعب بن اشرف اور ابو عمارہ وغیرہ شامل تھے قریش، غطفان اور بنی قریظہ کا دورہ کیا۔ جب یہ لوگ قریش کے پاس پہونچے تو قریش نے جو مشرکین تھے ان لوگوں سے کہا: "آپ تو احبار یہود ہیں اور اہل کتاب اور صاحب علم ہیں، آپ کو معلوم ہے کہ ہمارے اور محمد کے درمیان کیا اختلاف ہے تو آپ یہ تو بتائیے کہ ہمارا دین اچھا ہے یا محمد کا دین" ان علمائے یہود نے جواب دیا "تمھارا دین محمد کے دین سے زیادہ بہتر ہے اور تم ان سے زیادہ ہدایت یافتہ ہو" قرآن نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو فورًا متنبہ کیا کہ یہود اہل کتاب ہونے کے باوصف آنحضرت (صلی اللہ علیہ وسلم) اور اسلام کی دشمنی میں اب اس قدر آگے نکل گئے ہیں کہ انھیں شرک کو بھی دین محمدی سے بہتر قرار دینے میں شرم محسوس نہیں ہوتی۔ چنانچہ ارشاد ہوا:

اَلَمْ تَرَ اِلَى الَّذِيْنَ اُوْتُوْا نَصِيْبًا مِّنَ الْكِتٰبِ يُؤْمِنُوْنَ بِالْجِبْتِ وَالطَّاغُوْتِ وَيَقُوْلُوْنَ	اے محمد کیا آپ نے ان لوگوں کو نہیں دیکھا جو اہل کتاب ہیں مگر اس کے باوجود بتوں اور شیطان

کریں گے اور اس کی وجہ سے ان کو عرب قبائل پر اپنی سیادت اور چودھراہت کے قائم کرنے کا موقع ملے گا۔ لیکن جب ماہ شعبان ۲ھ میں تحویل قبلہ کا واقعہ پیش آیا اور دوسری طرف قرآن نے ان کے مزعومات فاسدہ اور اعمال باطلہ پر تنقید کرنی شروع کی تو اب ان لوگوں کو سخت مایوسی ہوئی اور یہ مخالفت پر کمربستہ ہو گئے۔ اس سلسلہ میں حضور کے ساتھ شوخ چشمی اور گستاخی، ایذا رسانی بلکہ قتل کا منصوبہ، تعلیمات اسلامی کا استہزاء و تمسخر، انصار کو ترک اسلام کی تحریص و ترغیب، قریش مکہ کے ساتھ سازباز، شعراء اور اپنے خطیبوں کے ذریعہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور اسلام کے خلاف قبیلہ قبیلہ نہایت مکروہ پروپگنڈا، نقضِ عہد، افتراء و بہتان، ان میں وہ کونسی چیز ہے جس میں ان لوگوں نے کوئی کور کسر اٹھا کے رکھی ہو، یہ اور ان کے علاوہ یہود کے اور دوسرے اعمال و افعال کو بنیادی طور پر دو قسموں پر منقسم کیا جاسکتا ہے (۱) ایک وہ جو اگرچہ انتہائی دناءتِ طبع اور بدطینتی کا مظہر ہیں لیکن غدر اور خیانت کے ماتحت نہیں آتے اور (۲) دوسرے وہ جو غدر، خیانت اور بغاوت و سرکشی میں شامل ہیں، ہم ان دونوں قسموں میں سے نمبر اول پر گفتگو آگے کسی اور موقع پر کریں گے، اقتضائے مقام سے دوسری قسم کی چند مثالیں یہاں بیان کرتے ہیں۔

یاد ہوگا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے یہود سے جو معاہدہ کیا تھا اس میں ایک دفعہ صاف صاف یہ بھی تھی کہ وہ (یہود) مسلمانوں کے خلاف ان کے دشمنوں کی مدد کسی طرح بھی نہیں کریں گے اور اگر مسلمانوں پر حملہ ہوگا تو وہ ان کا ساتھ دیں گے، اتفاق ایسا ہوا کہ ادھر یہ معاہدہ ہوا اور اس کے کچھ دنوں بعد ہی تحویل قبلہ کا واقعہ پیش آگیا جس کے بعد یہود نے معاہدہ اور عہد و پیمان سب کو بالائے طاق رکھ کر اسلام کی مخالفت پر کمر ہمت باندھ لی، ابھی ان کا یہ غنچۂ مخالفت ناشگفتہ ہی تھا کہ غزوۂ بدر کا واقعہ پیش آگیا، یہ واقعہ کیا پیش آیا یہود کے گلشن تمنا و آرزو کو بادِ بہاری کا پیغام آگیا۔ انھیں یقین تھا کہ اس میں مسلمانوں کو شکست ہوگی اور ان کی امیدیں بر آئیں گی۔ لیکن وہاں جنگ کا نتیجہ ان کی توقعات کے بالکل برعکس ہوا۔ اگر ان میں کچھ بھی

اس پر قرآن مجید کی یہ آیت نازل ہوئی:

وَدَّ كَثِيرٌ مِّنْ أَهْلِ الْكِتَابِ لَوْ يَرُدُّونَكُم مِّن بَعْدِ إِيمَانِكُمْ كُفَّارًا حَسَدًا مِّنْ عِندِ أَنفُسِهِم مِّن بَعْدِ مَا تَبَيَّنَ لَهُمُ الْحَقُّ الآیۃ

بہتیرے اہل کتاب ہیں جو ان پر حق کے واضح ہوجانے کے بعد بھی اپنے ذاتی حسد کے باعث یہ چاہتے ہیں کہ تم کو ایمان سے ہٹا کر کافر بنا دیں۔

اس سلسلہ میں یہ لوگ حضور کی ذات سے متعلق اس درجہ بیہودہ اور ناشائستہ الفاظ کہتے تھے جن کو یہاں نقل بھی نہیں کیا جاسکتا۔ انھیں لوگوں کے نسبت سورہٗ انا اعطینا ک الکوثر میں فرمایا گیا:

إِنَّ شَانِئَكَ هُوَ الْأَبْتَرُ

جو آپ کے بدخواہ ہیں وہی لنڈورے ہوں گے۔

یہود میں حضرت عبداللہ بن سلام ثعلبہ بن سعیہ، اسید بن سعیہ اور اسد بن علید ایسے چند حضرات جو مسلمان ہوگئے تھے ان کی نسبت کہتے تھے کہ "ہم میں سے جن لوگوں نے دین اسلام کو قبول کر لیا ہے وہ ہم میں بدترین آدمی تھے، ورنہ اگر وہ ہمارے اچھے لوگوں میں سے ہوتے تو کبھی اپنے آبائی مذہب کو ترک نہ کرتے"[1]

کعب بن اشرف عرب میں پروپگنڈا کا سب سے زیادہ موثر اور کارگر ذریعہ شاعر تھے، جس شخص اور جس قبیلہ کے خلاف یہ چاہتے اپنے اشعار و قصائد سے آگ لگا دیتے تھے۔ یہود میں اچھے اچھے آتش نوا شاعر موجود تھے، پھر یہ کیونکر ممکن تھا کہ وہ اس حربہ سے کام نہ لیتے، ان بدنصیب شعراء میں کعب بن اشرف نہایت ممتاز مرتبۂ و مقام کا مالک تھا۔ کمال فن کے علاوہ یہ شخص بڑا وجیہ اور حسین و جمیل بھی تھا۔ عورتیں اس کے شعر اور حسن و جمال کا عموماً شکار ہوجاتی تھیں اور یوں بھی قبائل میں اس کا بڑا رسوخ و اثر تھا اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور

---

[1] سیرت ابن ہشام ج ۲ ص ۲۰۶

لِلَّذِیْنَ کَفَرُوْا ھٰٓؤُلَآءِ اَھْدٰی مِنَ الَّذِیْنَ آمَنُوْا سَبِیْلًا

کا کلمہ پڑھتے اور کافروں سے کہتے ہیں کہ تم مومنین سے بھی زیادہ ہدایت کے راستہ پر ہو۔

(النساء آیت نمبر ۵۰)

قرآن نے صرف یہی نہیں کیا کہ یہود کی ان شرارتوں اور فتنہ پروری کا پردہ چاک کیا، بلکہ اس کو سننے کے بعد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے ساتھیوں کے دل میں طبعی طور پر جو اضطراب پیدا ہو سکتا تھا اس آیت کے فوراً بعد حضور کی تسلی و تشفی اور اس تشویش و اضطراب کو دفع کرنے کی غرض سے کہا:

اُولٰٓئِکَ الَّذِیْنَ لَعَنَھُمُ اللّٰہُ وَمَنْ یَّلْعَنِ اللّٰہُ فَلَنْ تَجِدَ لَہٗ نَصِیْرًا

یہی وہ لوگ ہیں جن پر اللہ نے لعنت بھیجی ہے اور جن کو اللہ ملعون کرتا ہے آپ ہرگز اس کا کوئی مددگار نہیں پائیں گے۔

یہ آیت اس کی پیش گوئی تھی کہ ان لوگوں کی حرکات کے باعث موت اور ہلاکت ان کے سر پر منڈلا رہی ہے اور جب وہ وقت آپہونچے گا تو کوئی طاقت ان کی مدد نہیں کر سکے گی[1]

لوگوں کو قبول اسلام سے روکنا

اس وفد کے دو رکن جو ایک دوسرے کے بھائی تھے حیی بن اخطب، اور ابو یاسر بن اخطب حد درجہ فتنہ پرور اور شورہ پشت تھے اور لوگوں کو قبولِ اسلام سے روکتے تھے، ابن ہشام کے الفاظ یہ ہیں:

وکانا جاھدین فی رد الناس عن الاسلام بما استطاعا[2]

یہ دونوں اپنے مقدور بھر لوگوں کو اسلام قبول کرنے سے روکتے تھے۔

---

[1] سیرت ابن ہشام ج ۲ ص ۲۱۰، تحقیق مصطفی السقا، ابراہیم الابیاری وعبدالحفیظ الشلبی، یہ واقعہ اس آیت کی تفسیر کے ماتحت ابن جریر طبری، روح المعانی اور تفسیر ابن جوزی میں بھی ہے لیکن مختلف روایات میں مختلف نام ہیں، ہم نے کچھ نام کسی روایت سے اور کچھ نام کسی اور روایت سے لئے ہیں۔

[2] سیرت ابن ہشام ج ۲ ص ۱۹۷

اور تقسیم نہیں ہوسکتی۔ سیرت ابن ہشام میں صاف تصریح ہے:

وقالوا: انا سنکون معکم حتی نستاصلہ[1]

اور انھوں نے (قریش سے) کہا کہ تم جنگ کرو ہم تمھاری مدد کریں گے اور محمد کا قلع قمع کردیں گے

یہی الفاظ بعینہ انھوں نے قبیلۂ غطفان سے بھی کہے ہیں۔

مسلمانوں میں پھوٹ ڈالنے کی جد وجہد

اس سلسلہ میں انھوں نے اس کی بھی کوشش کی کہ کسی طرح مسلمانوں میں آپس میں پھوٹ پڑ جائے اور ان میں وہ اتحاد ویگانگت باقی نہ رہے جو اسلام نے ان میں پیدا کردی تھی، چنانچہ ایک مرتبہ انصار جو اوس وخزرج کے قبیلوں سے تعلق رکھتے تھے، کسی ایک جگہ بیٹھے آپس میں گفت وشنید کر رہے تھے، اسی اثنا میں ایک عمر رسیدہ اور مسلمانوں کا سخت دشمن یہودی جس کا نام شاس بن قیس تھا۔ ادھر سے گذرا تو مسلمانوں کی اس باہمی محبت وخلوص کو دیکھ کر سراپا غیظ وغضب بن گیا، ایک یہودی نوجوان جو اس کے ہمراہ تھا اس سے کہا: تو ذرا ان لوگوں (مسلمانوں) کی مجلس میں جاکر بیٹھ، پھر موقع پاکر جنگ بُعاث[2] اور اس سے پہلے کی حالت کا ذکر چھیڑ دے اور اس سلسلے میں دونوں طرف کے شاعروں نے جو سخت اشتعال انگیز شعر کہے ہیں وہ اس مجلس میں پڑھ کر سنا۔ نوجوان نے حکم کی تعمیل کی، نتیجہ یہ ہوا کہ انصار میں اشتعال پیدا ہوگیا، اوس اور خزرج میں جو واقعات پیش آئے تھے ان کی یاد دماغوں میں پھر تازہ ہوگئی۔ دونوں طرف سے ایک ایک شخص نکلا، ایک نے دوسرے کو چیلنج کیا اور قریب تھا کہ جنگ چھڑ جائے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو اطلاع ہوئی تو

---

[1] سیرت ابن ہشام ج ۳ ص ۲۲۵ و ۲۲۶

[2] ہجرت نبوی سے پہلے یہ شدید جنگ اوس اور خزرج میں برپا ہوئی تھی اور اس میں اوس کو خزرج پر فتح ہوئی تھی اور ان دونوں قبیلوں کے سرخیل وسرغنہ مارے گئے تھے۔ یہ جنگ تاریخی اعتبار سے نہایت اہم تھی۔ تاریخ کی کتابوں میں اس کا مفصل ذکر موجود ہے

اسلام کے ساتھ دشمنی اور عناد میں برابر پیش پیش رہتا تھا۔ غزوۂ بدر کا جو نتیجہ ہوا اس نے کعب بن اشرف کو سخت برہم اور چراغ پا کر دیا، یہود کے جس وفد کا ابھی ذکر آیا ہے اس کے ساتھ یہ مکہ آیا۔ قریش کی تعزیت کی، دلاسا دیا، مقتولین قریش کا مرثیہ لکھا اور مسلمانوں سے اس شکست کا انتقام لینے پر ان کو ابھارا۔ جب مدینہ واپس آیا تو مسلمان خواتین جن میں حضرت میمونہ کی بہن اور حضرت عباس کی زوجہ حضرت لبابۃ بنت الحارث الہلالیہ بھی شامل ہیں، کعب بن اشرف ان خواتین کا نام لے کر اپنے اشعار میں ان کے حسن وجمال کی تعریف اور ان کے ساتھ اپنی محبت کا اظہار کرنے لگا جس سے مسلمانوں کو سخت اذیت اور تکلیف ہوتی تھی۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ہر چند اس کو تنبیہ کی لیکن اس پر کوئی اثر نہیں ہوا[1]

کعب بن اشرف کے علاوہ ابوعفک الیہودی بھی ایک شاعر تھا جو مسلمانوں کی مذمت اور ان کے استہزاء میں اشعار لکھتا تھا اور ان اشعار سے اسلام کے خلاف لوگوں میں جوش پیدا کرتا رہتا تھا۔ اس سلسلے میں ایک عورت عصما کا بھی نام آتا ہے کہ وہ بھی شاعرہ تھی اور شعر سے اسلام کے خلاف پروپگنڈہ کا کام لیتی تھی۔ شعبہ (شعیہ؟) بن عمرو بھی اس درجہ کا شاعر تھا کہ یہ صفت اس کے نام کا جز ہوگئی تھی اور لوگ اسی نسبت سے اس کو پہچانتے تھے، یہ بھی اسلام کے خلاف سخت پروپگنڈہ کرتا رہتا تھا[2]

قریش اور غطفان سے معاہدہ

یہود نے مذکورۂ بالا حرکات پر اکتفا نہیں کیا، بلکہ ان کے جس وفد کا تذکرہ ابھی گزر چکا ہے اس نے قریش اور غطفان سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے خلاف باقاعدہ جنگی معاہدہ کیا جس سے بڑھ کر غدر اور خیانت کی کوئی

---

[1] تاریخ طبری ج ۲ ص ۴۸۷۔ وکتاب المنازل والدیار از اسامۃ بن مرشد بن علی ج ۱ ص ۱۰۹ تا ۱۱۳ وسیرت ابن ہشام ج ۳ ص ۵۴

[2] تاریخ العرب قبل الاسلام ج ۴ ص ۱۴۰۔

حدیث کا درایتی معیار

(داخلی فہم حدیث)

(۳)

مولانا محمد تقی صاحب امینی ناظم دینیات علی گڑھ مسلم یونیورسٹی

مزید افذو استنباط | مذکورہ تصریحات کی روشنی میں مزید افذ و استنباط اس طرح کیا جا سکتا ہے۔

اصل بنیادی قوتیں دو ہیں:

(۱) نورانی (غیر مادی) اور (۲) مادّی۔ ان قوتوں کو ہم نفسیاتی بنیادیں کہیں گے۔ نورانی کو "انسانی" اور مادی کو "حیوانی" سے تعبیر کریں گے۔

"انسانی" قدرتی عطیہ ہے اور انسان کے لئے خاص ہے۔ جبکہ "حیوانی" اجزائے ترکیبی کے خواص سے نکلتی اور انسان و حیوان میں مشترک ہے۔ تقدیم و تاخیر کے لحاظ سے ان دونوں میں فرق ہے۔ پہلے حیوانی پیدا ہوئی پھر انسانی عطا کی گئی۔ رسول اللہ نے فرمایا:

ان اللہ خلق خلقتہ فی ظلمۃ فالقی علیھم من نورہ فمن اصابہ من ذلک النور اھتدیٰ ومن اخطأہ ضل[1]

اللہ نے مخلوق کو (حیوانی بنیادوں کی) تاریکی میں پیدا کیا پھر ان پر اپنا نور ڈالا جس شخص نے اس نور سے خود کو درست کیا اس نے ہدایت پائی اور جس نے درست نہیں کیا وہ گمراہ ہوا۔

---

[1] احمد و ترمذی و مشکوۃ باب الایمان بالقدر

فوراً تشریف لائے، آپ کے ساتھ مہاجرین کا ایک گروہ بھی تھا۔ آتے ہی آپ نے ایک نہایت موثر تقریر کی اور فرمایا: مسلمانو! خدا سے ڈرو، خدا سے ڈرو، تم یہ عہد جاہلیت کی سی باتیں بڑھ بڑھ کر کیا کر رہے ہو! حالانکہ میں ابھی تک تمھارے درمیان موجود ہوں، یہ سب کچھ تم اس وقت کر رہے ہو جب کہ اللہ تعالیٰ تم کو اسلام کا راستہ دکھا چکا۔ تم کو اس سے مشرف اور مکرم بنا چکا اور جاہلیت کی باتوں سے تم کو دور کر چکا ہے، اس کے ذریعہ اللہ نے تم کو کفر سے نجات دی اور تمھارے دلوں میں ایک دوسرے کے ساتھ محبت کا جذبہ پیدا کر دیا، انصار پر اس تقریر کا یہ اثر ہوا کہ رونے لگے، فوراً وسوسۂ شیطانی کو دماغ سے نکالا اور آپس میں ایک دوسرے سے بغلگیر ہو گئے، اس کے بعد یہ سب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ واپس آ گئے[1]

---

[1] سیرتِ ابن ہشام ج ۲ ص ۲۰۵

پیدا ہوتی ہے۔ رسول اللہ نے اوصاف و خصائص کے لحاظ سے انسان کے مختلف طبقات کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا:

(۱) بعض کو جلد غصہ آتا اور جلد ٹھنڈا ہو جاتا۔

(۲) بعض کو دیر میں غصہ آتا اور دیر میں ٹھنڈا ہوتا۔

(۳) بعض کو دیر میں غصہ آتا اور جلد ٹھنڈا ہوتا۔

(۴) بعض کو جلد غصہ آتا اور دیر میں ٹھنڈا ہوتا۔

اسی طرح آپ نے حق کے مطالبہ اور قرض کی ادائیگی میں تفاوت کا ذکر کیا۔

(۱) بعض قرض کی ادائیگی میں اچھے اور اپنا مطالبہ کرنے میں بُرے ہوتے ہیں۔

(۲) بعض ادائیگی میں برے اور مطالبہ میں اچھے ہوتے ہیں۔

(۳) بعض ادائیگی میں اچھے اور اپنا مطالبہ کرنے میں بھی اچھے ہوتے ہیں۔

(۴) بعض ادائیگی میں بُرے اور مطالبہ میں بھی بُرے ہوتے ہیں [1]

امتزاج کے بعد شاکلہ کی بیشمار قسمیں وجود میں آتی ہیں

نفسیاتی بنیادوں کے باہمی امتزاج کے بعد قوت و استعداد کے لحاظ سے "شاکلہ" کی بیشمار قسمیں وجود میں آتی اور اس لحاظ سے انسان کی بیشمار قسمیں بنتی ہیں لیکن ہر ایک میں خیر و شر یا سعادت و شقاوت کی قوت بہرحال موجود رہتی ہے۔
رسول اللہ نے فرمایا:

ما استخلف خلیفۃ الا لہ بطانتان بطانۃ تامرہ بالخیر و تحضہ علیہ و بطانۃ تأمرہ بالشر و تحضہ علیہ [2]

کوئی شخص خلیفہ نہیں بنایا جاتا مگر یہ کہ اس کے دو "راز دار" ہوتے ہیں ایک "راز دار" خیر و بھلائی کا حکم دیتا اور اس پر ابھارتا ہے اور دوسرا راز دار شر اور برائی کا حکم دیتا اور اس پر اُبھارتا ہے۔

---

[1] ترمذی و مشکوٰۃ باب الامر بالمعروف
[2] بخاری ج ۲ کتاب القدر باب المعصوم من عصم اللہ

نفسیاتی بنیادوں کے درجات میں تفاوت ہوتا ہے

"انسانی" بنیادمیں کسی لحاظ سے کوئی فرق نہیں ہوتا بلکہ یکسانیت ہوتی ہے کیونکہ قدرتی عطیہ میں فرق کا سوال ہی نہیں پیدا ہوتا البتہ کیفی لحاظ سے اس طرح فرق کیا جاسکتا ہے کہ کسی کے "شاکلہ" میں یہ بنیاد اعلیٰ درجہ کی ہوتی ہے اور کسی میں ادنیٰ درجہ کی ہوتی ہے۔ یہ فرق مختلف لوگوں میں انسانی بنیاد کے مختلف مظاہر سے ثابت ہوتا ہے۔

لیکن حیوانی بنیاد کا سرچشمہ چونکہ اجزائے ترکیبی کے خواص ہیں ....

.... اس بناپر جس طرح ہر شخص کے اجزائے ترکیبی کے یہ "خواص" یکساں نہیں ہوتے بلکہ زمین، فضا اور آب وہوا وغیرہ کی وجہ سے ان میں کافی اختلاف ہوتا ہے۔ اسی طرح ان خواص سے نکلنے والی بنیادوں اور ان کے اثرات میں کسی لحاظ سے بھی یکسانیت نہیں ہوتی بلکہ سختی، نرمی، کثافت و لطافت وغیرہ کے لحاظ سے ان میں کافی فرق ہوتا ہے۔ سردست اس فرق کو ہم قوت وضعف سے تعبیر کریں گے۔ رسول اللہؐ نے فرمایا:

ان اللہ خلق آدم من قبضۃ قبضہا من جمیع الارض فجاء بنو آدم علی قدر الارض منہم الاحمر والابیض والاسود وبین ذلک والسھل والحزن والخبیث والطیب[1]	اللہ نے آدم کو ایک مٹھی بھر مٹی سے پیدا کیا جس کو زمین کے ہر حصہ سے لیا۔ اسی کے لحاظ سے سرخ، سفید، سیاہ اور اس کے درمیان لوگ پیدا ہوئے اور اسی کے لحاظ سے نرم، سخت، نیک طینت اور بدطینت لوگ پیدا ہوئے۔

امتزاج کے بعد ان میں پیچیدگی پیدا ہوتی ہے

یہ بنیادیں انفرادی حیثیت میں سادہ اور سلجھی ہوئی ہیں لیکن اجتماعی حیثیت میں نہایت پیچیدہ اور الجھی ہوئی ہیں۔ چنانچہ "شاکلہ" کی تیاری میں ان کی جس انداز اور جس مقدار کی آمیزش ہوتی اسی کے لحاظ سے اوصاف وخصائص کی لیاقت

---

[1] احمد و ترمذی۔ ابوداؤد ومشکوۃ باب الایمان بالقدر

و بے چینی رہتی ہے۔ اصلاح و تزکیہ کی ضرورت بہرحال دونوں کو ہوتی ہے۔ البتہ مصالحت میں اطاعت و فرمانبرداری کی نمود زیادہ اور جلدی ہوتی جبکہ نزاع و کشمکش میں مقابلتہً کم اور دیر میں ہوتی ہے۔

انسانی اور حیوانی بنیادوں کے انفرادی خواص اب مختصر طور پر انسانی اور حیوانی بنیادوں کے انفرادی و اجتماعی خواص ذکر کیے جاتے ہیں۔

انفرادی خواص یہ ہیں:

(۱) جس شاکلہ میں انسانی بنیاد "اعلیٰ" ہوتی اس میں اعلیٰ درجہ کے کمالات اور بلند مرتبہ احوال و مقامات حاصل کرنے کی اہلیت ہوتی ہے۔

(۲) جس شاکلہ میں انسانی بنیاد ادنیٰ ہوتی اس میں معمولی درجہ کے کمالات اور احوال و مقامات کی صلاحیت ہوتی ہے۔

(۳) جس شاکلہ میں حیوانی بنیاد قوی ہوتی اس میں شوکت و سطوت اور غلبہ و اقتدار حاصل کرنے کی اعلیٰ صلاحیت ہوتی ہے۔

(۴) جس شاکلہ میں حیوانی بنیاد ضعیف ہوتی اس میں غلبہ و اقتدار وغیرہ کی معمولی صلاحیت ہوتی ہے۔

نزاع و کشمکش والی چار شکلوں کے خواص و اثرات انسانی اور حیوانی بنیادوں کے امتزاج کے بعد نزاع و کشمکش والی چار شکلوں کے خواص و اثرات یہ ہیں:

(۱) اعلیٰ انسانی بنیاد اور قوی حیوانی بنیاد سے عزم و ہمت میں پختگی و بلندی پیدا ہوتی۔ اونچے درجہ کے کاموں پر نظر ہوتی اور اعلیٰ درجہ کے مناصب و مقامات حاصل کرنے کی اہلیت ہوتی ہے۔ اس شاکلہ کے لوگ اگرچہ بہت کم پائے جاتے لیکن جو ہوتے ہیں وہ سردار و مقتدا بنتے اور بکثرت لوگ ان کے معتقد ہوتے ہیں۔

(۲) ادنیٰ انسانی بنیاد اور حیوانی بنیاد سے عزم و ہمت میں پختگی تو ہوتی ہے لیکن زیادہ بلندی

یہ دو "رازدار" سعادت وشقاوت کی قوت ہیں جن کے درجات کے لحاظ سے بیشمار قسمیں وجود میں آتی ہیں ان میں چند بڑی قسمیں ذکر کی جاتی ہیں جن سے بقیہ کو سمجھنے میں سہولت ہو گی۔

ابتدائی دو بڑی قسمیں | "نشائکہ" کی ابتدائی دو بڑی قسمیں یہ ہیں:

(۱) وہ جس کی انسانی وحیوانی بنیادوں کے درمیان نزاع وکشمکش ہو یعنی ہر ایک اپنی اپنی جگہ مضبوطی کے ساتھ قائم ہو اور حیوانی بنیاد اپنے تقاضہ کو دبا کر انسانی بنیاد کی طرف مائل نہ ہو۔

(۲) وہ جس کی انسانی اور حیوانی بنیادوں کے درمیان نزاع وکشمکش نہ ہو یعنی انسانی بنیاد اپنے اندر کچھ نرم گوشہ رکھتی ہو اور حیوانی بنیاد اپنے تقاضہ کو دبا کر انسانی بنیاد کی طرف مائل ہو۔

آگے ہم پہلی کو نزاع وکشمکش والی شکل قرار دیں گے اور دوسری کو مصالحت والی شکل کہیں گے۔

ہر ایک کی چار بڑی شکلیں | نزاع وکشمکش کی چار بڑی شکلیں یہ ہیں:

(۱) اعلیٰ انسانی بنیاد اور قوی حیوانی بنیاد۔

(۲) اعلیٰ انسانی بنیاد اور ضعیف حیوانی بنیاد۔

(۳) ادنیٰ انسانی بنیاد اور قوی حیوانی بنیاد۔

(۴) ادنیٰ انسانی بنیاد اور ضعیف حیوانی بنیاد۔

مصالحت کی بھی یہی چار بڑی شکلیں ہیں:

(۱) اعلیٰ انسانی بنیاد اور قوی حیوانی بنیاد۔

(۲) اعلیٰ انسانی بنیاد اور ضعیف حیوانی بنیاد۔

(۳) ادنی انسانی بنیاد اور قوی حیوانی بنیاد۔

(۴) ادنی انسانی بنیاد اور ضعیف حیوانی بنیاد۔

مصالحت کی شکلوں میں اندرونی حالت نسبتہً پرسکون رہتی اور نزاع وکشمکش میں اضطراب

(۴) ادنیٰ انسانی بنیاد اور ضعیف حیوانی بنیاد۔

مصالحت کی یہ دونوں شکلیں حد درجہ کمزور ہوتی ہیں۔ چوتھی شکل میں انسانی بنیاد ادنیٰ ہونے کی وجہ سے کوئی موثر کردار نہیں ادا کرسکتی۔ لیکن تیسری شکل میں اعلیٰ ہونے کے باوجود مصالحت کی وجہ سے اپنی اصلی کارکردگی کھودیتی ہے بس اس کی وجہ سے دعاومناجات وغیرہ میں سرور وانبساط کی کیفیت پیدا ہوسکتی ہے[1]۔

ان خواص واثرات پر نظامِ عالم موقوف ہے

مذکورہ شکلوں کے خواص واثرات سے ظاہر ہے کہ نظامِ عالم کو چلانے کے لئے انسانی بنیاد کے ساتھ حیوانی بنیاد اور حیوانی کے ساتھ انسانی بنیاد کی کس قدر ضرورت ہے؟ نیز ان کے امتزاج سے جو عجیب وغریب صلاحیتیں ظاہر ہوتی ہیں اگر وہ نہ ہوں تو نظامِ عالم کی ترقی کس حد تک متاثر ہو؟

دراصل ان خواص واثرات ہی کی بدولت انسان اس بارِ امانت (عہدۂ تکلیف یا امانتِ دین) کے اٹھانے کا مستحق قرار پایا جس کو آسمان وزمین کی کوئی مخلوق نہ اٹھاسکی۔ قرآن حکیم میں ہے:

وَحَمَلَهَا الْإِنسَانُ إِنَّهُ كَانَ ظَلُومًا جَهُولًا[2] — انسان نے اس کو اٹھالیا بے شک وہ ظالم وجاہل تھا۔

ظلوم وجہول میں خواص واثرات کی طرف اشارہ موجود ہے کیونکہ

فان الظلوم من لا یکون عادلا ومن شانہ ان یعدل والجہول من لا یکون عالماً ومن شانہ ان یعلم[3]۔ — ظالم وہ ہے جو عادل نہ ہو لیکن اس میں عدل کی صلاحیت ہو۔ جاہل وہ ہے جو عالم نہ ہو لیکن اس میں علم کی صلاحیت ہو۔

---

[1] حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی نے حجۃ اللہ البالغہ اور الخیر الکثیر میں ان شکلوں پر نہایت نفیس بحث کی ہے۔ آسانی کی غرض سے اس کا انداز بدلا گیا اور اضافہ بھی کیا گیا۔

[2] الاحزاب ع ۹ [3] شاہ ولی اللہ حجۃ اللہ البالغہ ج ۱ باب سرّ التکلیف

نہیں پائی جاتی جس کی بنا پر اعلیٰ درجہ کے کاموں پر نظر نہیں ہوتی۔ البتہ حمیت و غیرت اور بہادری وجانبازی وغیرہ صفتوں کی جن کاموں میں ضرورت ہوتی وہ بخوبی انجام پا سکتے ہیں۔ اس "شاکلہ" کے لوگ نسبتہً زیادہ ہوتے ہیں لیکن سپہ گری ومیدان جنگ وغیرہ کے زیادہ اہل ثابت ہوتے ہیں۔

(۳) اعلیٰ انسانی بنیاد اور ضعیف حیوانی بنیاد سے عزم وہمت میں پختگی والے کاموں سے بے رغبتی ہوتی اور اگر موقع ملا تو اعلیٰ انسانی بنیاد کے اثر سے رضاء الٰہی کی خاطر ترک دنیا پر آمادگی ہوجاتی ہے۔

(۴) ادنیٰ انسانی بنیاد اور ضعیف حیوانی بنیاد سے سستی، کاہلی، درماندگی وعاجزی وغیرہ صفتیں پیدا ہوتی تمام چیزوں سے دست برداری میں عافیت نظر آتی اور موقع ملنے پر ترک دنیا کو ترجیح حاصل ہوتی ہے۔

مصالحت والی چار شکلوں کے خواص واثرات انسانی وحیوانی بنیادوں کے امتزاج کے بعد مصالحت کی چار شکلوں کے خواص واثرات یہ ہیں:

(۱) اعلیٰ انسانی بنیاد اور قوی حیوانی بنیاد سے حکمتوں، مصلحتوں اور اسرار ورموز دریافت کرنے کی اہلیت ہوتی اور ریسرچ وتحقیق کے اعلیٰ درجہ کے کام سے دلچسپی ہوتی ہے۔ اس "شاکلہ" کے لوگ بھی اگرچہ بہت کم پائے جاتے ہیں لیکن جو ہوتے ہیں وہ موقع ملنے پر اپنے میدان میں کارہائے نمایاں انجام دیتے ہیں لیکن مصالحت کی وجہ سے قیادت وسرداری کی اہلیت میں کمی آجاتی اور معتقدین کا حلقہ بھی زیادہ نہیں ہوتا۔

(۲) ادنیٰ انسانی بنیاد اور قوی حیوانی بنیاد سے تحقیقی وتنقیدی امور کے بجائے تقلیدی امور کی طرف زیادہ رغبت ہوتی اور گہرائی کے بجائے ظواہر پر قناعت ہوتی ہے۔ مصالحت کی وجہ سے حیوانی بنیاد کی کارکردگی متاثر ہوتی اور کوئی نمایاں کام نہیں انجام دے پاتی۔

(۳) اعلیٰ انسانی بنیاد اور ضعیف حیوانی بنیاد۔

داخلی وخارجی چند رکاوٹیں ایسی ہیں کہ جن کی وجہ سے ان تاروں کا اتصال برقرار نہیں رہتا یا حد درجہ کمزور ہو جاتا ہے جن کو بحال کرنے کے لئے اصلاح وتزکیہ کی ضرورت ہوتی ہے۔ مثلاً

نیکی وبدی کے تار کو غذاء وقوت کا فطری انتظام

(۱) بدی کے تار کا تعلق اجزائے ترکیبی کے خواص سے ہے جن کو غذا اور قوت پہونچانے کے لئے ہر شخص ہر وقت مجبور ہے کہ اس کے بغیر زندگی کے قائم وباقی رکھنے کی کوئی شکل نہیں ہے۔ ان اجزاء کے واسطے سے ہر وقت بدی کے تار کو غذاء وقوت پہونچتی رہتی اور اس میں ابھار پیدا ہوتا رہتا ہے جس سے انسان مادّی خواہشات کی تکمیل میں سرگرم عمل رہتا اور دنیا کی طلب میں مستغرق رہتا ہے۔ نیکی کے تار کو غذاء وقوت پہونچانے اور اس میں اُبھار پیدا کرنے کے لئے اجزاء ترکیبی کی طرح کا کوئی انتظام نہیں ہے۔ بلاشبہ قدرت کی طرف سے نیکی کے تار کے لئے قدرتی انتظام ہے جس کی بدولت ان لوگوں میں بھی کچھ نیکیاں پائی جاتی ہیں جو اصلاح وتزکیہ کے اختیاری پروگرام پر عمل نہیں کرتے لیکن "کان" سے نکلے ہوئے "سونے" کی طرح اول تو یہ نیکیاں "آمیزش" سے پاک وصاف نہیں ہوتی ہیں پھر ان کے ذریعہ حقیقی سرچشمہ سے وہ اتصال نہیں قائم ہوتا جو نیکیوں کا مطلوب ومقصود ہے .... چنانچہ اکثر وبیشتر انھیں نیکیوں کا صدور ہوتا ہے جن کا تعلق مادّی منفعت سے ہے۔ مثلاً کاروبار میں دیانت، معاملات میں صفائی، جفاکشی، فرض شناسی، حب الوطنی، قومی مقاصد کی خاطر قربانی وغیرہ، لیکن جن نیکیوں میں مادی منفعت نہیں نظر آتی اور خالص انسانیت کی رونمائی ہوتی ہے۔ ان کی کوئی قدر وقیمت نہیں ہوتی۔ مثلاً اللہ سے ربط وتعلق کی شکلیں، عفت وعصمت، شرم وحیاء، ادب وشفقت، کنبہ پروری، وسیع القلبی، خلوص اور دل کی پاکی وغیرہ۔ ایسی حالت میں اگر اصلاح وتزکیہ کا اختیاری پروگرام نہ ہو تو نفسی زندگی کی طلب ورسد میں توازن نہ برقرار رہے گا اور انسانی اوصاف وخصائص کا کوئی معیار نہ باقی رہے گا پھر زندگی خود زندگی سے فرار اختیار کرے گی اور انسانیت حیوانیت

چونکہ ان خواص و اثرات پر نظامِ عالم کا بقار و ارتقار موقوف ہے۔ اس بنا پر ان کے بارے میں قدرت کا احساس حد درجہ نازک ہے۔ کسی کو کسی عمل کے ذریعہ ان کو جڑ سے اکھاڑ پھینکنے کا اختیار نہیں دیا۔

اصلاح وتزکیہ کے لغوی مفہوم کا دائرہ

اصلاح وتزکیہ کے لغوی مفہوم (نشوونما دینا) کا دائرہ ان کو صیقل کرنے ان میں نکھار پیدا کرنے ان کی توانائی برقرار رکھنے اور ہر ایک کی مناسبت سے عدل و توازن قائم رکھنے تک محدود ہے۔ اس کے ذریعہ ان کی جڑ میں تبدیلی کا سوال ہی نہیں پیدا ہوتا۔ اور نہ قدرت کی طرف سے ایسی کسی کوشش کی اجازت ہے۔ "سونا" کان سے نکل کر جس خام حالت میں ہوتا ہے تقریبًا وہی حالات شاکلہ کے خواص و اثرات کی ہوتی ہے۔ پھر سونا کو موجودہ شکل میں لانے کے لئے جن مراحل سے گزرنا پڑتا ہے اصلاح وتزکیہ کے ذریعہ تقریبًا انھیں مراحل سے بتدریج گذارا جاتا ہے جس کے لئے قدرتی و اختیاری دونوں قسم کے پروگرام ہیں جو اس وقت ہمارے موضوعِ بحث سے خارج ہیں۔

اصلاح وتزکیہ کے اصلاحی مفہوم کا دائرہ اور اس کی ضرورت

موضوعِ بحث اصلاح وتزکیہ کا اصطلاحی مفہوم ہے جس کا تعلق نفسیاتی بنیادوں کے صرف ایک جزر نیکی و بدی سے ہے۔ جیسا کہ پہلے بتایا جا چکا ہے کہ انسانی اور حیوانی بنیادیں آپس میں ملنے کے بعد نہایت پر پیچ بن جاتی اور مختلف قسم کی بے شمار قوتوں و استعدادوں کا سرچشمہ بنتی ہیں۔ گویا دونوں کی آمیزش سے لاتعداد قسم کے باریک "تار" پیدا ہوتے جن میں مختلف قسم کی قوتیں اور استعدادیں پیوست ہوتی ہیں انھیں میں نیکی و بدی کے "تار" بھی ملے جلے ہوتے ہیں جن کا اصلاح وتزکیہ کے پروگرام سے ربط و تعلق قائم کیا جاتا اور اس کے ذریعہ نیکی کے "تار" کو ابھارا اور بدی کے تار کو دبایا جاتا ہے، تاکہ زندگی کے حقیقی سرچشمہ (اللہ تعالیٰ) سے جملہ تاروں اور ان کی کارگزاریوں کا اتصال برقرار رہے اور انسان صحیح معنوں میں اللہ کا نائب بن کر زندگی کے فرائض انجام دینے کے قابل بن سکے۔

آپ نے فرمایا:

فبم یشبه الولد[۱] — پھر کس بنا پر اولاد اس کے مشابہ ہوتی ہے۔

ایک حدیث میں ہے:

الا ان بنی آدم خلقوا علی طبقات شتی فمنھم من یولد مومنا ویحیی مومنا ویموت مومنا ومنھم من یولد کافرا ویحیی کافرا ویموت کافرا[۲] — یاد رکھو انسان مختلف طبقوں پر پیدا کئے گئے بعض مومن پیدا ہوئے مومن زندہ رہے اور مومن مرے بعض کافر پیدا ہوئے کافر زندہ رہے کافر مرے۔

ایک اور حدیث میں ہے:

الودّ یتوارث[۳] — محبت میں وراثت جاری ہوتی ہے۔

دونوں تاروں کو ماحول کے ذریعہ غذاء و قوت	(۳) نیکی و بدی کے تار کو ماحول کے ذریعہ ہی غذا و قوت پہونچتی ہے جس کا اثر اعمال و اخلاق میں ظاہر ہوتا اور اصلاح و تزکیہ کی ضرورت

ہوتی ہے۔

ماحول کی دو قسمیں ہیں (۱) مادی ماحول اور (۲) اجتماعی ماحول ۔ مادی ماحول میں زندگی کی تمام ضرورتیں اور تفریحات داخل ہیں مثلاً زمین ، فضاء ، آب و ہوا ، دریا ، نہر ، مکان ، باغ وغیرہ ۔ اجتماعی ماحول میں تمام وہ چیزیں داخل ہیں جو مذہب و تمدن سے پیدا ہوتی ہیں مثلاً مدرسہ ، تعلیم ، اخلاق ، افکار ، معتقدات ، ادب ، فن ، پیشہ وغیرہ

قرآن حکیم سے مادی ماحول کا ثبوت

وَالْبَلَدُ الطَّیِّبُ یَخْرُجُ نَبَاتُهٗ بِاِذْنِ رَبِّهٖ — جو پاکیزہ شہر ہے رب کے حکم سے وہاں سبزہ نکلتا

۱؎ بخاری ج ۱ کتاب الانبیاء ۲؎ ترمذی و مشکوۃ باب الامر بالمعروف

۳؎ بخاری ۔ الادب المفرد باب الود یتوارث

کی نقیب بن کر زندہ رہے گی۔

نیکی وبدی کے تار کو وراثت کے ذریعہ غذا، وقوت

(۲) نیکی وبدی کے تار کو وراثت کے ذریعہ بھی غذا، وقوت پہونچتی ہے جس کا اثر اوصاف وخصائص میں ظاہر ہوتا اور اصلاح وتزکیہ کی ضرورت ہوتی ہے یعنی جس طرح انسان ظاہری شکل وصورت میں والدین اور خاندان کے دیگر افراد کے ساتھ کسی نہ کسی حد تک مشابہ ہوتا ہے اسی طرح نفسی ساخت (شاکلہ) میں بھی کسی نہ کسی درجہ مشابہت ہوتی ہے جیسا کہ درج ذیل آیتوں اور حدیثوں سے وراثت کا ثبوت ملتا ہے۔ قرآن حکیم میں ہے:

ثُمَّ جَعَلَ نَسْلَهُ مِنْ سُلٰلَةٍ مِّنْ مَّآءٍ مَّهِيْنٍ[۱] — پھر اللہ نے نچوڑے ہوئے بے قدر پانی (نطفہ) سے اس کی اولاد بنائی

نوح علیہ السلام نے اپنی قوم کو بددعا کرتے ہوئے فرمایا تھا:

رَبِّ لَا تَذَرْ عَلَى الْاَرْضِ مِنَ الْكٰفِرِيْنَ دَيَّارًا اِنَّكَ اِنْ تَذَرْهُمْ يُضِلُّوْا عِبَادَكَ وَلَا يَلِدُوْا اِلَّا فَاجِرًا كَفَّارًا[۲] — اے میرے رب زمین پر کافروں کا ایک گھر بسنے والا نہ چھوڑیئے اگر آپ ان کو چھوڑیں گے تو تیرے بندوں کو گمراہ کریں گے اور ان سے کافر و فاجر ہی اولاد پیدا ہوگی۔

بہت سی آیتوں میں یہود ونصاریٰ کے آباء واجداد کا ذکر کرکے ان کی اولاد کی موجودہ روش پر استدلال کیا گیا ہے جن سے اوصاف وخصائص کی تعمیر میں وراثت کا ثبوت ملتا ہے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے آیتوں سے معنویت حاصل کرکے مختلف حدیثوں میں وراثت کا ذکر کیا ہے مثلاً آپ سے سوال کیا گیا

اتحتلم المرءة — کیا عورت کو احتلام ہوتا ہے

---

[۱] السجدہ ع ۲ [۲] نوح ع ۲

جبلّی وہ ہیں جن کا تعلق نفسیاتی بنیادوں کے خواص سے ہے یہ انسان کی سرشت اور خمیر میں داخل ہیں اور ان میں انسان کو کوئی اختیار نہیں ہے ۔ اصلاح وتزکیہ کے ذریعہ ان کے استعمال کا رخ پھیرا جاتا اور ان کے مضر اثرات کو دور کیا جاتا ہے ۔ ان کو جڑ سے اکھاڑ پھینکنے کا سوال ہی نہیں پیدا ہوتا ۔

غیر جبلّی وہ ہیں جن کا تعلق نیکی وبدی کے تاروں کو غذا وقوت پہونچانے سے ہے ۔ جس قسم کی اور جتنی غذا وقوت پہونچے گی اسی کے لحاظ سے ان کا صدور ہوگا ۔ یہ بڑی حد تک انسان کے اختیار میں ہیں ۔ اصلاح وتزکیہ کے ذریعہ ان میں تبدیلی کی جاتی اور برائیوں کی جگہ اچھائیوں کی عادت ڈالی جاتی ہے اور بہت سے ایسے طریقوں کی مشق کرائی جاتی ہے کہ جن سے مستقل طور پر نیکی کے تار میں ابھار اور بدی کے تار میں دباؤ ہوتا رہتا ہے ۔

ایک شبہ کا جواب

یہاں یہ واضح کردینا ضروری ہے کہ اصلاح وتزکیہ کا جو پروگرام اس وقت زیر بحث ہے اس کے ذریعہ نفسیاتی بنیادوں کی دوسری قوتوں اور تاروں کی کارکردگی میں کوئی فرق نہیں آتا بلکہ ان میں نکھار اور بانکپن پیدا ہوتا ہے کیونکہ قدرتی انتظام کے مطابق کسی قوت اور تار کو بھی اس انداز میں ابھارنے اور دبانے کی اجازت نہیں دی جاسکتی کہ دوسری قوتوں اور تاروں کی مطلوبہ کارکردگی متاثر ہو ۔ ورنہ نظام عالم میں خلل واقع ہوگا اور قدرت کے منشا کی تکمیل نہ ہوسکے گی ۔ یہی وجہ ہے کہ اس پروگرام میں تمام ان طریقوں کی سختی کے ساتھ ممانعت ہے جس میں دوسری قوتوں اور تاروں کی کارکردگی پر اثر پڑے مثلاً کسی عضو کو کاٹ دینا ، شل کر دینا اور ایسی ناقابل برداشت تکلیف پہونچانا اور اٹھانا کہ جس سے کوئی قوت یا عضو بیکار ہو جائے یا غذا وقوت میں ایسی کمی کہ اس قوت کی دوسری کارکردگی میں فرق آئے کیونکہ بدی کے تار کا تعلق جس قوت سے ہے اس سے نکلنے والے بہت سے تار ہیں جن کے سپرد دوسرے بہت سے کام ہیں اور غذا وقوت میں کمی سے وہ لازمی طور پر متاثر ہوتے ہیں اور ان کی کارکردگی میں فرق آتا ہے ۔

وَالَّذِیْ خَبُثَ لَا یَخْرُجُ اِلَّا نَکِدًا[1] — ہے اور جو گندہ ہے اس سے ناقص ہی نکلتا ہے۔

اجتماعی ماحول کا ثبوت

وَاِذَا اَرَدْنَا اَنْ نُّهْلِكَ قَرْيَةً اَمَرْنَا مُتْرَفِيْهَا فَفَسَقُوْا فِيْهَا فَحَقَّ عَلَيْهَا الْقَوْلُ فَدَمَّرْنٰهَا تَدْمِيْرًا[2] — جب ہم کسی بستی کو ہلاک کرنا چاہتے ہیں تو وہاں کے خوشحال وبا اثر لوگوں کو حکم (تکوینی) دیتے پس وہ نافرمانی میں سرگرم ہو جاتے ہیں جس سے عذاب کا قانون ان پر ثابت ہو جاتا پھر ہم ان کو ہلاک کر دیتے ہیں۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے آیتوں سے معنویت حاصل کر کے فرمایا:

من سكن البادية جفا[3] — جس نے جنگل میں سکونت اختیار کی اس میں سختی آگئی

ایک اور حدیث میں ہے:

ومنهم من يولد مومنا ويحيى مومنا ويموت كافرا ومنهم من يولد كافرا ويحيى كافرا ويموت مومنا[4] — بعض مومن پیدا ہوئے مومن زندہ رہے اور کافر مرے۔ بعض کافر پیدا ہوئے کافر زندہ رہے اور مومن مرے۔

انسان میں دو قسم کے اوصاف وخصائص حاصل یہ کہ انسان میں دو قسم کے اوصاف وخصائص پائے جاتے ہیں:

(۱) جبلّی اور

(۲) غیر جبلّی

---

[1] الاعراف ع ۷ [2] بنی اسرائیل ع ۲

[3] ابو داؤد ج ۲ کتاب الضحایا باب فی اتباع الصید و ترمذی کتاب الفتن

[4] ترمذی و مشکوٰۃ باب الامر بالمعروف

علامہ فضل امام خیرآبادی

از جناب مولوی ریاض الانصاری صاحب سیتاپوری

خیرآباد (اودھ) ضلع سیتاپور اپنی امتیازی خصوصیات کی بنا پر صدیوں سے مشہور ومعروف اورعلم ودانش کا عظیم النظیر گہوارہ رہا ہے۔ اس سرزمین میں ان عظیم شخصیتوں نے جنم لیا جن کے چشمۂ فیض سے ہندوستان کی بڑی بڑی درسگاہیں سیراب ہورہی ہیں۔

بارہویں صدی ہجری کے اواخر اور تیرہویں صدی ہجری کے اوائل میں جن تین عظیم مکتب فکر کا تذکرہ ملتا ہے انھیں میں سے ایک خیرآباد کی درسگاہِ حکمت وفلسفہ ہے۔ دوسری خاندان ولی اللہ کی درسگاہِ علم تفسیر وحدیث، تیسری فرنگی محل کی درسگاہِ علم فقہ۔

اس سرزمین میں علم وحکمت رشد وہدایت کے وہ آفتاب وماہتاب پیدا ہوئے جن کو تاریخ کبھی فراموش نہیں کرسکتی۔ انھیں میں سے صفت اللہ ابن مدینۃ اللہ م سنہ ۱۱۵۷ھ مشہور محدث جنھوں نے علم حدیث کی تحصیل ابوطاہر مدنی سے مدینہ منورہ میں کی تھی، قطب الدین ابن ہدی فضل وصلاح میں یگانۂ روزگار، شیخ احمد اللہ م سنہ ۱۱۶۷ھ بہت زبردست فقیہ واصولی، شعیب ابن یعقوب م سنہ ۱۱۹۷ھ صاحب وجد وحال۔ تراب علی ابن نصرت اللہ م سنہ ۱۲۴۲ھ صاحب کمال، شیخ محمد علی م سنہ ۱۲۶۶ھ بہت بڑے بزرگ صوفی منش درویش صفت، شیخ محمد عوض م سنہ منطق وفلسفہ کے ماہر امام[1]

---

[1] نزہۃ الخواطر

نیکی وبدی کا دائرہ

پھر نیکی وبدی کا دائرہ بھی زندگی کے کسی ایک گوشہ میں محدود نہیں ہے بلکہ اس کا تعلق زندگی کے تمام گوشوں سے ہے چنانچہ اس پروگرام میں نیکی وبدی سے متعلق جس قدر تصریحات واشارات ہیں ان کے لحاظ سے درج ذیل قسم کے کام نیکی میں شمار ہوں گے۔

(۱) ہر وہ کام جو اللہ سے تعلق پیدا کرنے اور اس کی رضار حاصل کرنے کے لئے کیا جائے۔

(۲) ہر وہ جس سے نیکی کے تار کو غذا و قوت پہونچے۔

(۳) ہر وہ جو زندگی میں اطاعت وانقیاد کی حالت پیدا کرے۔

(۴) ہر وہ جس سے مدنیت کو فروغ ہو اور نظم وانتظام برقرار رہے۔

(۵) ہر وہ جس کی دنیا یا آخرت میں اس کی جزار ملے۔

نیکی کے مقابل بدی ہے اس میں یہ کام شامل ہوں گے:

(۱) ہر وہ کام جس کے ذریعہ شیطان سے تعلق پیدا ہو اور اس کی رضار حاصل کی جائے۔

(۲) ہر وہ جس سے بدی کے تار کو غذا اور قوت پہونچے

(۳) ہر وہ جو زندگی میں مخالفت وسرکشی کی حالت پیدا کرے

(۴) ہر وہ جس سے مدنی زندگی میں خلل واقع ہو اور مدنیت پائمال ہو۔

(۵) ہر وہ جس سے دنیا یا آخرت میں اس کی سزا ملے۔

اس تفصیل سے ظاہر ہے کہ نیکی میں بہت سے وہ کام شامل ہیں جن کا تعلق دوسری قوتوں سے ہے اور بدی میں بہت سے وہ ہیں جن سے دوسری قوتیں متاثر ہوتی ہیں ایسی حالت میں اصلاح وتزکیہ کے ذریعہ نیکی کے تار کو ابھارنے اور بدی کے تار کو دبانے سے دوسری قوتوں اور تار دل کی کارکردگی میں فرق پڑنے کا سوال ہی نہیں پیدا ہوتا بلکہ اس سے وہ قوتیں اور تار نمور وبالیدگی حاصل کریں گے اور لازمی طور سے ان کی کارکردگی میں نکھار و بانکپن پیدا ہوگا۔

(باقی)

کا شمار مشاہیر علماء میں ہونے لگا۔

ان میں سے شمس الدین مسند قضائے رہتک پر مامور ہوئے (جو حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی علیہ الرحمۃ کے جد اعلیٰ میں سے ہیں اور آپ انھیں کی اولاد میں سے ہیں) دوسرے بھائی بہاء الدین قبۃ الاسلام بدایوں کی مسند قضا پر جلوہ افروز ہوئے۔ اس ثانی الذکر خاندان کا مولد و مسکن شیخ ارزانی تک قبۃ الاسلام بدایوں ہی رہا لیکن ان کے بیٹے عماد الدین تحصیل علم کی غرض سے قاضی ہرگام کی خدمت میں پہونچے اور تحصیل علم کی۔ قاضی ہرگام نے اپنے شریف و نجیب شاگرد کی شرافت و نجابت دیکھ کر اپنا داماد بنا لیا۔ بالآخر قاضی ہرگام کے وصال کے بعد خود عماد الدین قاضی ہرگام مقرر ہوئے اور آخر عمر تک یہیں مقیم رہے[1]

مولوی مصطفیٰ علی گوپاموی نے تذکرۃ الانساب میں بیان کیا ہے:

"قاضی ہرگام دختر خود را قاضی عماد الدین معروف بہ عماد کتخدا کرد ند بعد قاضی ہرگام عماد بہ مسند قضائے ہرگام مامور شدند ہماں جاں وفات یافت و مدفون گردید۔

قاضی ہرگام نے اپنی لڑکی کا نکاح قاضی عماد الدین سے کر دیا۔ قاضی ہرگام کی وفات کے بعد قاضی عماد مسند قضاء پر مامور ہوئے یہیں وفات ہوئی اور یہیں مدفون ہوئے۔

(تذکرۃ الانساب)

قاضی عماد الدین کی مستقل سکونت کے بعد ان کے بیٹوں اور پوتوں کا یہی مسکن رہا۔ لیکن آخر میں حضرت علامہ فضل امام کے والد شیخ محمد ارشد نے ہرگام کو خیرباد کہا اور خیرآباد تشریف لاکر مستقل سکونت اختیار کر لی۔ علامہ یہیں پیدا ہوئے اور یہیں تعلیم حاصل کی۔

علامہ کے استاذ حضرت علامہ کے استاذ مفتی عبد الواجد کرمانی خیرآبادی ہیں۔ علامہ نے تمام علوم معقولات و منقولات کا اکتساب مفتی عبد الواجد ہی سے کیا۔ مولوی رحمٰن علی

---

[1] تذکرۃ الانساب

نیز خاندان فضل امام سے مجاہد جلیل علامہ فضل حق اور ان کے خلف اکبر شمس العلماء عبدالحق خیر آبادی جیسے مشاہیر علماء پیدا ہوئے۔

نام ونسب نام فضل امام نسبتاً فاروقی مسلکاً حنفی ماتریدی وطناً خیر آبادی ہیں۔ آپ کا سلسلہ نسب حضرت امیر المومنین خلیفہ ثانی عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ تک بتیس ۳۲ واسطوں سے پہونچتا ہے۔

سلسلۂ نسب اس طرح ہے: فضل امام ابن شیخ محمد ارشد بن حافظ محمد صالح بن ملا عبدالواحد ابن عبدالماجد بن قاضی صدرالدین بن قاضی اسمٰعیل ہرگامی بن قاضی عمادالدین بن شیخ ارزانی بدایونی بن شیخ منور بن خطیر الملک بن شیخ سالار شام بن شیخ وجیہہ الملک بن شیخ بہاءالدین بن شیر الملک بن شاہ عطاء الملک بن ملک بادشاہ بن حاکم بن عادل بن تائرون بن جرجیس بن احمد بن نامدار بن محمد شہریار بن محمد عثمان بن دامان بن ہمایوں ابن قریش بن سلیمان بن عفان بن عبداللہ بن محمد بن عبداللہ امیر المومنین خلیفۃ المسلمین حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہم۔

(باغی ہندوستان ص۱۲)

علامہ کے جدِ اعلیٰ علامہ کی چودھویں پشت میں شیر الملک بن عطاء الملک کا نام آتا ہے یہ علامہ کے جد اعلیٰ تھے۔ یہ ملک ایران کے ایک اچھے خاصے زمیندار اور چھوٹی سی ریاست کے تاجدار تھے لیکن زمانے نے کروٹ لی ریاست پر زوال آیا حالات سازگار نہ رہے تو زمینداری سے دستکش ہوکر تحصیل علم دین میں مصروف عمل ہوئے۔ بالآخر انتقال کے بعد دو فرزند پسماندگان میں چھوڑے۔

شیخ شمس الدین و بہاء الدین نے ایران کو خیرباد کہا اور رخت سفر باندھ کر ہندوستان کا رخ کیا۔ جس زمانے میں وہ یہاں تشریف لائے اس وقت ہندوستان علم وعلماء کی قدردانی میں کافی شہرت حاصل کر چکا تھا۔ ان دونوں بزرگوں کا یہاں تشریف لانا ہندوستان کے لئے ایک بڑی عظیم الشان خدمت کا موقع تھا چنانچہ ان دونوں بزرگوں کی بڑی قدرومنزلت ہوئی۔ اور ان

لون من شوال سنة ست عشرة | سرفہرست ہیں۔ آپ کی وفات ۱۶ شوال یوم جمعہ
مأتين و الف كما في آمدنامه" | ۱۲۱۶ھ کو ہوئی جیسا کہ "آمدنامہ" میں مذکور ہے۔

نزهة الخواطر ج ۷ ص ۳۱۲، ۳۱۳

لامہ فضل امام خیرآبادی شاہجہاں آباد

علامہ نے تحصیل علوم کے بعد شاہجہاں آباد (دہلی) کا رُخ کیا۔ علم وفن میں ایک منفرد حیثیت رکھنے کی وجہ سے ان کی بڑی قدر ومنزلت ہوئی اور یہیں لی ہی میں درس وتدریس کا سلسلہ جاری کیا۔ اس زمانے میں حکومت کی جانب سے علماء کو دیئے نے والا سب سے بڑا عہدہ عہدۂ صدر الصدوری تھا۔ لہٰذا حکومت انگلشیہ نے علامہ کا علمی پایہ یکھ کر عہدۂ صدر الصدوری کی پیش کش کی۔ علامہ نے بطیب خاطر منظور فرمالیا اور منصب صدر الصدوری جلوہ افروز ہوئے۔ مولوی رحمٰن علی رقمطراز ہیں:

منصب صدر الصدوری شاہ جہاں آباد از | شاہ جہاں آباد میں سرکار انگلشیہ کی جانب سے
سرکار انگلشیہ عزت و امتیاز داشت | عہدہ صدر الصدوری ملا اور بڑی عزت نصیب
تذکرہ علماء ہند ص ۱۶۳ | ہوئی۔

خصوصیات درس

علامہ منصب صدر الصدوری کے فرائض بحسن وخوبی انجام دینے کے ساتھ درس کا سلسلہ بھی جاری رکھتے تھے۔ آپ کے درس کی سب سے بڑی خصوصیت شاہ غوث علی نے بیان کی ہے (جو آپ کے شاگرد ہیں) کہ

"باری تعالیٰ نے آپ کے اندر انہام وتفہیم کا ایسا جوہر وملکہ ودیعت فرمایا تھا کہ طلباء ایک مرتبہ سبق سننے کے بعد کسی دوسری طرف کا رخ نہ کرتے تھے۔ طالب علم کے ذہن میں پورا مسئلہ نقش کالحجر ہوجاتا تھا۔"

(تذکرہ غوثیہ)

لہ یہ خود علامہ فضل امام کی کتاب ہے جو قواعد فارسی میں ہے (تذکرہ علماء ہند ص ۱۶۳)

تذکرہ علمار ہند میں لکھتے ہیں :

مولوی فضل امام خیر آبادی شیخ فاروقی شاگرد رشید مولوی سید عبد الواجد خیر آبادی اند

مولوی فضل امام خیرآبادی مولوی سید عبد الواجد خیرآبادی کے شاگرد رشید ہیں ۔

تذکرہ علمار ہند ص۱۶۲

اسی کو حکیم سید عبد الحئی صاحبؒ نے نزہتہ الخواطر میں ذکر کیا ہے :

وَلَدَ و نَشَاءَ بخیر آباد وقرأ العلم علی مولانا عبد الواجد الخیرآبادی

خیرآباد ہی میں پیدا ہوئے یہیں پرورش پائی اور علم کا اکتساب مولوی عبد الواجد خیرآبادی سے کیا ۔

نزھة الخواطر ص۳۶۴ ج ۷

استاذ کا علمی مقام

علامہ عبد الواجد کرمانی اپنے زمانے کے بڑے جید عالم اور زبردست علمار میں سے تھے ۔ انھوں نے اکتساب علم اپنے بھانجے محمد اعظم سندیلوی سے کیا اور کچھ کتابیں قاضی وہاج الدین بن قطب الدین گوپاموی سے پڑھیں ۔ شرح ہدایت الحکمت شیخ احمد اللہ بن صبغتہ اللہ سے پڑھی ۔ تحصیل علم کے بعد موصوف نے درس و تدریس کا سلسلہ جاری کیا ۔ اخیر عمر میں راجہ ٹکیت رائے کی طلبی پر لکھنؤ تشریف لے گئے اور مسند افتار پر مامور ہوئے ۔ اشتغال افتار کے ساتھ درس کا شغل بھی جاری رکھا ۔ بہت سے علمار نے آپ سے استفادہ کیا ان میں علامہ فضل امام کا نام زیادہ روشن ہے آپ کی وفات ۱۳ر شوال یوم جمعہ ۱۲۱۶ھ میں ہوئی ۔

ثم تصدر للتدریس قدرس زماناً طویلاً ببلدة خیرآباد ثم ولی الافتاء ببلدة لکھنؤ ولاہ راجہ تکیت رائے وکان یدرس مع اشتغالہ بالافتاء واخذ عنہ الشیخ فضل امام الخیرآبادی وخلق کثیر مات یوم الجمعۃ لاربع لیالٍ

عرصہ دراز تک درس و تدریس کا شغل خیرآباد میں جاری رکھا اس کے بعد لکھنؤ کے دار الافتار کا ذمہ دار بنادیا گیا ۔ یہ عہدہ راجہ ٹکیت رائے کی طرف سے نوازا گیا ۔ افتار کی معروفیتوں کے باوجود شغل درس جاری رکھتے تھے ۔ آپ سے کثیر خلقت نے استفادہ کیا ان میں فضل امام

ندازسے کیا ہے اس سے علامہ کے علمی مقام اور ان کی بے پناہ عقیدت کا پتہ چلتا ہے۔ لکھتے ہیں:

"اکمل افراد نوع انسی، مہبط انوار فیض قدسی، سراب سرچشمۂ عین الیقین مؤسس اساس ملت ودین، ماحی آثار جہل ہادم بنائے اعتساف، محی مراسم علم بانی مبانی انصاف، قدوۂ علمائے فحول، حاوی معقول ومنقول، سند اکابر روزگار، مرجع اعالی وادنیٰ ہر دیار، مزاجدان شخص کمال، جامع صفات جلال وجمال، مورد فیض ازل وابد، مطرح انظار سعادت سرمد، مصداق مفہوم تمام اجزائے واسطۃ العقد، سلسلۂ حکمت اشراقی ومشائی، زبدۂ کرام، اسوۂ عظام، مقتدائے انام، مولانا مخدومنا فضل امام، ادخلہ اللہ المقام فی جنۃ النعیم بلطفہ العمیم

آثار الصنادید باب چہارم ص۶۲

علامہ فضل امام کے خلف اکبر علامہ فضل حق کو دیکھ کر خود علامہ کے علمی مقام کا اندازہ ہوسکتا ہے جنھوں نے معقولات اپنے والد بزرگوار علامہ موصوف سے حاصل کیا تھا۔

علامہ کی منطق وحکمت کا سلسلۂ سند حضرت ادریس علیہ الصلوۃ والسلام کے معجزات منطقیہ تک متعدد واسطوں سے پہونچتا ہے۔ جس کو عبد الشاہد خاں شروانی صاحب نے تفصیل کے ساتھ اپنی مؤلفہ "باغی ہندوستان" میں بیان کیا ہے۔

باغی ہندوستان ص۹۵، ۹۱

اخلاق وکردار آپ بہت ہی شفیق وکریم تھے۔ آپ کے اخلاق حمیدہ کو مولوی گل حسن شاہ نے تذکرۂ غوثیہ میں شاہ غوث علی کا بیان نقل کیا ہے۔ لکھتے ہیں:

"مجھے شاہ عبد العزیز وشاہ عبد القادر اور مولانا فضل امام کی شاگردی کا فخر حاصل ہے۔ آخر الذکر استاذ کی جو شفقت میرے حال پر تھی وہ بیان سے باہر ہے ــــ یہاں تک کہ شاہ غوث علی نے علامہ کے وصال پر تعلیمی مشغلہ کو بالکل منقطع کر دیا اور کہا "جب تک ایسا

علمی مقام

علامہ تمام علوم عقلیہ ونقلیہ کے متبحر عالم تھے۔ لیکن آپ امام منطق کی حیثیت سے زیادہ نمایاں ومتعارف ہوئے۔ آپ کے تبحر علمی کا اندازہ اس سے ہوسکتا ہے کہ ایک طرف خاندان ولی اللہی کے چشم وچراغ بلکہ شاہ ولی اللہ کے سچے جانشین اور علم حدیث کے پکے امین حضرت شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی کا درس علم حدیث وتفسیر پورے ہندوستان ہی میں نہیں بلکہ غیر ممالک میں بھی مشہور رہتا۔ چنانچہ غیر ممالک سے علم حدیث وتفسیر کے پیاسے العطش العطش کی صدائیں بلند کرتے دارالحکومت دلی کا رُخ کرتے تھے ـــــ تو دوسری طرف علامہ فضل امام کا درس منطق شہرۂ آفاق اور آپ کی کلاہ افتخار کا طرۂ امتیاز تھا۔

"درعلوم عقلیہ گوئی سبقت ربودہ"

(تذکرہ علماء ہند ص۱۶۲)

یہ تقابل علامہ کے علمی مقام کی بیّن شہادت ہے۔ علامہ علم ومنطق وفلسفہ میں اپنا ثانی نہیں رکھتے تھے۔ اپنے وقت کے منفرد امام تھے۔

فضل امام الخیر آبادی احد مشاھیر العلماء المنفرد بالامامۃ فی صناعۃ المیزان والحکمۃ فی عصرہ ولم ینازعہ فی ذالک احد من نظرائہ

علامہ خیر آبادی مشاہیر علماء میں سے ہیں۔ علم منطق وحکمت میں اپنے زمانے کے منفرد امام تھے۔ اس فن میں کوئی ان کا ہمسر نہیں

نزھۃ الخواطر ص۳۷۴ ج۷

آگے چل کر پھر لکھتے ہیں:

ثم درس وافاد واقبل علی المنطق اقبالاً کلیاً

پھر افادہ واستفادہ میں مشغول ہوئے اور پورے طور پر منطق کی طرف متوجہ ہوئے۔

نزھۃ الخواطر ص۳۷۴ ج۷

جوادالدولہ سرسید احمد خاں صاحب نے آثار الصنادید میں علامہ کا تذکرہ جس والہانہ

چوں ارادت از پئے کشف شرف | حسب سال فوت آں عالی مقام
چہرۂ ہستی خراشیدم نخست | تا بنائے تخرجہ گردد تمام
گفتم اندر سایۂ لطف نبی | باد آرامشگہ فضل امام

۱۲۴۴ھ

لیکن حضرت علامہ کی تاریخ وفات یہی آخر الذکر صحیح ہے اور اس کی صحت پر قرینہ یہ ہے کہ تمام تذکرہ نویسوں نے اس کی صراحت کی ہے کہ حضرت علامہ فضل امام کے وصال کے وقت علامہ فضل حق کی عمر اٹھائیس ۲۸ سال کی تھی نیز یہ بات بھی مسلّم ہے کہ فضل حق کی ولادت ۱۲۱۲ھ مطابق ۱۷۹۷ء میں ہوئی ہے۔ لہٰذا اس حساب سے علامہ فضل امام کی تاریخ وفات ۵ ذیقعدہ ۱۲۴۰ھ ہی نکلتی ہے۔

تصنیفات علامہ کی تصانیف کی تعداد ایک درجن سے زائد ہے لیکن ان میں سے چند جو آج کسی نہ کسی صورت (مطبوعہ وغیر مطبوعہ) میں موجود ہیں۔ حسب ذیل ہیں:

مرقات[۱]، حاشیہ میر زاہد رسالہ[۲]، حاشیہ میر زاہد ملا جلال[۳]، حاشیہ افق مبین[۴]، تلخیص الشفاء[۵]، نخبۃ السر[۶]، آمد نامہ[۷] .... ان مصنفات میں "مرقات" کو جو قبولیت عامہ حاصل ہوئی وہ کسی مبتدی یا منتہی طالب علم اور کسی معلم و مدرس سے مخفی و پوشیدہ نہیں۔

علامہ کے شاگرد حضرت علامہ فضل امام کے شاگردوں کی تعداد سیکڑوں سے متجاوز ہے۔ ہزاروں تشنگان علم اس بحر بے پایاں سے سیراب و بہرہ ور ہوئے۔ تاہم آپ کے ارشد تلامذہ میں سے دو کا نام سر فہرست ہے جو ہر علمی حیثیت سے ممتاز و متعارف ہوئے۔ ان میں ایک علامہ موصوف کے خلف اکبر حضرت علامہ فضل حق خیر آبادی ہیں اور دوسرے حضرت مولانا مفتی صدر الدین خاں آزردہ دہلوی۔ یہ دونوں حضرات امام وقت اور یگانۂ فن تھے۔ نیز اپنے

لہ نزہۃ الخواطر ص ۳۷۴ ج ۷ و تذکرہ علماء ہند ص ۱۶۳۔

شفیق و قابل استاذ نہ ملے گا نہ پڑھوں گا"

(ظفر المحصلین ص ۳۲۹ بحوالہ تذکرۂ غوثیہ)

تاریخ وفات کا اختلاف

علامہ موصوف اپنے وصال سے چند سال پہلے اپنے وطن مالوف چلے گئے تھے۔ جانے کے بعد پھر واپس ہونے کا ارادہ ہی نہ فرمایا۔ یہاں تک کہ خیرآباد میں وصال ہوگیا۔ احاطۂ درگاہ سعد الدین خیرآبادی میں اپنے دادا اپنے دادا استاد شیخ محمد اعظم سندیلوی اور مشفق استاذ مولوی عبدالواجد کرمانی کے جوار میں مدفون ہیں۔

آپ کی تاریخ وفات کے سلسلے میں مختلف اقوال ہیں:

(۱) سرسید احمد خاں صاحب نے آثار الصنادید میں ۵ ر ذیقعدہ ۱۲۴۴ھ ذکر کی ہے۔

(۲) مولوی رحمٰن علی صاحب نے تذکرہ علماء ہند میں ۵ ر ذیقعدہ ۱۲۴۳ھ بیان کی ہے۔ چنانچہ لکھتے ہیں:

"پنجم ذیقعدہ سال دو از دہ صد و چہل و سہ ہجری داعی اجل را لبیک اجابت گفتہ"

تذکرہ علماء ہند ص ۱۶۲

(۳) حکیم سید عبدالحئی صاحب نزہۃ الخواطر میں رقمطراز ہیں:

مات بخیرآباد لخمس خلون من ذیقعدۃ سنۃ ثلاث وادبعین ومائتین والف	بمقام خیرآباد ۵ ر ذیقعدہ ۱۲۴۳ھ میں وصال ہوا۔

ج ۳ ص ۲۷۴

(۴) مرزا اسداللہ خاں غالب نے جو تاریخ وفات لکھی ہے وہ ۱۲۴۰ھ ہے چنانچہ نجم الدولہ غالب نے جو قطعہ "سبد چین غالب" میں لکھا ہے وہ یہ ہے:

اے دریغا قدوۂ ارباب فضل کرد سوئے جنۃ الماوی خرام

شاعری میں ممتاز تھے خصوصاً منطق وفلسفہ آپ کی کلاہِ افتخار کا طرۂ امتیاز ہے ۔ اس موقع پر سید عبدالحئی صاحب اس طرح رطب اللسان ہیں :

احد الاساتذة المشهورين لم يكن له نظير فی زمانه فی الفنون الحكمية والعلوم العربية	آپ کا شمار مشہور اساتذہ میں سے ہے جن کی نظیر منطق وحکمت اور علوم عربیہ میں نہیں ہے ۔
فاق اهل زمانه فی الخلاف والجدل والميزان والحكمة واللغة وقرض الشعر وغيرها ونظمه يزيد علی اربعة آلاف شعر وغالب قصائده فی مدح النبی صلی الله عليه وسلم وبعضها فی هجو الكفار انتهٔ الطلبة للاشتغال عليه من بلاد بعيدة فدرس وافاد والف واجاد	علامہ علم مناظرہ ، منطق وحکمت اور لغت وشعر گوئی وغیرہ میں شہرۂ آفاق اور ہمعصروں پر فائق ہیں ۔ آپ کا منظوم کلام چار ہزار اشعار سے زیادہ پر مشتمل ہے ۔ اکثر قصائد آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کی مدح ومنقبت میں ہیں اور بعض کفار کی ہجو میں ۔ آپ کے پاس طلبہ علم کے لئے دور دراز شہروں سے آتے اور آپ انکو درس دیتے ۔

نزھۃ الخواطر ج ۷ ص ۳۷۲

درمنطق وفلسفہ وحکمت وادب وکلام و اصول وشعر فائق الاقران و استحضارے فوق البیان داشت نظمش بر چہار اشعار خواہد بود[عہ]	منطق وفلسفہ وحکمت وادب وکلام واصول اور شعر گوئی میں اپنے ہمعصروں سے ممتاز ہیں ۔ اور آپ کا علمی استحضار بیان سے بالاتر ہے ۔ آپ کا منظوم کلام چار ہزار اشعار سے زائد پر مشتمل ہے ۔

تذکرہ علماء ہند ص ۱۶۴

علامہ کا درس اتنا صاف وشگفتہ ہوتا تھا کہ طالب علم کتاب کے مطالب کو باسانی سمجھ لیتا تھا کسی قسم کی دشواری و دقت پیش نہیں آتی تھی ۔ مولوی رحمٰن علی صاحب تذکرہ علماء ہند

عہ شاید یہاں نقل میں غلطی ہوگئی ہے ۔ (مصحح)

اساتذہ کے بعد اپنی مثال آپ تھے۔

علامہ فضل حق خیرآبادی

آپ کا سن ولادت ۱۲۱۲ھ مطابق ۱۷۹۷ء ہے۔ آپ اپنے آبائی وطن خیرآباد میں پیدا ہوئے۔ جب آپ سن شعور کو پہونچے تو آپ کے والد علامہ فضل امام نے بغرض تعلیم دہلی بلالیا۔ آپ یہیں تعلیم میں مشغول ہوئے۔ منقولات کی تحصیل حضرت مولانا شاہ عبدالقادر محدث دہلوی سے اور معقولات کی تکمیل اپنے پدر بزرگوار علامہ موصوف سے کی۔ آپ کا قوت حافظہ بہت غضب کا تھا۔ تیرہ سال میں تمام علوم معقولات و منقولات سے فراغت حاصل کرکے چار ماہ کی قلیل مدت میں پورا قرآن پاک حفظ کرلیا۔

اس کے علاوہ علوم باطنی کے لئے آپ کا سلسلہ دہلی کے مشہور صوفی و بزرگ شاہ دہومن سے قائم کیا۔

در سال دوازدہ صد و دوازدہ ہجری ولادت یافتہ شاگرد پدر خود مولوی فضل امام است حدیث از شاہ عبدالقادر دہلوی اخذ کردہ و قرآن مجید در چہار ماہ یاد گرفتہ و فراغ علمی بعمر سیزدہ سالگی حاصل نمود مرید شاہ دھومن دہلوی بود۔

۱۲۱۲ھ میں پیدائش ہوئی اور اپنے پدر بزرگوار کے شاگرد رشید ہیں علم حدیث کا اکتساب شاہ عبدالقادرؒ سے کیا۔ اور قرآن پاک چار ماہ میں مکمل حفظ کرلیا۔ اور تیرہ سال کی عمر میں فراغت حاصل کرلی۔ اور شاہ دہومنؒ کے مرید ہوئے۔

تذکرہ علماء ہند ص ۱۶۴

اخذ الحدیث عن الشیخ عبدالقادر بن ولی اللہ العمری الدھلوی وحفظ القرآن فی اربعۃ اشھر

نزھۃ الخواطر ص ۳۷۴ ج ۷

علم حدیث کا اکتساب حضرت شاہ عبدالقادر بن ولی اللہ محدث دہلویؒ سے کیا اور چار ماہ میں پورا قرآن حفظ کرلیا۔

آپ ایک مسلم الثبوت استاذ اور متبحر عالم تھے، خلاف وجدل، منطق وحکمت، ادب ولغت، شعر و

جامع فضائل ظاہری وباطنی، بنائی فضل و افضال، بہار آرائے چمنستان کمال ہتکی ارایک اصابت رائے، مسند نشین دیوان افکار رسائی، صاحب خلق محمدی، مورد سعادت ازلی وابدی، حاکم محاکمہ مناظرات، فرمانروائے کشور محاکمات، عکس آئینہ صافی ضمیری ثالث اثنین بدیعی وحریری، المعی وقت لوذعی اوان، فرزدق عہد لبید دوراں، مبطل باطل ومحق حق مولانا محمد فضل حق رح۔

منقول از آثار الصنادید باب چہارم ص ۶۳-۶۲

علامہ ۱۸۰۹ء سے ۱۸۵۸ء تک پچاس سال مسلسل درس دیتے رہے۔ ہندوستان اور بیرون ہند ہر جگہ سے طلبار آپ سے استفادہ کرنے آتے تھے۔ آپ کے تلامذہ میں شمس العلماء عبدالحق خیر آبادی خلف الرشید حضرت علامہ موصوف، مولانا ہدایت اللہ خاں جونپوری، ادیب جلیل مولوی فیض الحسن صاحب سہارنپوری (استاذ علامہ شبلی) مولانا خیر الدین دہلوی (والد امام الہند ابوالکلام آزاد) کافی مشہور ہوئے۔

ثانی الذکر مولانا ہدایت اللہ صاحب کے شاگرد رشید حضرت علامہ ابراہیم صاحب بلیاوی رح سابق صدر المدرسین دارالعلوم ہیں جن کے فیض تربیت نے دارالعلوم دیوبند کو ایک خاص شہرت دی۔

علامہ فضل حق بھی کثیر التصانیف ہیں:

ومن مصنفات الشیخ فضل حق، الجنس الغالی فی شرح الجوھر العالی، کتاب فی الحکمۃ الالٰھیۃ، الھدایۃ السعیدیۃ فی الحکمۃ الطبعیۃ، والروض المجود فی حقیقۃ الوجود وحاشیۃ علی شرح السلم للقاضی ورسالۃ فی تحقیق العلم والمعلوم وتاریخ

علامہ کی مصنفات میں سے ایک جنس الغالی فی شرح الجوہر الغالی" ہے۔ اور ایک کتاب حکمت الٰہیہ میں ہدیۂ سعید ہے۔ اور الروض المجود فی حقیقۃ الوجود اور ایک حاشیہ شرح سلم قاضی مبارک پر ہے اور ایک رسالہ علم ومعلوم کی تحقیق میں ہے اور تاریخ فتنۃ الہند اور

نے اپنا ایک مشاہدہ نقل کیا ہے۔ لکھتے ہیں:

بسال دوازدہ صد وشصت وچہار ہجری مولف ہیچمدان بمقام لکھنؤ بخدمتش رسیدہ دید کہ درعین حقہ کشی وشطرنج بازی تلمیذی راسبق افق مبین میداد ومطالب کتاب را بہ متعلم باحسن بیان دلنشین می نمود

۱۲۶۴ھ کا واقعہ ہے میں آپ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ کیا دیکھتا ہوں کہ عین حقہ کشی اور شطرنج بازی کے عالم میں ایک طالب علم کو افق مبین کا درس دے رہے ہیں کہ طالب علم کے ذہن میں تمام کتاب کے مطالب دلنشین ہو رہے ہیں۔

تذکرہ علماء ہند ص ۱۶۵-۱۶۴

علامہ کو عربی نثر نگاری پر بھی اتنی قدرت تھی کہ جب چاہتے تھے الفاظ و معانی کا ایک حسین تاج محل تعمیر کر دیتے تھے۔ چنانچہ علامہ موصوف کا عربی رسالہ "الثورۃ الھندیہ" جو آپ نے بزمانۂ قید جزیرۂ انڈمان قلمبند فرمایا تھا آپ کی نثر نگاری کی بیّن شہادت ہے۔ آپ کے متعلق جواد الدولہ سر سید احمد خاں صاحب نے صحیح لکھا ہے کہ علامہ "ثالث اثنین بدیعی وحریری" ہیں۔ آپ کی عربی نثر کا نمونہ یہ ہے:

امابعد! فان الدنیا غرور مالھا قرار وربل قرارھا مرور وظلھا حرور لا یوازی ھمومھا سرورھا ولا یوازن خیورھا شرورھا لا تتکافی معافاتھا وافاتھا ولا تتاوی افراحھا واتراحھا ولا محنھا وراحھا ونیلا فی سمومھا نغیمھا ولا سمومھا نسیمھا ولا ضنکھا رخاءھا ولا نزغھا رخاءھا ترياقيها ثما لها انقصانها كما عاقبة عافيتها واوصاب حلوبها سلوبها علا قم اوصاب اولھا وآخرھا تبور وصفا یھا غیاد وبقا ئھا عبور واملوھا بور وقصودھم قبور (منقول از آثار الصنادید باب چہارم ص ۶۴)

سر سید مرحوم بڑے ادب و احترام سے ان کا تذکرہ کرتے تھے۔ چنانچہ اپنی کتاب میں بڑے والہانہ انداز سے ان کا تذکرہ کرتے ہیں۔ لکھتے ہیں: —— مستجمع کمالات صوری ومعنوی

مفتی صدر الدین خاں اصلش از کشمیر است وی در دہلی متولد شدہ اکتساب علوم نقلیہ بخدمت مولانا شاہ عبد العزیز و مولانا شاہ عبد القادر مولانا شاہ محمد اسحاق رحمہم اللہ نمودہ و علوم عقلیہ از مولوی فضل امام خیر آبادی اخذ کردہ

تذکرہ علماء ہند ص ۹۳

مفتی صاحب اصل کشمیر کے باشندے ہیں وہ دہلی میں پیدا ہوئے اور علوم منقولات کی تکمیل شاہ عبد العزیزؒ و شاہ عبد القادرؒ و شاہ محمد اسحاقؒ کی خدمت میں کی اور علوم معقولات حضرت علامہ فضل امام خیر آبادی سے حاصل کیا۔

مفتی صاحب اور علامہ فضل حق کے مابین بڑی الفت و محبت تھی دونوں ہم سبق تھے نواب صدیق حسن صاحب نے "ابجد العلوم" میں لکھا ہے:

کان بینہ وبین استاذی العلامۃ محمد صدر الدین خان دھلوی صدر الصدور بھا مودۃ اکیدۃ ومحبۃ شدیدۃ لانھما کانا شریکین فی الاشتغال علی استاذ واحد (نزہۃ الخواطر ج ۷، ص ۳۷۴)

حضرت علامہ اور میرے استاذ علامہ محمد صدر الدین خاں کے درمیان کافی الفت و محبت اور تعلقات تھے کیونکہ دونوں حضرات نے ایک ہی استاذ سے تحصیل علم کی تھی۔

مفتی صاحب بڑے زبردست عالم تھے۔ اپنے استاذ فضل امام کے بعد مفتی صاحب صدر الصدور مقرر ہوئے نیز مسند افتائے دہلی پر بھی سرفراز ہوئے ــــ آپ کے علمی پایہ کا اندازہ صاحب نزہۃ الخواطر کے الفاظ سے ہوتا ہے چنانچہ رقمطراز ہیں:

احد العلماء المشہورین فی الھند وکان نادرۃ دھرہ فی کل علم لاسیما الفنون الادبیۃ اذا سئل فی فن من الفنون ظن الرائی والسامع انہ لا یعرف مثلہ

نزھۃ الخواطر ج ۷ ص ۲۲۰

مفتی صاحب ہندوستان کے مشہور علماء میں سے ایک ہیں وہ اپنے زمانہ میں ہر علم میں یکتا و یگانہ تھے خصوصاً ادب میں خاص دستگاہ تھی۔ جب کوئی سائل کسی فن کے متعلق سوال کرتا تو دیکھنے اور سننے والا یہ گمان کرتا کہ ان کے مثل کوئی نہیں ہے۔

فتنۃ الہند وحاشیۃ علی تلخیص الشفاء   ایک حاشیہ تلخیص الشفاء پر اور افق مبین پر
وحاشیۃ علی افق مبین

نزھۃ الخواطر ج ۷ ص ۳۷۶

اس کے علاوہ بھی علامہ کی کچھ کتابیں ہیں۔ ان میں ہدیہ سعیدیہ کو کافی مقبولیت حاصل ہوئی اکثر عربی مدارس وعربی بورڈ میں داخل نصاب ہے۔ حاشیہ شرح سلم قاضی مبارک بھی مایۂ ناز حاشیہ ہے جس پر علامہ خود فخر کیا کرتے تھے۔ بزمانہ قید علامہ سے کسی نے دریافت کیا کہ آپ ہندوستان میں کیا چھوڑ آئے ہیں۔ اس وقت علامہ نے کہا کہ دو یادگاریں چھوڑ آیا ہوں ایک حاشیہ شرح سلم قاضی مبارک اور دوسری یادگار برخوردار عبدالحق۔

علامہ کا وصال ۱۲ ر صفر ۱۲۷۸ھ مطابق ۱۸۶۱ء کو جزیرۂ انڈمان (رنگون) میں ہوا اور یہ چمکتا ہوا آفتاب غروب ہوگیا۔ لیکن انھوں نے علم وفضل کی جو شمع روشن کی تھی وہ رہتی دنیا تک زندۂ جاوید باقی رہے گی۔

مفتی صدر الدین آزردہ دہلوی

مفتی صاحب اپنے استاذ کے بہت چہیتے شاگرد تھے۔ آپ کی ولادت ۱۲۰۴ھ مطابق ۱۷۸۹ء میں بمقام دہلی ہوئی۔ آپ کے والد کا نام لطف اللہ ہے۔ مفتی صاحب کے والد و دادا کشمیر کے رہنے والے تھے۔ مفتی صاحب نے علوم معقولات کا اکتساب علامہ فضل امام سے کیا اور علوم منقولات کی تحصیل مولانا شاہ رفیع الدین وشاہ عبدالعزیز وعبدالقادر اور حضرت شاہ محمد اسحٰق رحمہم اللہ علیہم سے کی

اخذ العلوم الحکمیۃ بانواعہا عن الشیخ فضل امام الخیرآبادی و اخذ الفقہ والاصول وغیرھا من العلوم الشرعیۃ عن الشیخ رفیع الدین بن ولی اللہ المحدث الدھلوی (نزہتہ الخواطر ج ۷ ص ۲۲۰)

مفتی صاحب نے حکمت وفلسفہ وغیرہ کا اکتساب مولانا فضل امام سے کیا۔ اور فقہ واصول اور علوم شرعیہ (منقولات) کا اکتساب حضرت شاہ رفیع الدین بن ولی اللہ محدث دہلوی سے کیا۔

ها۔ لکھتے ہیں:

"اکمل کملائے روزگار، افضل فضلائے ہر دیار، حاکم محاکم جاہ وجلال، متکئ ارایک اقبال، کلید دردائرۂ علم، لوح طلسم حلم، عالم محقق، نحریر مدقق، سر جملۂ علمار متبحرین، رافع مناقشات حکمار ومتکلمین، مجبول بفصل خصومات، اعدل بفیصل مقدمات، محلی آئینۂ تدبیر، ناظر صور تقدیر، نخلبند حدائق فضل وافضال، مظہر صفات جلال وجمال، جامع محاسن صوری ومعنوی، مستجمع کمالات ظاہری وباطنی، کاشف دقائق معقول ومنقول، واقف حقائق فروع واصول، تونگر صورت، درویش سیرت، انسان پیکر، ملک سریرت مرجع مآرب جہاں وجہانیان مولانا مخدومنا مفتی محمد صدر الدین بہادر۔"

(منقول از آثار الصنادید باب چہارم ص۴۲)

آپ کی وفات ۲۴ ربیع الاول ۱۲۸۵ھ مطابق ۱۸۶۸ء بروز پنجشنبہ کو ہوئی۔ آپ کا سن ولادت لفظ "چراغ" سے اور مدت حیات "دو جہاں بود" اور تاریخ وفات "چراغ دو جہاں بود" سے نکلتی ہے۔

وہ کتابیں جن سے استفادہ کیا گیا ہے

۱۔ نزہتہ الخواطر — جناب حکیم سید عبد الحئی لکھنوی — تاریخ عربی

۲۔ تذکرہ علمار ہند — مولوی رحمان علیؒ صاحب — ،، فارسی

۳۔ آثار الصنادید — جناب جواد الدولہ سر سید احمد خاں صاحب — ،، اردو

۴۔ باغی ہندوستان — جناب عبد الشاہد صاحب شروانی — ،، ،،

۵۔ ابجد العلوم — جناب نواب صدیق حسن خاں بھوپال — ،، عربی

۶۔ حدائق حنفیہ — جناب فقیر محمد صاحب — ،، اردو

۷۔ ظفر المحصلین — جناب مولانا محمد حنیف صاحب گنگوہی مدظلہ — ،، اردو

۸۔ تذکرۃ الانساب — مولوی مصطفیٰ علی گوپاموی — ،، فارسی

۹۔ الثورۃ الہندیہ — حضرت علامہ فضل حق خیر آبادی — ،، عربی

۱۰۔ قصیدۂ ہمزیہ

مفتی صاحب عربی ادب کے علاوہ فارسی و اردو ادب کے مسلم الثبوت استاد مانے جاتے ہیں آپ کو ان تینوں زبانوں پر کامل دستگاہ تھی۔ ذوقِ شعر وسخن کی وجہ سے تینوں زبانوں میں شعر کہتے تھے اور خوب کہتے تھے۔ غالب و ذوق اور مومن آپ کے احباب میں سے تھے۔

(تاریخ ادب اردو ص ۳۴۴ رام بابو سکسینہ)

آپ کی تصنیفات بہت کم ہیں لیکن جو ہیں وہ اپنی جگہ ٹھوس اور مسلّم ہیں۔ آپ کی پہلی تصنیف "منتھی المقال فی شرح حدیث لا تشد الرحال" جس میں علامہ ابن تیمیہ و ابن قیم پر زبردست رد ہے دوسری تصنیف "الدر المنضود فی حکم امراءۃ المفقود" ہے تیسری تصنیف ان کے فتاویٰ کا وہ بیش بہا سرمایہ اور گنجینۂ عامرہ ہے جو ان کی علمی یادگار ہے۔

ومن مصنفاته منتهى المقال فی شرح حدیث	ان کی مصنفات میں سے منتہی المقال فی شرح حدیث
لا تشد الرحال ومنها الدر المنضود فی	لا تشد الرحال اور الدر المنضود فی حکم امراءۃ المف
حکم امراءۃ المفقود والفتاوی	اور بکثرت فتاویٰ ہیں
الکثیرة	

نزهة الخواطر ج ۷ ص ۲۲۱

آپ سے استفادہ کرنے والوں کی تعداد بہت کافی ہے لیکن ان میں چند کافی شہرت کے حامل ہوئے۔ انہی میں سے ایک نواب صدیق حسن صاحب قنوجی ہیں جو تقریباً ڈیڑھ سو کتابوں کے مصنف اور اپنے زمانے کے مایۂ ناز مفسّر و محدث تھے۔ دوسرے نواب یوسف علی خاں والی رامپور جو ایک قابل عالم ہونے کے ساتھ ساتھ مربی وعلم پرور تھے۔ ان کے عہد میں بڑے بڑے علماء وشعراء انہی کے دامنِ دولت سے وابستہ تھے۔

(تاریخ ادب اردو ص ۳۵۲، ۳۵۳ رام بابو سکسینہ)

تیسرے شاگرد سرسید مرحوم ہیں جو محتاج تعارف نہیں۔ سید صاحب ہمیشہ بڑے ادب و احترام سے نام لیتے تھے۔ انھوں نے اپنے قابل استاذ کے متعلق جو کچھ لکھا ہے یہ انہی کا حصہ

ج: گھٹا چھائے ہوئے خوش منظر مقام پر خیمہ میں گدگدے بدن کی حسینہ کے ساتھ وقت گذارنا۔

یہ دورِ جاہلیت کے اقدارِ حیات ہیں۔

۸۴ فضیل بن عیاض بن مسعود (م ۱۸۷) مطرّح بن یزید اسدی سے اور وہ عبید اللہ ابن زحر ضمری سے روایت کرتے ہیں اور عبید اللہ علی بن یزید آل ابی سفیان کے پروردہ ابو عبدالرحمان قاسم (متوفی سنہ ۱۱۲ھ) سے اور خود قاسم صحابی جلیل ابو امامہ (متوفی سنہ ۸۶ھ) سے روایت کرتے ہیں: مشہور ہے کہ رسول اللہ صلعم کے جس صحابی نے سب سے آخر میں انتقال کیا وہ یہی ابو امامہ تھے۔

عمرؓ نے فرمایا: گھوڑوں کی تربیت کرو۔ دانت صاف کرو اور دھوپ میں بیٹھا کرو۔ خیال رکھو کہ تمھارے پاس پڑوس میں سور نہ آنے پائیں۔ اور تمھارے مجمع میں صلیب بلند نہ ہونے پائے۔ ایسے دسترخوان پر کھانا مت کھاؤ جس پر شراب لنڈھائی جاتی ہو۔
خبردار ایسا نہ ہو کہ تم عجمیوں کے اخلاق اختیار کرلو۔ کسی مومن کے لئے یہ جائز نہیں کہ وہ کسی حمام میں بغیر تہمد باندھے داخل ہو اور نہ کوئی عورت ہی ایسا کرسکتی ہے الّا یہ کہ اس کو کوئی بیماری ہو۔

عائشہ زوج النبی صلعم نے مجھ سے بیان کیا کہ: میرے دوست نے میرے اس فرش پر بیان فرمایا کہ: اگر کوئی عورت اپنے شوہر کے گھر کے سوا کسی اور جگہ اپنی اوڑھنی اتارے تو اس نے اپنے اللہ کے درمیان جو کچھ تھا اس کا پردہ چاک کر دیا۔

البیان والتبین۔ ج ۳ ص ۱۹۲

ملحوظہ: بظن غالب ایسا معلوم ہوتا ہے کہ عمرؓ نے یہ ہدایت اہل شام کو مخاطب کرکے لکھی ہے کہ وہاں کی آبادی کی بہت بڑی اکثریت مسیحی تھی۔

"عجمی" سے مراد غالباً وہ قوم جو قانون کی نظر میں مساوی نہیں ہوتی۔ ان میں

ادبی مصادر میں آثار عمرینؓ

آثار عمرؓ

(۷)

جناب ڈاکٹر ابو النصر محمد خالدی صاحب پروفیسر شعبہ تاریخ عثمانیہ یونیورسٹی حیدرآباد

۸۳ عمرؓ نے کہا: اگر مجھے اللہ کی راہ جانا نہ پڑے، اللہ کے لئے اپنا ماتھا زمین سے لگانا نہ پڑے اور ایسے لوگوں میں بیٹھنے کا موقع نہ ملے جو (گفتگو سے) اچھی باتوں کو اس طرح چھانٹ لیتے ہیں جس طرح عمدہ کھجور چھانٹ لئے جاتے ہیں تو پھر مجھے اس کی پرواہ نہ ہوتی کہ میں کب مرگیا ہوتا (.... کہ کب مرجاؤں)

البیان والتبین ج ۳ ص ۱۵۷

یادداشت: اس موقع پر تعجب نہیں کہ کسی کو طرفہ کی چار بیتیں یاد آگئی ہوں یعنی

فلولا ثلاث ھنّ من لذّۃ الفتی   وجدّک لم افعل متی قام عوّدی

اگر یہ تین چیزیں نہ ہوں تو مجھے پرواہ نہیں کہ کب دفن کیا جاؤں۔

یہ چیزیں بعد کی تین بیتوں میں بیان کی گئی ہیں۔ یعنی

الف: شراب پشت دار پختہ و جوش دار

ب: نرغہ میں آئے ہوئے کی پکار پر اس کی اعانت و امداد کے لئے فوراً ہی دوڑ پڑنا۔

۸۸ سعد بن ابی وقاص (م ۵۵ ھ) کا لقب مستجاب الدعوت تھا۔ یعنی اللہ ان کی دعا رد نہیں کرتا بلکہ قبول کرتا ہے۔ یہ عمرؓ کی طرف سے کوفہ کے والی تھے۔ عمرؓ نے ان کے مال کا آدھا حصہ حکماً لے لیا اور خلافت کے خزانہ میں داخل کر دیا۔ سعد کو یہ بات ناگوار گزری تو انھوں نے کہا "جی تو یہی چاہتا ہے" یہ سن کر عمرؓ نے پوچھا: کیا میرے خلاف اللہ سے دعا کرنے کو؟ (میرے لئے بد دعا کرنے کو) سعد نے کہا: ہاں (آپ جانتے ہیں کہ اللہ نے میری دعا کبھی رد نہیں کی) اس پر عمرؓ نے فرمایا: تو پھر تم بھی مجھے ایسا نہیں پاؤ گے کہ اپنے رب کو پکار کے نامراد رہوں۔

البیان والتبیین۔ ج ۳ ص ۲۷۷

ملحوظہ: عمرؓ کے الفاظ سورۂ مریم کی ۴۸ ویں آیت سے مستفاد ہیں.... عَسٰی اَلَّا اَکُوْنَ بِدُعَآءِ رَبِّیْ شَقِیًّا۔ امید ہے کہ میں اپنے رب سے نامراد نہیں رہوں گا۔

مغیرہ بن عُیینہ (یا مغیرہ بن عنبسہ) نے اپنے شیوخ سے روایت کی ہے۔ عمرؓ نے ایک شخص کو یہ دعا مانگتے سنا: یا اللہ مجھے تھوڑوں میں شامل کر۔ عمرؓ نے (گھرک کر) پوچھا: یہ کیا دعا ہے؟ اس نے کہا میں نے سنا اللہ فرماتا ہے (.. جو لوگ ایمان لائے اور اچھے عمل کئے) اور وہ بہت تھوڑے ہیں۔ میں نے یہ بھی سنا ہے کہ وہ فرماتا ہے (.... اے آل داؤد عمل کرو شکر کے طریقہ پر) میرے بندوں میں شکر گزار کم ہی ہیں۔

عمرؓ نے فرمایا: تمھیں ایسی دعا کرنی چاہیئے جو عموماً سمجھی جا سکے۔

البیان والتبیین۔ ج ۳ ص ۲۷۹

تشریح: یعنی اللہ تو جانتا ہی ہے ایسی دعا جس کے سمجھنے کے لئے غور و فکر کرنی پڑے یا جس میں تکلف و ندرت ہو اس سے پرہیز کرنا چاہیئے۔ دعا ایسی نہ ہو کہ چیستاں بن جائے۔

۹۰ رسول اللہ صلعم کے صحابہ سے بعضوں نے عمرؓ سے کہا: اب لوگوں کا کیا حال ہے۔ جاہلی دور میں ظلم ہوتا تھا تو وہ (مدد کے لئے) پکارتے تھے اور انھیں جواب دیا جاتا تھا۔ اور

پیدائش یا دولت یا اقتدار کی بنا پر اونچ نیچ کا بہت بڑا فرق پایا جاتا ہے۔

"حمام" مسلمانوں کے تمدن میں بازنطینہ سے آئے ہیں ۔ ہندوستان تک بھی رائج ہوئے گو ان کی تعداد محدود رہی۔

۸۵ عمرؓ نے کہا: میں نے وہ زمانہ پایا نہ تم نے جب کہ لوگ علم پر اس طرح غیرت کریں۔ (یتغایرون) ۔ علم کو محفوظ رکھیں۔ جس طرح کہ وہ اپنی بیویوں پر غیریت کرتے ہیں۔ غیر محرموں سے ہر طرح مامون و محفوظ رکھتے ہیں۔

البیان والتبین۔ ج ۳ ص ۲۱۱

تنبیہ: عمرؓ نے یہ بات کس کو مخاطب کر کے کہی تھی؟ یہ جاحظ نے نہیں لکھا۔ نظر بظاہر ایسا معلوم ہوتا ہے کہ نا اہلوں کو صرف بنیادی علم سکھانا چاہیئے۔ تفصیل میں جانا مناسب نہیں۔

۸۶ عمرؓ نے فرمایا: ہر شے کے درجہ کی ایک بلندی ہوتی ہے۔ نیکو کاری کی بلندی یہ ہے کہ وہ جلد از جلد کی جائے

یا بروایتے: ہر چیز کا ایک سر ہوتا ہے اور نیکی کا سر یہ ہے کہ وہ فوراً کی جائے۔

البیان والتبین ج ۳ ص ۲۱۴

اسی کتاب میں ج ۳ ص ۲۸۹ باختلاف خفیف

۸۷ عمرؓ نے فرمایا: حکومت وہی شخص اچھی طرح چلا سکتا ہے جو نرم ہو مگر کمزور نہ ہو اور (نفاذِ احکام میں) شدید ہو مگر بے رحم نہ ہو۔

البیان والتبین۔ ج ۳ ص ۲۵۵

توضیح: یعنی حاکموں کے لئے ضروری ہے کہ وہ اپنے احکام نافذ کرنے میں اٹل، ثابت قدم و مستقل مزاج رہیں اس کے ساتھ یہ بھی ضروری ہے کہ وہ تند و درشت یا بے رحم و سنگ دل نہ ہو۔

فوت شدہ لڑکے کا اچھا بدل دے گا۔ ایسا جیساکہ آپ کی طرف سے وہ آپ کے بچے کو دے گا۔

باپ کا اپنے بچہ سے جبلاً وطبعاً رحمت ورأفت کا سلوک کرنا ظاہر ہے۔

عمرؓ کا یہ فوت شدہ بچہ وہی ہے جس کے متعلق انھوں نے کہا تھا: ایک خوشبو ہے میں اُسے سونگھتا ہوں (اور مسرور ہوتا ہوں) یہ بہت جلد فرماں بردار فرزند ہوگا یا نظروں کے سامنے رہنے والا دشمن۔

وضاحت: حاضر دشمن سے عمرؓ کا اشارہ غالباً سورۃ التغابن - ۶۴ کی ۱۴ ویں آیت کی طرف تھا۔ آیت یہ ہے: اِنَّ مِنْ اَزْوَاجِكُمْ وَاَوْلَادِكُمْ عَدُوًّا لَّكُمْ فَاحْذَرُوْهُمْ الخ اے ایمان لانے والو! تمھاری بعض بیبیاں اور اولاد دشمن ہیں تم ان سے ہوشیار رہو الخ

۹۳ محمد بن عبداللہ علبی م ۲۲۸ ھ اپنے شیوخ سے روایت کرتے ہیں: عمرؓ نے فرمایا: جس کو دعا عنایت کی گئی وہ قبولیت سے محروم نہیں ہوگا۔ اللہ فرماتا ہے مجھے پکارو میں تمھاری پکار پر توجہ کرتا ہوں۔

اور جس کو شکر عنایت ہوا وہ (موجودہ شئے میں) اضافہ سے محروم نہیں ہوگا۔ اللہ فرماتا ہے "اگر تم شکر کرو تو میں ضرور اور زیادہ دوں گا۔"

اور جس کو بخشش کی مانگ عطا ہوئی وہ بخشش سے محروم نہیں ہوگا۔ اللہ فرماتا ہے "اللہ سے بخشائش طلب کرو اللہ بخشش کرنے (معاف کرنے) اور رحمت کرنے والا ہے۔"

البیان والتبیین۔ ج ۳ ص ۲۸۸

۹۴ عمرؓ نے فرمایا: صرف وہی شخص اپنے آپ کو دوسروں سے بالا و برتر سمجھتا ہے۔ جو اپنے آپ کو بلاوجہ اوروں سے کمتر وکہتر محسوس کرتا ہے۔

البیان والتبیین ۔ ج ۴ ص ۷۵

ہم ہیں کہ پکارتے ہیں مگر جواب نہیں ملتا۔ خواہ ہم مظلوم ہی کیوں نہ ہوں۔

عمرؓ نے کہا: وہ ایسے ہی تھے۔ کیوں کہ ان کے یہاں ظلم سے روکنے والی اس کے سو اور کوئی تدبیر نہیں تھی۔ لیکن جب اللہ تعالیٰ نے پہلے کاموں پر (آخرت میں) اچھے بدلے اور برے کاموں پر سزا سے آگاہ کر دیا اور دنیا ہی میں جرموں کی سزائیں مقرر کر دیں۔ قاتل سے بدلہ لینے اور نقصان کی پابجائی کرنے کے احکام نازل فرما دئیے تو ان کو ان (شرعی قانون) کے سپرد کر دیا۔

البیان والتبین ج ۳ ص ۲۷۹

تشریح: صاف مطلب یہ ہے کہ قیام خلافت (با اقتدار و صاحب سلطنۃ تنظیم) کے بعد مظلوم کی امداد کرنا اور ظالم کو سزا دینا حکومت کا فرض ہے۔ معاشرت کا انفرادی فرض نہیں ہے کہ وہ عملاً سزا نافذ بھی کرے۔ یہ تو قانون کو انفرادی اختیار پر چھوڑنا ہوا

۹۱ عمرؓ نے کہا: فلاں مہینہ میں ایسی اور ایسی گھڑی ہے کہ اگر کوئی اس وقت دعا کرے تو وہ ضرور ہی قبول ہوتی ہے۔ یہ سن کر کسی نے پوچھا: اگر اس میں کوئی منافق دعا کرے تو کیا اس کی دعا بھی قبول ہوگی؟ اس بارے میں کیا خیال ہے

عمرؓ نے فرمایا: منافق کو ایسی گھڑی پانے کی توفیق ہی نہیں ہوگی۔

البیان والتبین۔ ج ۳ ص ۲۷۹

وضاحت: منافق سے یہاں غیر مخلص مراد ہے اور توفیق کا مطلب ہے کارِ خیر کے لئے اسباب کا جمع ہونا۔

۹۲ عمرؓ کے ایک بچے کی وفات ہوئی۔ اس پر عبداللہ بن عباس نے پرسہ دیا اور کہا: اللہ آپ کو اس کی طرف سے ایسا ہی اچھا بدل عنایت کرے جیسا کہ وہ آپ کی طرف سے آپ کے بچے کو دے گا۔

البیان والتبین۔ ج ۳ ص ۲۸۵

وضاحت: مطلب یہ کہ اللہ اپنے رحم و کرم سے عمرؓ کو کسی نہ کسی صورت مثلاً صبر جمیل یا

تھے۔ وہ چاہتے تھے کہ یہ لوگ اپنی مرغوب غذائیں ہی استعمال کریں

عمرؓ نے تو عربوں کی تربیت و تادیب کے لئے اس سے بھی زیادہ اہتمام کیا تھا چناں چہ (بطور مثال یہ واقعہ ذہن میں رہے کہ) وہ ایک مرتبہ شادی کی ضیافت میں بلائے گئے تو دیکھا کہ ایک دیگ میں زرد رنگ کا کھانا ہے، دوسری میں سرخ رنگ کا، تیسری میں سوندھا، چوتھی میں میٹھا، پانچویں میں نمکین وسلونا وھکذا۔ آپ نے یہ سب پکوان ایک بڑی دیگ میں انڈیل دئے۔ پھر فرمایا:

اگر اہل عرب اس طرح کے چٹ پٹے، مزیدار، اور قسم قسم کے کھانوں کے عادی ہوجائیں گے تو پھر وہ باہم ایک دوسرے کے قتل کے درپے ہوجائیں گے۔

البخلاء ج ۱ ص ۱۳۵ تا ۱۳۷

۱۰۰ عمرو بن معدیکرب نے عمرؓ سے شکایت کی کہ انھیں پیٹ میں درد ہونے لگا ہے (جو گوشت زیادہ کھانے سے ہوتا ہے) تو آپ نے فرمایا:

دھوپ میں پھرا کرو (غسل آفتابی کرو۔ دھوپ میں چلو پھرو یا بیٹھو)

البخلاء۔ ج ۲ ص ۷۹

وضاحت: جاڑے میں بھوک زیادہ ہوتی ہے۔ حرارت کے لئے گوشت کی خواہش عموماً زیادہ ہوتی ہے۔

عمرؓ نے فرمایا: اگر مشغولیت ومصروفیت بھلائی کی کوشش ہے تو ظاہر ہے کہ بے کاری بگاڑ وفساد پیدا کرنے والی ہے۔

البخلاء ج ۲ ص ۷۹

باقی

۹۵ عمرؓ نے فرمایا: نادان کی بھلائی بندی سے خبردار رہو۔ اکثر تو ایسا ہوتا ہے کہ وہ تمھاری بھلائی کا ارادہ کرتا ہے مگر اس سے تمھیں ضرر پہنچ جاتا ہے۔

البیان والتبین ۔ ج ۴ ص ۹۶

۹۶ عمرؓ کے کپڑوں میں چمڑے کے پیوند ہوتے تھے۔

آپ فرماتے ہیں جو پھٹے کپڑے پیوند لگا کر پہننے سے نہیں شرماتا اس کی حاجتمندی کا بوجھ گھٹ جاتا ہے اور نخوت بہت کم ہو جاتی ہے۔

البخلاء ۔ ج ۱ ص ۳۷

۹۷ عمرؓ نے فرمایا: جس نے ایک انڈا کھایا اس نے گویا ایک مرغی کھائی

البخلاء ۔ ج ۱ ص ۳۸

۹۸ عمر بن معدیکرب دورِ جاہلیہ اور اسلام کے نہایت شجیع افراد میں تھے۔ بمقام نہاوند سنہ اکیس (۲۱ ہ) ہجری میں انتقال کیا۔ وہ ایک مرتبہ بنومغیرة کے یہاں اترے۔ بنومغیرہ عمرؓ کے خالہ زاد افراد تھے۔ آپ کی والدہ ضنتمہ ہاشم ابن المغیرہ کی بیٹی تھیں۔

ابن معدیکرب نے عمرؓ سے کہا: بنومغیرہ تو بخیل و کوتاہ دست ہیں۔

عمرؓ نے پوچھا: یہ کس طرح معلوم ہوا۔؟

ابن معدیکرب نے کہا: میں ان کے پاس ٹھیرا تو انھوں نے میری ضیافت بیل کے سرے کے گوشت اور اس کے پایوں کے گوشت سے کی اس کے علاوہ اور کچھ نہیں رکھا۔

عمرؓ: یہ تو پیٹ بھرنے کے لئے کافی ہے۔

البخلاء ج ۱ ص ۱۳۲، ۱۳۳

ملحوظہ: مطلب یہ کہ زائد از ضرورت یا حیثیت سے زائد تکلف کرنا مناسب نہیں۔ یہ اسلامی آداب کے خلاف ہے۔

۹۹ ایک عرب سردار قعقاع اپنے ایرانی غلاموں کو عربی کھانوں کی ترغیب نہیں دیتے

چنانچہ "بیلمانی" کی نسبت اسی قسم کے علاقہ کی طرف ہے جس سے ہم واقف نہیں ہیں، حالانکہ بیلمان ہندوستان کا مشہور مرکزی مقام ہے جو صدیوں تک دار السلطنت رہا ہے اور اسی مقام کی طرف بیلمانی علماء منسوب ہیں، آج ہم ان ہی بیلمانی علماء کا تذکرہ کرتے ہیں جو ان ہر سہ قدیم ترین علمی خانوادے میں اقدم ہیں۔

بیلمان (بھیلمان، سوراشٹر)

بیلمان بھیلمان کا معرب ہے جو سوراشٹر (گجرات) کے علاقہ کچھ کاٹھیا وار میں ایک دور میں مشہور بندرگاہ اور مرکزی شہر تھا، اور قدیم زمانہ میں اس علاقہ کی حکمران قوم بھیل اس کے بعد قوم گوجر کا دار السلطنت رہ چکا تھا، جیسا کہ گجرات اور سوراشٹر کی تاریخوں میں عام طور سے اسی حیثیت سے اس کا تذکرہ ملتا ہے، مشہور جغرافیہ نویس ابوالقاسم عبید اللہ بن احمد بن خرداذبہ سولی خلیفہ معتمد متوفی حدود ۳۰۰ھ نے اپنی کتاب المسالک والممالک میں بلاد سندھ میں بیلمان کو شمار کیا ہے، بلاد السند میں چند شہروں کے نام درج کر کے علاقہ گجرات و سوراشٹر میں اس کا نام یوں لکھا ہے ..... وسندان، والمندل، والبیلمان وسرست، والکیرج، ومرمد، وقالی، ودھنج، وبروص[1] آج بھی اس علاقہ میں بیلیم نامی ایک ذات پائی جاتی ہے جو اس قدیم شہر کا پتہ دیتی ہے۔ مرآت مصطفےٰ آباد (تاریخ جونا گڈھ) کے مصنف نے لکھا ہے:

"گجرات اور کاٹھیا وار میں مسلمانوں کی بیلیم ایک ذات ہے، اور ظرافت میں ان کو کبھی کبھی بیلیم بادشاہ بھی کہتے ہیں، جس طرح سیدیوں کو کہتے ہیں[2]"

نیز گجرات اور سوراشٹر کی اسلامی فتوحات میں بیلمان (بھیلمان) کی فتح کا تذکرہ بلاذری اور یعقوبی

---

[1] المسالک والممالک ص ۵۷

[2] مرآت مصطفےٰ آباد حاشیہ ص ۵۳

آل عبدالرحمٰن بیلمانیؒ

ایک قدیم ترین ہندی الاصل علمی خانوادہ

مولانا قاضی اطہر مبارک پوری ایڈیٹر البلاغ بمبئی

صدر اول میں ہندوستان کے جو غلام خانوادے عرب میں جاکر دینی علوم ومعارف میں امامت وسیادت کے مالک ہوئے اور جن میں صدیوں تک ائمۂ دین اور علماء ومحدثین پیدا ہوتے رہے ان میں تین خانوادے خاص طور سے قابلِ ذکر ہیں (۱) آل عبدالرحمٰن بیلمانی، جس میں عبدالرحمٰن بن ابوزید بیلمانی، محمد بن عبدالرحمٰن بن ابوزید بیلمانی، حارث بیلمانی، محمد بن حارث بیلمانی، محمد بن ابراہیم بیلمانی وغیرہ پیدا ہوئے (۲) آل ابومعشر نجیح سندھی، جس میں ابومعشر نجیح بن عبدالرحمٰن سندھی مدنی صاحب المغازی، محمد بن ابومعشر نجیح بن عبدالرحمٰن سندھی، داؤد بن محمد بن ابومعشر سندھی حسین بن محمد بن ابومعشر سندھی وغیرہ گذرے ہیں۔ (۳) آل ابراہیم بن مِقسم قیقانی، جس میں (امام ابن عُلَیّہ) اسمٰعیل بن ابراہیم بن مِقسم، ربعی بن ابراہیم بن مِقسم، ابراہیم بن اسمٰعیل بن ابراہیم (ابن علیہ) بن مقسم وغیرہ علمی ودینی امامت وسیادت کے وارث ہوئے ہیں۔

ان تینوں خانوادوں میں سے ہم صرف امام ابومعشر نجیح بن عبدالرحمٰن صاحب المغازی کو جانتے ہیں کیونکہ علمائے رجال وطبقات نے ان کا تذکرہ سندھی کی نسبت سے کیا ہے، دوسرے افراد اور خاندان کا تذکرہ ہندوستان کی علاقائی نسبت سے نہیں آیا ہے اور اگر آیا ہے تو ہم خود اپنے ملک کے اس علاقہ اور مقام سے ناواقف ہیں اس لئے ان کی طرف سے ہمیں لاعلمی رہی،

وریہ جنوبی ہند کے ساحلی شہر کلہ میں بنتی تھیں یا یہاں کے لوہے سے عرب میں تیار کی جاتی تھیں،
لبتہ گجرات کے شہر بھڑوچ کے نیزے (القنا البروصی) عرب میں مشہور تھے، بھیلمان کی
ندرگاہ سے ہندوستان کی تلواریں عرب میں جاتی رہی ہوں گی جو سیوف بیلمانیہ کے نام
سے مشہور رہی ہوں گی، جس طرح یہاں کی ایک بندرگاہ خور فوفل سے عمدہ قسم کے نیزے اور
لواریں جایا کرتی تھیں اور اسی کی طرف منسوب ہو کر جودت و عمدگی میں مشہور تھیں[1]

بھیلمان کی فتح ہندوستان کی اسلامی فتوحات میں سب سے پہلے بھیلمان کا ذکر اموی خلافت میں خلیفہ ہشام بن عبدالملک کے دور میں آیا، جب کہ ۱۰۵ھ کے بعد حاکم
سندھ جنید بن عبدالرحمٰن مُرّیؔ نے گجرات اور سوراشٹر کی فتوحات کے ضمن میں اسے بھی
فتح کر لیا۔

صورت یہ ہوئی کہ ۱۰۵ھ میں خلیفہ ہشام نے جنید بن عبدالرحمٰن مُرّی کو سندھ کا
حاکم بنایا، جنید نے آتے ہی سندھ کے راجہ جے سیہ سے جنگ کی۔ راجہ مقابلہ کی تاب
نہ لا کر ہندوستان کی طرف بھاگا، اور سندھ سے متصل علاقہ گجرات میں آکر آمادۂ جنگ
ہوا، جنید بن عبدالرحمٰن بھی بحری بیڑا لے کر اس کے مقابلہ میں آیا اور دونوں کے درمیان
بطیحۂ شرقی (غالباً آبنائے رن کچھ کے مشرق) میں جنگ ہوئی، جس میں راجہ جے سیہ
گرفتار ہو کر قتل ہوا، اِدھر سے فرصت پانے کے بعد جنید نے گجرات کے مقام کیرج (کھیڑا؟)
کی بغاوت فرو کی، ان دونوں مہمات میں کامیابی سے جنید کا حوصلۂ فتح بہت بڑھ گیا اور
اس نے موجودہ مدھیہ پردیش، گجرات، سوراشٹر اور راجپوتانہ کے علاقوں میں اپنے امراء
سے فوج کشی کرائی اور زبردست فتوحات حاصل کیں۔ بلاذری نے ان ہی فتوحات کو بیان کرتے
ہوئے بھیلمان کا تذکرہ کیا ہے:

---

[1] معجم البلدان ج ۳ ص ۴۸۱

جیسے قدیم اور ثقہ مورخوں اور فتوحات نویسوں نے کیا ہے، جیسا کہ آگے آرہا ہے، البتہ بعد کے جغرافیہ نویس یاقوت حموی متوفی ۶۲۶ھ نے اسے مشتبہ سمجھ کر ہندوستان یا یمن کا شہر بتایا ہے مگر قطعی فیصلہ نہیں کیا ہے کہ اس کا محل وقوع کہاں ہے، یاقوت کا پورا بیان یہ ہے:

بیلمان، موضع تُنسب الیہ السیوف البیلمانیۃ، ویشبہ ان یکون من ارض الیمن، وفی کتاب فتوح البلدان للبلاذری: البیلمان من بلاد السند والہند تنسب الیہا السیوف البیلمانیۃ[1]

بیلمان ایک مقام ہے جس کی طرف بیلمانی تلواریں منسوب ہیں، بہت ممکن ہے کہ یہ مقام سرزمین یمن میں ہو اور بلاذری کی فتوح البلدان میں ہے کہ بیلمان سندھ اور ہندوستان میں ہے جس کی طرف بیلمانی تلواریں منسوب ہیں۔

بیلمان کو سرزمین یمن سے بتانے کی وجہ غالبًا یہ ہے کہ عبدالرحمٰن بن ابو زید بیلمانی جو کہ مشہور راوی حدیث اور تابعی ہیں اور جن کے خاندان میں کئی علماء گذرے ہیں، وہ یمن کے علاقہ نجران میں رہتے تھے، ابن سعد نے تصریح کی ہے وکان ینزل نجران، اسی سے یاقوت نے اندازہ لگایا ہوگا کہ بیلمان بھی نجران کے آس پاس کوئی مقام رہا ہوگا مگر یہ اندازہ صحیح نہیں ہے، کیونکہ ابن خرداذبہ، اصطخری، مسعودی، مقدسی بشاری وغیرہ میں سے کسی نے یمن میں بیلمان نام کی کسی بستی کا تذکرہ نہیں کیا ہے، جب کہ بلاذری، اور یعقوبی نے عہد ہشام میں گجرات کی فتوحات میں فتح بیلمان کا تذکرہ کیا ہے، اور خود یاقوت نے بلاذری کے حوالہ سے اس کو ہندوستان میں بتایا ہے۔

اس سلسلہ میں سیوفِ بیلمانیہ کا ذکر توجہ طلب ہے، ہندی تلواریں مختلف ناموں سے عرب میں مشہور تھیں جن میں سیوفِ قلعیہ اپنی جوہریت کی وجہ سے خاص شہرت رکھتی تھیں،

---

[1] معجم البلدان ج ۲ ص ۳۴۱

دور خلافت میں انتقال کر چکے تھے جو نجران میں رہتے تھے، اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے مولی یعنی آزاد کردہ غلام تھے، اس خاندان کے ابتدائی حالات کے بارے میں عبدالرحمٰن بن ابوزید کے تذکرہ میں کچھ باتیں معلوم ہوتی ہیں

حضرت عبدالرحمٰن بن ابوزید بیلمانیؒ

ان کا سب سے قدیم تذکرہ طبقات ابن سعد میں اس طرح ہے:

عبد الرحمن بن البیلمانی، من الاخماس، اخماس عمر بن الخطاب، وقال عبد المنعم بن ادریس: کان من الابناء الذین کانوا بالیمن، وکان ینزل نجران، وتوفی فی ولایۃ الولید بن عبد الملک [1]	عبدالرحمٰن بن بیلمانی حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے اخماس میں سے ہیں، عبدالمنعم بن ادریس نے کہا ہے کہ وہ فارس کے ابناء میں سے تھے جو یمن میں تھے اور نجران میں قیام کرتے تھے، ان کا انتقال ولید بن عبدالملک کے دور خلافت میں ہوا۔

حافظ ابن حجر نے ابوحاتم رازی کے حوالہ سے لکھا ہے کہ عبدالرحمٰن بن ابوزید ہی عبدالرحمٰن بن بیلمانی ہیں۔[2]

اس بیان کی روشنی میں آل بیلمانی کے بارے میں حسب ذیل باتیں معلوم ہوتی ہیں:

(۱) وہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے غلام اور مولی العتاقہ تھے (۲) ان لوگوں میں سے تھے جن کو کسریٰ نے سیف بن ذی یزن کے ساتھ یمن روانہ کیا تھا یا جو یمن پر کسرائی غلبہ کے بعد وہاں جاکر آباد ہوگئے تھے، یمن پر فارس کا قبضہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ایام طفولیت میں ہوا تھا (۳) وہ یمن کے علاقہ نجران میں تھے (آج کل یہ علاقہ سعودی عرب میں ہے) (۴) اس خاندان کے

---

[1] طبقات ابن سعد ج ۵ ص ۵۳۶ بیروت

[2] تہذیب التہذیب ج ۶ ص ۱۴۹

ووجہ العمال الی مرمد، والمندل، ودھنج، وبروص،..... ووجہ الجنید الی ازین، ووجہ حبیب بن مرۃ فی جیش الی ارض المالیۃ، فاغاروا علی ازین وغزوا بھریمد فحرقوا ربضھا...... وفتح الجنید البیلمان والجرز[1]

جُنید نے مرمد، مندل (جھالاواڑکلاں) دھنج (گجرات) اور بھروچ کی طرف فوجی امراء روانہ کئے، نیز انھوں نے اُجّین کی طرف مہم روانہ کی اور حبیب بن مرہ کو ایک فوج دے کر سرزمین مالوہ کی طرف بھیجا، چنانچہ اجین پر حملہ ہوا اور بھریمد میں جنگ کر کے بیرون شہر آتش زنی کی، نیز جنید نے بھیلمان اور گجرات کو فتح کیا۔

یعقوبی نے بھی مذکورہ بالا مقامات کی فتوحات کا تذکرہ اسی طرح مختصر انداز میں کیا، اس نے اور ابن خردادبہ نے بھیلمان کے ساتھ سرست (سورٹھ، سوراشٹر) کا نام بھی لیا ہے جس سے بھیلمان کے محل وقوع پر مزید روشنی پڑتی ہے، بلاذری نے بھیلمان کے ساتھ جزر (گجرات) کا ذکر کیا تھا، یعقوبی کا بیان یہ ہے:

فوجہ لعمالہ الی المرند (المرمد) والمندل، ودھنج، وبروص وسرست والبیلمان، والمالیۃ وغیرھا من البلاد،[2]

جنید نے اپنے فوجی افسروں کو مرمد، مندل، دھنج، بھڑوچ، سورٹھ، بیلمان، مالوہ اور دوسرے شہروں کی طرف روانہ کیا۔

بھیلمان اور اس کے پاس کی یہ پہلی فتوحات ۱۰۵ھ اور ۱۱۰ھ کے درمیان ہوئی ہیں، آل بیلمانی اس سے بہت پہلے یمن کے علاقہ نجران میں آباد ہو چکے تھے، کیونکہ اس کے سب سے پہلے بزرگ حضرت عبدالرحمٰن بن ابو زید بیلمانیؒ خلیفہ ولید بن عبدالملک (۸۶ھ تا ۹۶ھ) کے

---

[1] فتوح البلدان ص ۴۲۹ و ۴۳۰ دکامل ابن اثیر ج ۵ ص ۵۰

[2] تاریخ یعقوبی ج ۲ ص ۳۷۹

مطلب یہ ہو سکتا ہے کہ وہ ہندوستان کے کسی حکمران خاندان سے تھے، یا ہندوستان سے ایران کر کسی مقام کے حاکم ہو گئے تھے پھر کسریٰ نے ان کو یمن کی حکومت دی، ایسے ایرانی باشندوں جو کسریٰ کے دورِ اقتدار میں یمن میں جا کر مستقل آباد ہو گئے عرب ابنائے یمن کے لقب سے ذکر تے تھے، ان یمنی ابنا ر میں متعدد صحابہ اور تابعین و محدثین گذرے ہیں چنانچہ صحابہ میں حضرت بر بن یحنس، حضرت باذان، حضرت فیروز دیلمی، حضرت داذویہ رضی اللہ عنہم ابنائے یمن سے یں، اور تابعین و محدثین میں حضرت ضحاک بن فیروز، حنش بن عبد اللہ صنعانی، وہب بن منبہ، ہمام بن منبہ، معقل بن منبہ، عمر بن منبہ، عطار بن مرکبوذ، مغیرہ بن حکیم صنعانی، زیاد بن شیخ صنعانی، یوسف بن یعقوب، ابکار بن عبد اللہ بن سہوک جندی، عبد الصمد بن معقل بن منبہ، ہشام بن یوسف وغیرہ ابنائے یمن میں سے ہیں[1]، اور ان ہی میں حضرت عبد الرحمٰن بن ابو زید بیلمانی نجرانی بھی تھے، جن کے آبار و اجداد میں سے کوئی عربوں کے قاعدہ کے مطابق حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے خاندان کے خمس میں تھے، اسلام سے پہلے مشہور و معزز قبائل مقامی اسواق کے تاجروں اور فاتحوں کے مالِ غنیمت سے خمس وصول کیا کرتے تھے، جو مال، سامان اور غلام وغیرہ کی شکل میں ہوتا تھا، حضرت عبد الرحمٰن بیلمانی اجلۂ تابعین میں سے ہیں، جن جلیل القدر صحابہ سے انھوں نے روایت کی ہے ان کے نام یہ ہیں، حضرت عبد اللہ بن عباس، حضرت عبد اللہ بن عمرؓ، حضرت معاویہ، حضرت عمرو بن اوس، حضرت عمرو بن علیسہ، حضرت عبد اللہ بن عمرو، حضرت سرق، حضرت عثمان، حضرت سعید بن زید وغیرہ رضی اللہ عنہم، نیز تابعین میں نافع بن جبیر بن مطعم اور عبد الرحمٰن الاعرج سے روایت کی ہے، اور عبد الرحمٰن بیلمانی سے ان کے لڑکے محمد بن عبد الرحمٰن بیلمانی کے علاوہ یزید بن طلق، ربیعہ بن عبد الرحمٰن، خالد بن ابو عمران، سماک بن فضل، ہمام والد عبد الرزاق صنعانی اور ایک جماعت نے روایت کی ہے[2]۔ عبد الرحمٰن بیلمانی کی مرویات احادیث

---

[1] ان حضرات کے حالات کے لئے طبقات ابن سعد جلد ۵ ملاحظہ ہو [2] تہذیب التہذیب ج ۶ ص ۱۴۹

سب سے پہلے عالم ومحدث حضرت عبدالرحمٰن کی وفات پہلی صدی کے آخر میں ہوئی۔

یہ مسلّم ہے کہ قدیم زمانہ سے یمن میں حبشیوں کی طرح ہندیوں کی بھی بہت بڑی تعداد آباد تھی چنانچہ جب یمن کے بادشاہ سیف ابن ذی یزن نے کسریٰ کے دربار میں حاضر ہو کر یمن پر حبشیوں کے استبلاء وغلبہ کی شکایت کی اور کہا کہ کالے لوگوں نے ہمارے ملک پر قبضہ کر لیا تو کسریٰ نے پوچھا کہ کون کالے لوگ حبشی یا سندھی؟ اس پر سیف بن ذی یزن نے حبشیوں کا نام لیا[1]۔ ہو سکتا ہے کہ اسی دور میں بھیلمان کا یہ خاندان بھی یمن میں جا کر آباد ہو گیا ہو۔ مگر عبدالمنعم بن ادریس[2] کی تصریح سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ خاندان ابنائے یمن میں سے تھا یعنی انوشیروان کسریٰ کے زمانہ میں یمن گیا جب کہ کسریٰ نے سیف بن ذی یزن کی فریاد پر اپنے حاکم کو اساورہ اور سوار وں کی بھاری جمعیت کے ساتھ یمن پر قبضہ کرنے کے لئے روانہ کیا تھا، اور اس کے بعد ایرانیوں کے ساتھ ہندوستانیوں کی ایک جماعت بھی یمن میں جا کر آباد ہو گئی چنانچہ ان ہی میں ایک بزرگ حضرت بیرزطن ہندی یمن میں تھے جو وہاں حشیش کے ذریعہ علاج کرتے تھے اور عہد رسالت میں مسلمان ہوئے[3]، پھر چونکہ شاہان ایران کا عمل دخل، سندھ، مکران، قیقان، کشمیر اور ہندوستان کے مغربی ساحلی علاقوں پر سرندیپ تک جاری تھا اور یہاں کے راجے مہاراجے ان کے باج گذار تھے اس لئے ان علاقوں کے باشندے ایران کے علاوہ عرب کے ایرانی مقبوضہ علاقوں میں آزادانہ آتے جاتے تھے، بلکہ ان میں ہندوستانیوں کی مستقل بستیاں اور آبادیاں ہو گئی تھیں، یمن میں کسریٰ کے آخری حکمران حضرت باذان رضی اللہ عنہ کو بعض علماء نے ملک الہند بتایا ہے جس کا

---

[1] سیرت ابن ہشام ج ۱ ص ۶۳، کتاب التیجان ص ۳۰۴ تاریخ طبری ۲ ص ۱۱۶ و ص ۱۱۸

[2] عبدالمنعم بن ادریس بن سنان بن ابنۃ وہب بن منبہ متوفی ۲۲۸ھ یمن کے اخباری دانشا بہ ہیں، سو سال سے زائد تک زندہ رہے، کتاب المبتدا ان کی تصنیف ہے (فہرست ابن ندیم ص ۱۳۸)

[3] اصابہ ج ۱ ص ۱۷۸

لان ابنه یضع علی ابیه العجائب[۱] کیونکہ ان کے لڑکے اپنے باپ کی طرف سے عجیب عجیب حدیثیں وضع کر کے بیان کرتے ہیں۔

ان ہی موضوعات و عجائب اور بواطیل میں وہ حدیثیں بھی ہیں جن کو بیٹے نے باپ کے واسطہ سے حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے بیان کی ہیں، ازدی نے بیٹے کے بجائے باپ کی طرف ایسی حدیثوں کی روایت منسوب کر کے ان کو منکر الحدیث کہدیا ہے، نیز اسی وجہ سے ابوحاتم اور دارقطنی کے نزدیک وہ ثقاہت و حجت کے درجہ پر نہیں رہے۔

اس سلسلہ میں النسب و احوط یہی ہے کہ عبدالرحمن بیلمانی کی جو مرویات ان کے لڑکے محمد سے ہیں ان کا اعتبار نہ کیا جائے اور ان کے دوسرے تلامذہ کی روایات کو معتبر و مستند اور حجت مانا جائے۔

اس نقد و جرح کے باوجود عبدالرحمن بیلمانی اجلۂ تابعین اور رُواۃِ حدیث میں سے ہیں اور جن ائمۂ علم و فن نے ان کے بارے میں کلام کیا ہے، ان کے سامنے وہ موضوعات و عجائب اور بواطیل ہیں جن کو ان کے لڑکے نے ان کی طرف منسوب کیا ہے، دوسرے تلامذہ کے واسطہ سے ان کی احادیث کتابوں میں بغیر نکیر کے پائی جاتی ہیں۔

عبدالرحمن بیلمانی کے تذکرہ میں ان کے شاعرانہ کمالات کا ذکر بھی ملتا ہے اور یہ کہ انھوں نے خلیفہ ولید بن عبدالملک کے دربار میں اس کی شان میں قصیدہ پڑھا اور انعام و اکرام سے نوازے گئے۔

وقیل: کان شاعراً مجیداً۔ وفد علی الولید فأجزل لہ الحباء[۲] کہا گیا ہے کہ وہ بہترین شاعر تھے، ولید کے پاس گئے تو اس نے ان کو عطیہ سے نوازا۔

---

[۱] تہذیب التہذیب ج ۶ ص ۱۵۰ [۲] تہذیب التہذیب ج ۶ ص ۱۵۰

کی کتابوں میں موجود ہیں، چنانچہ جامع ترمذی میں یہ حدیث ان سے روایت ہے من حج ھذا البیت او اعتمر فلیکن آخر عھدہ بالبیت، اور سنن نسائی میں حضرت عمرو بن عبسہ کے مکہ مکرمہ میں اسلام لانے اور وطن چلے جانے کے بعد مدینہ منورہ میں حاضر ہونے کا پورا واقعہ ان سے مروی ہے، نیز دیگر کتب حدیث میں ان کی روایات موجود ہیں۔ ابن ابو حاتم رازی نے لکھا ہے کہ عبد الرحمٰن بن بیلمانی مولیٰ عمر نے حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے حدیث کا سماع کیا ہے اور ان سے سماک بن فضل، زید بن اسلم اور ربیعہ نے روایت کی ہے[۱]۔ ابن حبان نے ان کو ثقات میں شمار کیا ہے مگر ابو حاتم رازی نے ان کو لین بتایا ہے، دارقطنی نے کہا ہے:
ضعیف لاتقوم بہ حجۃ یعنی وہ ضعیف راوی ہیں ان کی مرویات حجت نہیں ہوسکتی ہیں، ازدی نے اس سے آگے بڑھ کر کہا ہے کہ منکر الحدیث یروی عن ابن عمر بواطیل یعنی وہ منکر الحدیث ہیں حضرت عبداللہ بن عمر کی طرف منسوب کرکے باطل روایات بیان کرتے ہیں، صالح جزرہ نے کہا ہے کہ حدیثہ منکر ولا یعرف انہ سمع من احد من الصحابۃ إلا سرق یعنی وہ منکر الحدیث ہیں، حضرت سرق رض کے علاوہ کسی اور صحابہ سے ان کا سماع غیر معروف ہے، اس کا مطلب یہ ہے کہ صالح جزرہ کے نزدیک ان کی جو حدیثیں مذکورہ بالا صحابہ کرام سے مروی ہیں وہ مرفوع نہیں بلکہ مرسل ہیں، عبدالرحمٰن بیلمانی کے بارے میں علمائے حدیث ورجال کی یہ جرح ان کے لڑکے محمد کی بے احتیاطی اور غلط روی کا نتیجہ ہے، وہ اپنے والد کی طرف منسوب کرکے موضوع احادیث کی روایت کیا کرتے تھے ورنہ عبدالرحمٰن بن ابو زید بیلمانی فی نفسہ ثقہ تھے، اس سلسلہ میں حافظ ابن حجر کا قول فیصل یہ ہے:

لا یجب ان یعتبر لشیءٍ من حدیثہ اذا کان من روایۃ ابنہ محمد — جب ان سے ان کے لڑکے محمد کی کوئی روایت ہو تو اس کا اعتبار کرنا ضروری نہیں ہے،

---

[۱] الجرح والتعدیل ج ۲ قسم ۱ ص ۲۶۳

کی ہے۔

محمد بن حارث بیلمانی	حارث بیلمانی کے لڑکے ہیں، انھوں نے اپنے والد سے روایت کی جنھوں نے حضرت ابن عمر سے روایت کی ہے، نیز محمد بن حارث بن زیاد حارثی سے

روایت کی ہے جنھوں نے محمد بن عبد الرحمن بیلمانی سے روایت کی ہے، محدثین اور ائمۂ رجال نے ان کی تضعیف کی ہے[1]

محمد بن ابراہیم بیلمانی	تبع تابعین میں سے ہیں، ان سے عبید اللہ بن ربیع نجرانی نے روایت کی ہے۔

---

[1] تہذیب التہذیب ج ۹ ص ۱۰۴

ان کی وفات خلیفہ ولید کے دور (۸۶ھ تا ۹۶ھ) میں ہوئی، جیسا کہ ابن سعد اور حافظ ابن حجر نے لکھا ہے۔

محمد بن عبد الرحمٰن بیلمانی کوفی جیسا کہ معلوم ہوا عبد الرحمٰن بن ابو زید بیلمانی کے لڑکے ہیں، حافظ ابن حجر نے ان کو مولی آل عمر کے ساتھ الکوفی النحوی لکھا ہے کہ یعنی ان کا مستقل قیام کوفہ میں تھا، اور وہ علمائے نحو میں شمار ہوتے تھے، باپ کی طرح یہ بھی حضرت عمر کے خاندان کے مولی تھے، انھوں نے حدیث کی روایت اپنے والد عبد الرحمٰن بیلمانی اور ان کے ماموں سے کی ہے مگر ان سے سماع نہیں کیا ہے، اور ان سے سعید بن بشیر بخاری، عبید اللہ بن عباس بن ربیع حارثی، محمد بن حارث بن زیاد حارثی، محمد بن کثیر عبدی، ابو سلمہ موسیٰ بن اسمٰعیل وغیرہ نے روایت کی ہے، اور جیسا کہ معلوم ہوا انھوں نے بہت سی موضوع احادیث اپنے والد کی مرویات کے نام سے روایت کیں جس کی وجہ سے ائمۂ حدیث کے نزدیک خود بھی مجروح ہوئے اور باپ کو بھی مجروح اور ناقابل احتجاج بنا دیا، ابن حبان نے ان کے بارے میں لکھا ہے:

حدث عن ابیه بنسخة شبیها بما... حدیث کلها موضوعة لا یجوز الاحتجاج به ولا ذکره الا علی وجه التعجب[1]	انھوں نے اپنے باپ سے ایک مجموعہ سے روایت کی جس میں تقریباً دو احادیث تھیں اور سب کی سب موضوع تھیں ان سے دلیل لانا جائز نہیں ہے، اور ان کا بیان کرنا جائز ہے، البتہ اظہار تعجب اور بیان واقعہ کے طور پر ان کا ذکر کیا جا سکتا ہے۔

اسی لئے ائمۂ حدیث و رجال مثلاً ابن معین، بخاری، ابو حاتم، نسائی اور ابن عدی نے ان کو منکر الحدیث اور لیس بشیٔ قرار دیا ہے۔

حارث بیلمانی حارث بیلمانی علمائے تابعین میں سے ہیں، حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت کی ہے، اور ان سے ان کے لڑکے محمد بن حارث بیلمانی نے روایت

[1] تہذیب التہذیب ج ۹ ص ۲۹۳ و ۲۹۴

۱۹۵۴ء حیات شیخ عبدالحق محدث دہلوی۔ العلم والعلماء۔ اسلام کا نظام عفت و عصمت۔
تاریخ صقلیہ۔ تاریخ ملت جلد نہم

۱۹۵۵ء اسلام کا زرعی نظام۔ تاریخ ادبیات ایران۔ تاریخ علم فقہ۔ تاریخ ملت حصہ دہم۔ سلاطین ہند اول
تذکرہ ملا محمد بن طاہر محدث پٹنی

۱۹۵۶ء ترجمان السنہ جلد ثالث۔ اسلام کا نظام حکومت طبع جدید وا ضافہ بہ ترتیب جدید۔ بین الاقوامی
سیاسی معلومات حصہ دوم۔ خلفائے راشدین اور اہل بیت کرام کے باہمی تعلقات

۱۹۵۷ء لغات القرآن جلد پنجم۔ صدیق اکبرؓ۔ تاریخ ملت حصہ یازدہم۔ سلاطین ہند دوم۔ انقلاب ۱۸۵۷ء اور روس انقلاب کے بعد

۱۹۵۸ء لغات القرآن جلد ششم۔ سلاطین دہلی کے مذہبی رجحانات۔ تاریخ گجرات۔ جدید بین الاقوامی سیاسی معلومات جلد سوم

۱۹۵۹ء حضرت عمرؓ کے سرکاری خطوط۔ ۱۸۵۷ء کا تاریخی روزنامچہ۔ جنگ آزادی ۱۸۵۷ء۔ مصائب و رکوبن۔

۱۹۶۰ء تفسیر مظہری اردو پارہ ۲۹-۳۰۔ حضرت ابوبکر صدیقؓ کے سرکاری خطوط
امام غزالی کا فلسفہ مذہب و اخلاق۔ عروج و زوال کا الٰہی نظام۔

۱۹۶۱ء تفسیر مظہری اردو جلد اول۔ مرزا مظہر جان جاناں کے خطوط۔ اسلامی کتب خانے۔ عرب دنیا۔
تاریخ ہند پر نئی روشنی

۱۹۶۲ء تفسیر مظہری اردو جلد دوم۔ اسلامی دنیا دسویں صدی عیسوی میں۔ معارف الآثار۔
نیل سے فرات تک۔

۱۹۶۳ء تفسیر مظہری اردو جلد سوم۔ تاریخ ردہ۔ پیر کشی ضلع بجنور۔ علماء ہند کا شاندار ماضی اول

۱۹۶۴ء تفسیر مظہری اردو جلد چہارم۔ حضرت عثمانؓ کے سرکاری خطوط۔ عرب و ہند عہد رسالت میں۔
ہندوستان شاہان مغلیہ کے عہد میں۔

۱۹۶۵ء ہندوستان میں مسلمانوں کا نظام تعلیم و تربیت جلد اول۔ تاریخی مقالات
لادینی دور کا تاریخی پس منظر۔ ایشیا میں آخری نوآبادیات

۱۹۶۶ء تفسیر مظہری اردو جلد پنجم۔ مور عشق۔ خواجہ بندہ نواز کا تصوف و سلوک۔
ہندوستان میں عربوں کی حکومتیں۔

۱۹۶۷ء ترجمان السنہ جلد چہارم۔ تفسیر مظہری اردو جلد ششم۔ حضرت عبداللہ بن مسعود اور ان کی فقہ

۱۹۶۸ء تفسیر مظہری اردو جلد ہفتم۔ تین تذکرے۔ شاہ ولی اللہ کے سیاسی مکتوبات
اسلامی ہند کی عظمت رفتہ۔

۱۹۶۹ء تفسیر مظہری اردو جلد ہشتم۔ تاریخ الفخری۔ حیات ذاکر حسین۔ دین الٰہی اور اس کا پس منظر

۱۹۷۰ء حیات شبلی۔ تفسیر مظہری اردو جلد نہم۔ مآثر و معارف۔ احکام شرعیہ میں حالات زمانہ کی رعایت

۱۹۷۱ء تفسیر مظہری اردو جلد دہم۔ بیماری اور اس کا روحانی علاج۔ خلافت راشدہ اور ہندوستان

۱۹۷۲ء فقہ اسلامی کا تاریخی پس منظر۔ انتخاب الترغیب والترہیب۔ اخبار التنزیل
عربی لٹریچر میں قدیم ہندوستان

ندوۃ المصنفین دہلی کا علمی و دینی ماہنامہ

مرتبہ

سعید احمد اکبرآبادی

Regd. No. D. (D) 231 Phone 262815 SEPTEMBER 1971

Subs. Rs. 15-00 Per Copi Rs.1-50

حکیم مولوی محمد ظفر احمد خاں پرنٹر پبلشر نے یونین پرنٹنگ پریس دہلی میں طبع کرا کر
دفتر برہان اردو بازار جامع مسجد دہلی ۶ سے شائع کیا۔

برہان

جلد ۷۵ | ماہ شوال المکرم ۱۳۹۵ھ مطابق اکتوبر ۱۹۷۵ء | شمارہ ۴

فہرست مضامین

۱۔ نظرات — سعید احمد اکبرآبادی — ۱۹۴

مقالات

۲۔ عہد نبوی کے غزوات وسرایا اور ان کے مآخذ پر ایک نظر — ״ ״ — ۱۹۸

۳۔ حدیث کا درایتی معیار — مولانا محمد تقی امینی ناظم سنی دینیات مسلم یونیورسٹی علی گڑھ — ۲۱۱

۴۔ طبقات الشافعیہ اور اس کے مؤلفین — ڈاکٹر عبدالرشید صاحب استاذ عربی پٹنہ کالج ـــــ پٹنہ — ۲۲۳

۵۔ ادبی مصادر میں آثار عمرین رض — ڈاکٹر ابو النصر محمد خالدی صاحب عثمانیہ یونیورسٹی۔ حیدرآباد — ۲۳۷

۶۔ ادبیات غزل — جناب حرمت الاکرام صاحب رام باغ۔ مرزا پور — ۲۵۰

۷۔ تبصرے — س ع — ۲۵۱

موضوع گفتگو چونکہ بڑا ہنگامہ خیز تھا اس لئے ہال سامعین سے کھچا کھچ بھرا ہوا تھا اور گیلریوں میں مجمع تھا۔ تقریریں شروع ہوئیں اور دونوں طرف سے دلائل وبراہین کے انبار لگتے رہے، آخر میں میری باری آئی، آج مجکو ندامت کے ساتھ اس کا اعتراف ہے کہ یہ زمانہ میرے شباب کا تھا، جب کہ میں جذبات انگیزی کو معیارِ کمال سمجھتا تھا، اس بنا پر میں نے اپنی تقریر میں پہلے سنجیدگی سے شعروشاعری کی اصل حقیقت اور اس کے اوصاف ولوازم پر روشنی ڈالی اور پھر ترقی پسند شاعری کا جائزہ لیتے ہوئے میراجی اور راشد کے وہ تمام عریاں اور فحش اشعار سنا ڈالے جو اس وقت مجھے یاد آگئے نتیجہ یہ ہوا کہ مجمع نے مجکو چیرز پر چیرز دئے اور حزب مخالف کے خلاف سخت جوش وخروش پیدا ہوگیا، اب جناب صدر کو ووٹ لینے تھے لیکن مجمع کا رنگ دیکھ کر اس خوف سے کہ فساد نہ ہوجائے انھوں نے اس کا ارادہ ملتوی کر دیا اور اپنی مختصر صدارتی تقریر کے بعد جلسہ کے ختم ہونے کا اعلان کر دیا۔ مرحوم سجاد ظہیر نے اپنی کتاب "روشنائی" میں اس واقعہ کا ذکر کیا اور میری اس حرکت پر افسوس کے ساتھ حیرت واستعجاب کا اظہار کیا ہے، وہ اور ڈاکٹر اشرف دونوں صف اول کے کمونسٹ تھے مگر نہاد وطبع کے اعتبار سے بڑے شریف، ملنسار اور خلیق تھے اس واقعہ کے بعد بھی میرے ساتھ ان کی وضع میں کوئی فرق نہیں آیا۔ جب کبھی ملے بڑے تپاک سے ملے اور متوجہ ہو کر گفتگو کی۔

اتنے عرصہ کے بعد میں نے یہ واقعہ یہاں دو غرض سے لکھا ہے: (۱) اول تو یہ کہ اس زمانہ میں میں برہان کے نظرات میں اپنی علمی وادبی سرگرمیوں کا تذکرہ بہت کم کرتا تھا چنانچہ اس واقعہ کا بھی نہیں کیا، اب میں چاہتا ہوں کہ برہان میں محفوظ ہوجائے، اور دوسرے یہ کہ میں اعلان کرتا ہوں کہ یہ واقعہ [illegible] سے میری حیات گذشتہ کے اُن واقعات میں سے ہے (اور ایسے واقعات ایک دو نہیں بلکہ متعدد ہیں) جن پر مجھے اب ندامت اور افسوس

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

نظرات

جناب رفعت سروش اردو زبان کے بلند پایہ ادیب اور شاعر ہیں اور آج کل آل انڈیا ریڈیو اسٹیشن نئی دہلی میں شعبۂ اردو کے انچارج ہیں، ابھی پچھلے دنوں ایک ریڈیو تقریر کے سلسلہ میں ان سے ملاقات ہوئی تو باتوں باتوں میں انھوں نے کہا کہ میں نے سب سے پہلے آپ کی وہ تقریر سنی ہے جو ۱۹۴۳ء میں دہلی کے ٹاؤن ہال میں ڈاکٹر محمد اشرف اور سجاد ظہیر کے بالمقابل اردو کی ترقی پسند شاعری کی مخالفت میں آپ نے کی تھی، پھر انھوں نے مسکرا کر کہا: آپ کی یہ عجیب و غریب تقریر تھی اور مجمع پر اس کا بڑا اثر ہوا تھا۔ آج اس واقعہ پر ۳۵ برس کا طویل زمانہ بیت گیا، مگر رفعت سروش صاحب نے اسے یاد دلایا تو ایسا محسوس ہونے لگا کہ گویا کل کی بات ہے، ہوا یہ تھا کہ اس زمانہ میں ترقی پسند شاعری کا بڑا غلغلہ تھا، میرا جی اور ن م راشد کی شاعری نے ایک قیامت برپا کر رکھی تھی اور اس کی مخالفت و موافقت میں بہت کچھ کہا سنا اور لکھا جا رہا تھا۔ اس سلسلہ میں بعض حضرات نے اس موضوع پر ایک پبلک جلسہ اور مذاکرہ کا انتظام کیا۔ یہ جلسہ سر سید رضا علی مرحوم کی صدارت میں ٹاؤن ہال میں منعقد ہوا۔ دونوں طرف سے بولنے والوں کے پینل بنا دئے گئے تھے، ایک طرف پروفیسر فیض احمد فیض، ڈاکٹر محمد اشرف اور سجاد ظہیر تھے، یہ تینوں حضرات ترقی پسند شاعری کے حامی گروپ کے سرخیل و سرغنہ اور نہایت لائق و قابل اور اپنے فن میں ممتاز تھے، ان کے مقابل جن کو بولنا تھا ان میں خواجہ محمد شفیع، ہلال احمد زبیری اور خاکسار اڈیٹر برہان کے نام تھے،

سے ۲۰ رمضان المبارک تک رہی۔ مفتی صاحب یہاں سے ۱۹ ستمبر کو روانہ ہوئے اور ۱۶ اکتوبر کو بخیریت وعافیت واپس آگئے، فالحمد للہ علیٰ ذالک۔ اس درمیان میں پانچ روز مدینہ منورہ میں قیام رہا، بقیہ ایام مکہ مکرمہ میں بسر ہوئے، جیساکہ نام سے ظاہر ہے، کانفرنس کا مقصد مساجد کی ازسرِنو ایسی تنظیم کرنا ہے کہ اسلام کے قرنِ اول میں مساجد کے جو مقاصد تھے وہ باحسنِ وجوہ پورے ہوں، اس اعتبار سے یہ کانفرنس اپنی نوعیت کی پہلی کانفرنس تھی جو بہمہ وجوہ کامیاب رہی۔

ہے، مجھے یقین ہے کہ مخالف کیسا ہی ہو بہرحال اس کے ساتھ استہزا اور تمسخر کا معاملہ کرنا غیر اسلامی اور غیر شریفانہ فعل ہے۔

افسوس ہے پچھلے دنوں مولانا شاہد فاخری الہ آبادی کا انتقال ہوگیا۔ مرحوم دائرۂ اجملیہ الہ آباد کے سجادہ نشین، خلافت تحریک کے عظیم قائد اور شعلہ بیان مقرر مولانا فاخر الہ آبادی کے خلف الرشید اور ان کی روایات وخصوصیات کے بدرجۂ اتم حامل تھے، چنانچہ انھوں نے بھی ساری عمر آزادی سے پہلے اور آزادی کے بعد کی قومی وملی تحریکات میں گذار دی۔ والد رحمۃ اللہ علیہ کی طرح شعلہ بیان اور نہایت پرجوش خطیب تھے۔ آخر تک کانگریس اور جمعیۃ علماء ہند سے وابستہ رہے اور اس سلسلہ میں قید وبند کے محن سے بھی دوچار ہوئے۔ ان کی زندگی سراپا ایثار وخلوص تھی۔ حق بات کہنے میں نہایت جری اور بیباک تھے۔ ان کا قومی اور ملی حلقوں میں بڑا احترام اور وقار تھا۔ آزادی کے بعد انھوں نے جس جرأت وجسارت سے مسلم کاز کی حمایت کی وہ ان کا طغرائے امتیاز تھا۔ پنڈت جواہرلال نہرو اور ان کے خاندان سے ان کے ذاتی اور بے تکلفانہ تعلقات تھے۔ مگر پنڈت جی کے سامنے بھی وہ حق بات کہنے میں کبھی نہیں ہچکچائے جس کی وجہ سے پنڈت جی ان کی بڑی قدر کرتے تھے۔ اللھم اغفر لہٗ وارحمہٗ۔

مولانا مفتی عتیق الرحمن صاحب عثمانی کا ابھی سفرنامۂ عراق ختم نہیں ہوا تھا کہ انھیں سعودیہ عربیہ کا سفر پیش آگیا۔ مکہ مکرمہ کے رابطۃ العالم اسلامی نے علماء اسلام کی ایک کانفرنس "موتمر رسالۃ المسجد" یعنی مسجد کے پیغام کی موتمر کے عنوان سے مکہ مکرمہ میں منعقد کی تھی۔ مفتی صاحب کو بھی اس میں شرکت کا دعوت نامہ ملا جسے انھوں نے منظور کرلیا۔ یہ کانفرنس ۲۰ ستمبر سے ۲۵ ستمبر اور حجاز مقدس کے قمری حساب سے ۱۵ رمضان المبارک

عِنْدَ رَسُوْلِ اللّٰہِ حَتّٰی یَنْفَضُّوْا۔ (المنافقون[1])

جو لوگ جمع ہیں (یعنی مسلمان) ان پر تم خرچ نہ کرو تا آنکہ یہ منتشر ہوں۔

خاص یہود سے متعلق اس سلسلہ میں فرمایا گیا:

ومن اھل الکتاب من ان تامنہ بقنطار یؤدہ الیک ومنھم من ان تامنہ بدینار لا یؤدہ الیک الا مادمت علیہ قائماً، ذالک بانھم قالوا: لیس علینا فی الامیین سبیل، ویقولون علی اللہ الکذب وھم یعلمون ۝ (آل عمران)

اہل کتاب میں بعض وہ لوگ ہیں کہ اگر آپ سونے کا ایک توڑا بھی ان کے پاس امانت رکھیں تو وہ اس امانت کو واپس کر دیں گے اور ان میں بعض ایسے بھی ہیں کہ اگر ایک اشرفی بھی ان کے پاس بہ طور امانت رکھیں تو وہ اس کو اس وقت تک آپ کے حوالہ نہیں کریں گے جب تک آپ ہر وقت ان کے سر پر کھڑے نہ رہیں گے، ان کی یہ حرکات اس لئے ہیں کہ یہ لوگ کہتے ہیں: ہم پر تو امیوں کا کوئی بس چلتا نہیں ہے اور یہ لوگ اللہ پر افترا اور بہتان باندھتے ہیں حالانکہ وہ خود جانتے ہیں

---

[1] یہود اور منافقین آئے دن جلی کٹی باتیں کرتے رہتے تھے جو سخت اشتعال انگیز ہوتی تھیں لیکن قرآن کی زبان اور انداز بیان کا ایک وصف امتیازی یہ بھی ہے کہ جب اس نے یہود اور منافقین کی کسی بات کا جواب دیا ہے تو اس میں تین چیزوں کا لحاظ لازمی طور پر رکھا ہے،

(۱) ایک یہ کہ کسی کا نام نہیں لیا (۲) دوسرے یہ کہ اس میں دینی پہلو کو ضرور نمایاں کیا گیا ہے، اور (۳) تیسرے یہ کہ لب و لہجہ نہایت معتدل اور متین و سنجیدہ رہا ہے، چنانچہ اس موقع پر بھی دیکھئے، منافقین کی اس سخت بات کے جواب میں قرآن کا جواب کس درجہ ٹھنڈا، متین مگر عبرت آموز ہے، فرمایا گیا: (باقی اگلے صفحہ پر)

عہد نبوی کے غزوات و سرایا
اور
ان کے مآخذ پر ایک نظر

(۱۴)

سعید احمد اکبر آبادی

مسلمانوں کا اقتصادی بائیکاٹ یہود مالدار اور کاروباری لوگ تھے، اس لئے مسلمانوں کا بھی ان سے لین دین تھا۔ عام خرید و فروخت کے علاوہ مسلمان یہود سے روپیہ قرض لیتے اور ان کے پاس اپنی امانتیں بھی رکھتے تھے، غزوۂ بدر کے بعد انھوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور اسلام کی دشمنی میں جو اقدامات کئے ان میں ایک مسلمانوں کا اقتصادی اور معاشی مقاطعہ بھی تھا۔ اس کی صورت یہ تھی کہ یہود کے پاس مسلمانوں کی جو امانتیں رکھی تھیں یا ان کے ذمہ مسلمانوں کا جو قرض روپیہ تھا۔ یا یہ خود مسلمانوں کو جو روپیہ ادھار پر دیتے تھے، یہ سب انھوں نے ترک کر دیا۔ اور باہم عہد کیا کہ اب وہ آئندہ نہ مسلمانوں کا قرض ادا کریں گے اور نہ ان کی امانتیں واپس کریں گے۔ منافقین برادر گرگ شغال کے مصداق ان کے ہم مشرب وہم مسلک تھے ہی ان کو بھی اس پر آمادہ کیا کہ وہ لوگوں میں مسلمانوں کے اقتصادی مقاطعہ کا پروپگنڈا کریں۔ چنانچہ قرآن مجید میں ہے:

ھُمُ الَّذِیْنَ یَقُوْلُوْنَ لَا تُنْفِقُوْا عَلٰی مَنْ یہی وہ لوگ ہیں جو کہتے ہیں کہ رسول اللہ کے اردگرد

طاقتور اور یہود کے سرخیل و سرغنہ تین قبیلے ہی تھے، بنو نضیر، بنو قریظہ، اور بنو قینقاع، اول الذکر دونوں قبیلے مدینہ کے بیرونی حصہ میں آباد تھے اور ان کے بڑے بڑے اور محفوظ قلعے تھے جن کا ذکر قرآن مجید میں بھی ہے، لیکن بنو قینقاع کی پوزیشن ان دونوں سے مختلف تھی، یہ لوگ جن کی تعداد ۱۰۰۰ ایک ہزار کے لگ بھگ تھی وسط شہر میں رہتے تھے ان کے محلے مسلمانوں کے محلے سے ملے جلے تھے اور بعض محلوں میں آبادی مشترک تھی ان کا خاص پیشہ صنعت و حرفت اور تجارت تھی چنانچہ مدینہ کے ایک بازار کا نام ہی "سوق بنی قینقاع" یعنی "بنی قینقاع مارکیٹ" تھا۔ اس بنا پر دور اندیشی اور مصلحت شناسی کا تقاضا تھا کہ سب سے پہلے اس قبیلہ کی طرف توجہ کی جائے۔

علاوہ ازیں یہ اس لئے بھی ضروری تھا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے یہود سے جو معاہدہ کیا تھا اس کو توڑنے اور اس کی خلاف ورزی کرنے میں پیش پیش تھے۔ چنانچہ مورخین کا بیان ہے:

وکان اول من نقض العہد بینہ و بین رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وغدر من یہود بنو قینقاع[1]

یہود کے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے درمیان جو معاہدہ تھا اس کو یہود میں سب سے پہلے جس نے توڑا اور غداری کی وہ بنو قینقاع ہیں۔

یہ ابن اسحق کا بیان ہے جس کو ابن ہشام اور طبری نے بھی نقل کیا ہے۔ ابن سعد نے اس پر مزید اضافہ یہ کیا ہے:

فلما کانت وقعۃ بدر اظہروا البغی والحسد ونبذوا العہد

جب واقعۂ بدر ہو چکا تو قینقاع نے بغاوت اور حسد کا اظہار کیا اور عہد پس پشت ڈال دیا

---

[1] الدرر لابن عبد البر ص ۱۵۰

مفسرین اس آیت کا سبب نزول یہ بتاتے ہیں کہ یہود کا عربوں کے ساتھ لین دین تھا۔ جب عربوں میں اسلام پھیلنا شروع ہوا تو یہود نے آپس میں کہا کہ مسلمان عربوں کی جو رقمیں تم پر واجب الادا ہیں یا ان کی جو امانتیں تمھارے پاس رکھی ہوئی ہیں اب ان کو واپس نہ کرنا۔ کیونکہ اب ان لوگوں نے مسلمان ہو کر اپنا یہ حق کھو دیا اور مزید برآں کہا کہ توراۃ میں بھی یہی ہے[1]۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا فیصلہ اب تک آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم یہود کی سخت معاندانہ اور مخالفانہ سرگرمیوں کو اس توقع پر نظر انداز کرتے رہے تھے کہ شاید وہ راہ راست پر آجائیں۔ لیکن غزوۂ بدر کے بعد مزید مسامحت اور چشم پوشی کرنا ممکن نہ تھا، کیونکہ غزوۂ بدر میں عظیم الشان فتح نہ صرف عرب بلکہ پوری دنیائے کفر و شرک کے لئے ایک عظیم چیلنج تھی، اس بنا پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو یقین تھا کہ غزوۂ بدر آخری جنگ نہیں ہے، بلکہ اس کے بعد اور اس سے بھی بڑی اور سخت تر جنگوں سے سابقہ پڑے گا، اس حالت میں اگر اندرون مدینہ یہود اپنی باغیانہ سرگرمیوں کے ساتھ آزاد اور قائم رہے تو وہ مسلمانوں کو ناقابل تلافی نقصان پہونچا سکتے ہیں، اس لئے ضروری تھا کہ دوسری جنگوں کے شروع ہونے سے پہلے یہود کے معاملہ سے نمٹ لیا جائے۔

بنو قینقاع جیسا کہ پہلے بتایا جا چکا ہے، مدینہ اور اس کے گرد و نواح میں یہود کے چھوٹے بڑے متعدد قبائل آباد تھے، لیکن ان میں سب سے زیادہ با اثر،

(بقیہ صفحہ گذشتہ)

وَلِلّٰہِ خَزَائِنُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ، وَلٰکِنَّ الْمُنٰفِقِیْنَ لَا یَفْقَہُوْنَ ٥

حالانکہ آسمانوں میں اور زمین میں جو کچھ ہے وہ سب اللہ ہی کا تو ہے، پھر بھی منافق سمجھتے نہیں ہیں۔

[1] تفسیر روح المعانی ج ۳ ص ۲۰۲ و تفسیر ابن جریر طبری و تفسیر قرطبی وغیرہ۔

پر چڑھائی کر دی[1]۔

بنو قینقاع کو اپنی طاقت و قوت اور فن سپہ گری پر بڑا ناز تھا۔ لیکن اب لشکر اسلام کو حملہ آور دیکھا تو روبرو ہو کر لڑنے کی ہمت نہیں ہوئی اور قلعہ بند ہو کر بیٹھ گئے۔ لشکر اسلام نے ان کا محاصرہ کر لیا، محاصرہ کو دو ہفتے ہوئے تھے کہ عبداللہ بن ابی بن سلول جو رئیس المنافقین تھا اور چونکہ قبیلۂ خزرج بنو قینقاع کا حلیف تھا اور عبداللہ بھی خزرجی تھا اس لئے اس نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے بنو قینقاع کے ساتھ حسن معاملہ کی سفارش کی لیکن آپ نے اس پر توجہ نہیں کی اور سنی ان سنی کر دی، عبداللہ نے ازراہ استرحام اب آپ کی زرہ کے گریبان میں ہاتھ ڈال کر اسی درخواست کا پھر اعادہ کیا۔ حضور نے فرمایا: "ارسلنی" تو مجھے چھوڑ دے، راوی کا بیان ہے کہ اس وقت حضور اس درجہ غضب ناک تھے کہ چہرہ پر سیاہ چھائیاں نظر آرہی تھیں، اسی غصہ کے عالم میں آپ نے دوبارہ فرمایا: "بدبخت! پرے ہٹ!" عبداللہ بن ابی نے جواب دیا "خدا کی قسم! میں یہاں سے ہرگز نہیں ہٹوں گا جب تک آپ میری خاطر ان کی جان بخشی نہیں کر دیں گے!" اس پہ ارشاد ہوا: "اچھا جا! تیری خاطر ان کی جان بخشی کی جاتی ہے" اور اب آپ نے ان کو جلاوطن کرنے کا حکم دیا، عورتوں اور مردوں سب کو ملا کر ان کی تعداد ایک ہزار تھی، شام کے علاقہ میں ایک مقام اذرعات تھا۔ ہتیاروں

---

[1] اس واقعہ سے اندازہ ہوسکتا ہے کہ اسلام میں عورتوں کے ناموس اور ان کی حرمت و عزت کا کس درجہ پاس اور لحاظ ہے۔ چنانچہ سندھ پہ محمد بن قاسم کی فوج کشی کا واقعہ بھی اسی طرح پیش آیا۔ مسلمانوں کا ایک قافلہ بحر ہند سے گذر رہا تھا کہ بحری ڈاکوؤں کے ایک گروہ نے اس پر حملہ کیا اور ایک عورت کو گرفتار کر لیا، عورت نے خلیفۂ اسلام (ولید بن عبدالملک) کی دہائی دی جو خلیفہ تک پہونچ گئی خلیفہ نے سندھ کے حکمران راجہ داہر کو احتجاجی خط لکھا۔ جب اس کا جواب نہیں آیا تو محمد بن قاسم کی سرکردگی میں سندھ پر چڑھائی کر دی، پھر اس کا جو نتیجہ ہوا سب کو معلوم ہے۔

چنانچہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم جب بدر سے واپس تشریف لائے تو بنو قینقاع آپ کے پاس آئے اور بولے : محمد! تم نے اپنی قوم قریش کو میدانِ بدر میں شکست دے کر ان کی جوگت بنائی ہے تم اس پر مغرور نہ ہو جانا۔ کیونکہ انھیں لڑنا نہیں آتا، ہاں البتہ! خدا کی قسم! اگر تم نے ہم سے جنگ کی تو تم کو معلوم ہو جائے گا کہ ہم کون لوگ ہیں[1]۔ یہ روایت بھی ابن اسحٰق کی ہے جس کو ابن عبدالبر نے نقل کیا ہے، لیکن عام روایت یہ ہے کہ آنے میں پہل بنو قینقاع نے نہیں کی تھی بلکہ غزوۂ بدر کے بعد خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ان کی آبادی میں پہونچے، ان سب کو جمع کیا اور فرمایا: "اے بنو قینقاع! تم نے دیکھ لیا کہ بدر میں قریش کا انجام کیا ہوا! اب میں تم کو خبردار کرتا ہوں کہ تم اپنی سرگرمیوں سے باز آجاؤ اور میری اطاعت قبول کر لو۔ ورنہ تمھارا انجام بھی وہی ہوگا جو قریش کا ہوا۔" حضور کی اس تقریر کے جواب میں انھوں نے وہی بات کہی جو اوپر مذکور ہو چکی ہے[2]۔ ہمارے نزدیک یہی روایت زیادہ صحیح اور قرینِ قیاس ہے۔

اسی اثناء میں ایک اور واقعہ پیش آگیا جو اگرچہ معمولی ہے، لیکن انگریزی کا ایک مقولہ ہے کہ دنیا میں جتنی بڑی بڑی جنگیں ہوئی ہیں ان کا آغاز ایک معمولی واقعہ سے ہوا ہے، چنانچہ یہی واقعہ بنو قینقاع پر فوج کشی کا سبب ہوا۔ ہوا یہ کہ ایک مسلمان خاتون سوق بنی قینقاع گئی تھیں، وہاں ایک یہودی زرگر کی دکان پر نقاب پوش بیٹھی تھیں۔ یہود نے ان کی چہرہ کشائی کرنی چاہی، جب انھوں نے سختی کے ساتھ اس کی مقاومت کی تو زرگر نے ایسی ناشائستہ حرکت کی کہ عورت کا ستر کھل گیا، عورت نے شور مچایا اور چیخی تو مسلمان جمع ہو گئے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو اس واقعہ کی اطلاع ہوئی تو آپ نے جنگ کا اعلان کیا اور بنو قینقاع

---

[1] الدرر لابن عبدالبر ص ۱۵۰

[2] سیرت ابن ہشام ج ۳ ص ۵۰

کوتاہ بینوں نے اس ارشاد کا مطلب یہ لیا ہے کہ "پیغمبر اسلام نے بنو قینقاع کو دھمکی دی کہ اگر انھوں نے اسلام قبول نہیں کیا تو ان کا انجام وہی ہوگا جو قریش کا ہوا۔ اور اس سے ثابت ہوتا ہے کہ اسلام تلوار سے پھیلا ہے" عیسائی مشنریز کا خصوصاً اور عام معترضین کا عموماً یہ ایک مشہور اعتراض ہے، اس لئے ہم ذرا تفصیل سے اس پر گفتگو کریں گے۔

کیا اسلام تلوار سے پھیلا ہے

اس سلسلہ میں سب سے پہلے اس پر غور کرنا چاہئے کہ اس معاملہ میں قرآن میں حکم کیا ہے؟ اس میں شک نہیں کہ قرآن سراپا دعوتِ اسلام ہے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی غرضِ بعثت ہی دعوتِ اسلام ہے لیکن پورے قرآن میں کہیں ایک جگہ بھی صراحۃً و اشارۃً یہ نہیں کہا گیا کہ جو لوگ اسلام قبول نہیں کرتے ان کے خلاف اعلان جنگ کر دینا چاہیے۔ قرآن میں تفصیل کے ساتھ جنگ اور اس کے احکام کا تذکرہ اور اس سلسلہ میں ہدایات کا بیان ہے۔ لیکن جنگ کی بنیاد بجز اللہ اور اس کے رسول اور مسلمانوں کے ساتھ دشمنی، ایذا رسانی، غدر، خیانت اور شدید مخاصمانہ حرکات و اعمال کے کوئی اور چیز نہیں بنائی گئی، جہاں تک اسلام قبول نہ کرنے کا تعلق ہے تو ایک دو مرتبہ نہیں بار بار آنحضرت کو حکم دیا گیا ہے کہ اگر لوگ آپ کی دعوت قبول نہ کریں تو آپ ان کا معاملہ خدا پر چھوڑ دیجئے اور آپ صبر کیجئے[1] ایک جگہ فرمایا گیا:

فَاِنۡ تَوَلَّوۡا فَقُلۡ حَسۡبِیَ اللّٰہُ لَاۤ اِلٰـہَ اِلَّا ہُوَ عَلَیۡہِ تَوَکَّلۡتُ وَ ہُوَ رَبُّ الۡعَرۡشِ الۡعَظِیۡمِ

اگر لوگ آپ کی بات نہ مانیں تو آپ کہہ دیجئے کہ اللہ میرے لئے کافی ہے، اس کے سوا کوئی معبود نہیں، میں نے اس پر بھروسہ کیا ہے اور وہ عرش عظیم کا مالک ہے۔

---

[1] اس موضوع پر مضمون کی کسی ابتدائی قسط میں بھی گفتگو ہو چکی ہے، مگر بہت مختصر!

کے سوا سب چیزیں لے جانے کی اجازت تھی، یہ لوگ وہاں جاکر آباد ہوگئے۔ غور کرنا چاہیئے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم، مسلمانوں اور اسلام کے اس قدر شدید دشمن اور فتنہ پرور ا اور پھر مال ومتاع کے ساتھ اس طرح سلامتی کے ساتھ جلا وطن کئے جاتے ہیں کہ ان کی نکسیر بھی نہیں پھوٹتی اور کسی ایک فرد کا بھی جانی نقصان نہیں ہوتا! کیا دنیا میں کسی ایک حکومت نے بھی اپنے باغیوں اور غداروں کے ساتھ حسن سلوک کا ایسا معاملہ کیا ہے؟ طبری میں ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی نگرانی اور تکمیل کے لئے ایک افسر بھی مقرر کر دیا تھا جن کا نام عبادۃ بن صامت تھا، یہ واقعہ غزوۂ بدر کے کچھ ہی دنوں بعد یعنی ماہ شوال ۲ھ میں پیش آیا۔ قرآن کی آیت ذیل اسی واقعہ سے متعلق ہے:

وَاِمَّا تَخَافَنَّ مِنْ قَوْمٍ خِيَانَةً فَانْبِذْ اِلَيْهِمْ عَلٰى سَوَآءٍ ط اِنَّ اللّٰهَ لَا يُحِبُّ الْخَائِنِيْنَ (الانفال)	اگر آپ کو کسی قوم کی طرف سے خیانت کا اندیشہ ہو تو ایسے کو تیسا کے قانون کے مطابق یہ خیانت انھیں کے دے ماریئے، اور اللہ خیانت کرنے والوں کو پسند نہیں کرتا۔

ایک تحقیق بنو قینقاع کا قصہ تو ختم ہوگیا، لیکن اس سلسلہ میں ایک لفظ کے معنی تحقیق طلب ہیں۔ تاریخ وسیر کی بعض کتابوں میں ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم جب بنو قینقاع کے پاس گئے تو آپ نے فرمایا:

یا معشر یہود، احذروا من اللہ مثل ما نزل بقریش من النقمۃ واسلموا، فانکم قد عرفتم انی نبی مرسل، تجدون ذالک فی کتابکم وعہد اللہ الیکم (سیرت ابن ہشام ج ۳ ص ۵۰)	اے یہود کے ایک گروہ! قریش پر (غزوۂ بدر میں) جو افتاد پڑی ہے تم اللہ سے ڈرو کہ کہیں تم پر بھی نہ آپڑے، اور تم اطاعت قبول کرو، تم اچھی طرح جانتے ہو کہ میں خدا کا بھیجا ہوا پیغمبر ہوں۔ یہ بات اور اللہ نے تم سے جو عہد لیا ہے یہ سب تم اپنی کتاب میں پاتے ہو۔

اسلموا کے معنیٰ

اچھا اگر "اسلموا" کے معنی یہ نہیں تو پھر کیا ہیں ؟ اس سلسلہ میں پہلی بات تو یہ ذہن نشین رہنی چاہیئے کہ قرآن مجید میں جہاں کہیں اسلام قبول کرنے کی دعوت دی گئی ہے وہاں ہمیشہ آمِنُوا "تم ایمان لاؤ" فرمایا گیا ہے، کوئی ایک موقع بھی ایسا نہیں ہے کہ "اسلموا" بصیغۂ امر "اسلام قبول کرلو" کے معنی میں بولا گیا ہو۔ اور صرف اسی قدر نہیں بلکہ قرآن سے ثابت ہے کہ ایمان اور اسلام میں عام خاص کی نسبت ہے، ایمان خاص اور اسلام عام! اس بنا پر جہاں کہیں ایمان ہوگا اسلام ضرور ہوگا ۔لیکن اسلام کے ساتھ ایمان کا ہونا ضروری نہیں ہے، چنانچہ قرآن مجید میں ہے :

قَالَتِ الْاَعْرَابُ آمَنَّا ط قُلْ لَّمْ تُؤْمِنُوْا وَلٰكِنْ قُوْلُوْٓا اَسْلَمْنَا ، وَلَمَّا يَدْخُلِ الْاِيْمَانُ فِيْ قُلُوْبِكُمْ ط (الحجرات)

دیہاتی عرب کہتے ہیں: "ہم ایمان لائے ہیں" اے پیغمبر! آپ ان سے کہہ دیجئے کہ تم ایمان نہیں لائے ہو "ہاں البتہ یوں کہو کہ ہم مسلمان ہو گئے ہیں" اور ایمان کا تو اب تک تمھارے دلوں میں گذر بھی نہیں ہوا۔

قرآن کی اس آیت سے ایمان اور اسلام میں جو فرق ہے اس کی تائید صحیح مسلم کی اس روایت سے بھی ہوتی ہے جس میں اس کا ذکر ہے کہ ایک اعرابی خدمت نبوی میں حاضر ہوا اور اس نے آپ سے اسلام اور ایمان اور احسان کی حقیقت الگ الگ دریافت کی، پس جب ایمان اور اسلام دونوں لفظ ہم معنی نہیں اور اسلام کا اقرار کر لینے سے مومن ہوجانا لازم نہیں آتا جو عین مطلوب و مقصودِ شریعت ہے تو پھر ظاہر ہے طلب ایمان کے موقع پر قرآن "اسلموا" کا لفظ کیونکر بول سکتا تھا۔

صیغۂ امر اور صیغۂ ماضی یا صیغۂ اسم فاعل کے ساتھ قرآن مجید میں اسلام سے مشتق ہوکر جو لفظ آئے ہیں اطاعت اور فرماں برداری کے معنی میں آئے ہیں ۔مثلاً اِذْ قَالَ لَهٗ رَبُّهٗٓ اَسْلِمْ قَالَ اَسْلَمْتُ لِرَبِّ الْعٰلَمِيْنَ (البقرہ) جب اس کے پروردگار نے اس سے کہا:

ایک مقام پر فرمایا گیا :

اِنَّآ اَنْزَلْنَا عَلَيْكَ الْكِتٰبَ لِلنَّاسِ بِالْحَقِّ ، فَمَنِ اهْتَدٰى فَلِنَفْسِهٖ وَ مَنْ ضَلَّ فَاِنَّمَا يَضِلُّ عَلَيْهَا وَمَآ اَنْتَ عَلَيْهِمْ بِوَكِيْلٍ ○ (الزمر)

ہم نے سچائی کے ساتھ لوگوں کے فائدہ کے لئے آپ پر قرآن اتارا ہے، تو اب جو کوئی ہدایت یافتہ ہوگا تو اپنے لئے ہوگا۔ اور جو گمراہ ہوگا وہ اپنے لئے ہوگا۔ اور اے پیغمبر! آپ ان لوگوں کے ٹھیکہ دار تو نہیں ہیں۔

ایک جگہ ارشاد ہوا :

فَاصْفَحْ عَنْهُمْ ، وَقُلْ سَلٰمٌ ط فَسَوْفَ يَعْلَمُوْنَ ○ (الزخرف)

(اگر یہ لوگ ایمان نہ لائیں) تو آپ ان سے درگزر فرمائیں اور کہدیں "سلام" یہ عنقریب جان جائیں گے۔

ایک اور مقام پر فرمایا گیا :

فَاِنْ اَعْرَضُوْا فَمَآ اَرْسَلْنٰكَ عَلَيْهِمْ حَفِيْظًا ○ اِنْ عَلَيْكَ اِلَّا الْبَلٰغُ ط (الشوریٰ)

اگر یہ لوگ روگردانی کریں تو ہم نے آپ کو ان کا نگراں تو بنا کر نہیں بھیجا ہے آپ کا فرض تو بس پہونچانا ہے۔

بہر حال یہ اور اسی جیسی اور متعدد آیات سے یہ بالکل صاف ظاہر اور ثابت ہے کہ اسلام قبول نہ کرنے پر نہ صرف یہ کہ جنگ کرنے کا حکم نہیں ہے۔ بلکہ ایسے مواقع پر حکم یہ ہے کہ آپ صبر کریں، چشم پوشی اور درگذر سے کام لیں بلکہ یہاں تک حکم دیا گیا کہ اس پر آپ غصہ کا بھی اظہار نہ کریں اور منکرین سے سخت اور درشت لب ولہجہ سے بات بھی نہ کریں، "وقل سلامٌ"

پس جب حکم یہ ہے تو بنو قینقاع کے ساتھ گفتگو کرتے وقت آپ کے لئے یہ کہنا کیونکر ممکن ہوسکتا ہے کہ "تم اسلام قبول کرلو، ورنہ قریش کا جو حشر ہوا وہی تمھارا بھی ہوگا۔"

دودھ شریک بھائی تھے انھوں نے اس کارخطیر کو انجام دینے کی پیش کش کی اور حضورؐ نے اسے قبول فرمالیا۔ محمد بن مسلمہ نے اپنے ساتھ تین آدمیوں کو اور شریک کیا جن میں ایک ابونائلہ بھی تھے جو محمد بن مسلمہ کی طرح قبیلۂ عبدالاشہل سے تعلق رکھتے اور کعب بن اشرف کے دودھ شریک بھائی بھی تھے۔ محمد بن مسلمہ جب روانہ ہونے لگے تو عرض کیا: حضورؐ! اس کام سے عہدہ برآ ہونے میں کچھ جتن بھی کرنا ہوگا! ارشاد گرامی ہوا: "تمھیں اجازت ہے" چنانچہ یہ رات کے وقت جبکہ چاندنی چٹکی ہوئی تھی کعب بن اشرف کی گڑھی پہونچے، کعب اپنی نئی دلہن کے ساتھ دادِ عیش دے رہا تھا۔ اسے آواز دے کر باہر بلایا۔ کچھ دور اسے ساتھ لے کر چلے، تقریب ملاقات یہ بتائی کہ مدینہ میں نئی سیاسی صورت حال کے باعث اناج کا بڑا کال ہوگیا ہے، اور اس کی وجہ سے سخت دشواریوں کا سامنا کرنا پڑرہا ہے، اس لئے وہ غلہ کی امداد لینے آئے ہیں۔ کعب اسلحہ کے گروی رکھنے کے بدلہ میں اس پر راضی ہوگیا، اس گفت وشنید میں کعب ان لوگوں کے ساتھ مکان سے ذرا فاصلہ پر رہا۔ اسی اثنا رمیں محمد بن مسلمہ اور ان کے ساتھیوں نے موقع پاکر اس کا کام تمام کردیا اور جھٹ آ بارگاہ نبوی میں اس کی اطلاع کی۔ ان لوگوں نے جس جی داری اور ہمت وجرأت کا مظاہرہ کیا تھا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو اس کی داد دی، اس واقعہ نے یہود میں دہشت پھیلادی، اب ان میں سے ہر شخص کو اپنا انجام نظر آرہا تھا اور لرزہ براندام تھا[1]۔ یہ واقعہ ۱۴ ربیع الاول ۳ھ کو پیش آیا۔

کعب بن اشرف ایک رومانوی شخصیت کا انسان تھا اس لئے بعض مورخین سیرت نے

---

[1] سیرت ابن ہشام جلد ۳ ص ۵۴ — ۶۰ یہ واقعہ صحیح بخاری میں مغازی کے تحت مفصل طور پر مذکور ہے، اور صحیح مسلم، سنن ابی داؤد۔ مسند امام احمد بن حنبل میں بھی اس کا تذکرہ ہے، کتب حدیث کے علاوہ تاریخ وسیر اور شعر وادب کی کتابوں میں بھی کعب بن اشرف اور اس کے اشعار کا ذکر موجود ہے۔

کر تو اطاعت قبول کر تو اس نے کہا: میں نے رب العلمین کی اطاعت قبول کی، ونحن لہ مسلمون (البقرہ) ہم اسی کی اطاعت کرنے والے ہیں "فلما اسلما" جب دونوں (حضرت ابراہیم اور حضرت اسماعیل) اطاعت بجالائے وغیرہ وغیرہ! لیکن اس کا مطلب یہ نہیں ہے کہ احادیث میں بھی "اسلموا" بصیغۂ امر "اسلام قبول کرو" کے معنی میں کہیں مستعمل نہیں ہوا ہے، نہیں! ہوا ہے اور ضرور ہوا ہے، البتہ "اطاعت قبول کرو" کے معنی میں بھی اس کا استعمال عام رہا ہے،

اس بنا پر معنی کا تعین سیاق وسباق اور قرینہ کی روشنی میں ہوگا۔ اب بنو قینقاع سے گفتگو کا ماحول دیکھئے تو صاف معلوم ہوگا کہ حضورؐ نے یہاں "اسلموا" کا لفظ "اطاعت کرو" کے معنی میں استعمال کیا ہے نہ کہ مذہب اسلام کو اختیار کر لینے کے معنی میں، اس بنا پر اب آپ کے پورے ارشاد کا مطلب یہ ہوا: کہ تم لوگ نقض عہد کر کے جو غدر اور خیانت کے اعمال و افعال کا ارتکاب کر رہے ہو تو میں تم کو متنبہ کرتا ہوں کہ ان سے باز آجاؤ اور میری اطاعت قبول کرلو۔ (یعنی پر امن شہریوں کی طرح رہو) اور اگر تم نے ایسا نہیں کیا تو قریش کا انجام تمہارے سامنے ہی ہے، اس سے تم کو سبق لینا چاہیئے، پھر کلام میں مزید قوت پیدا کرنے کے لئے فرمایا: تم یہ نہ سمجھنا کہ قریش پر میری فتح صرف بخت و اتفاق کا نتیجہ ہے، نہیں ایسا نہیں ہے بلکہ یہ اس لئے ہے کہ میں نبی مرسل ہوں اور خود تمہاری کتاب توراۃ میں مذکور ہوں۔

کعب بن اشرف کا قتل بنو قینقاع سے مطمئن ہونے کے بعد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان اشخاص و افراد کی طرف توجہ کی جو شخصی طور پر قبیلہ قبیلہ میں اسلام اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے خلاف سخت پروپگنڈا کر رہے اور حضور کی طرف سے تنبیہ کے باوجود اپنی حرکات سے باز نہیں آرہے تھے، اور آخر آپ نے ان افراد کو واجب القتل قرار دیا۔ ان لوگوں میں سب سے ممتاز اور نمایاں کعب بن اشرف تھا۔ جس کا مختصر حال ابھی گذر چکا ہے، چونکہ یہ اپنے قبیلہ میں بڑا بارسوخ و اثر تھا اس لئے اس کا قتل کر دینا آسان نہیں تھا، محمد بن مسلمہ جو قبیلۂ عبدالاشہل کی شاخ حارثہ سے تعلق رکھتے اور کعب بن اشرف کے

حدیث کا درایتی معیار

(داخلی فہم حدیث)

(۴)

مولانا محمد تقی امینی صاحب ناظم دینیات علی گڑھ مسلم یونیورسٹی

چند وہ قوتیں جن سے نیکی وبدی کے تار کا اصل تعلق ہے

ذیل میں چند ان قوتوں کی کسی قدر تشریح کی جاتی ہے جن سے نیکی وبدی کے تار کا اصل تعلق ہے اور جن کا اثر دوسری قوتوں پر پڑتا ہے۔ وہ یہ ہیں:

(۱) روح

(۲) عقل

(۳) قلب اور

(۴) نفس

ان قوتوں کی تشریح میں کافی بحثیں ہیں یہاں صرف اس قدر جان لینا کافی ہے کہ ہر قوت کی تکوین میں کمّی وکیفی فرق کے ساتھ نورانی (انسانی) ومادّی دونوں بنیادیں موجود ہیں جن سے نیکی وبدی کے "تار" کا تعلق ہے۔ جدید ماہرین نفسیات وعضویات چونکہ مادّی بنیاد ہی سے بحث کرتے ہیں نورانی تک ان کی رسائی نہیں ہو سکی اس لئے مادّی ثبوت کی ضرورت نہیں

اُس کے حالات اور اُس کے قتل کا واقعہ لکھنے میں افسانہ طرازی سے کام لیا ہے اور محمد بن مسلمہ نے اپنے مشن پر روانہ ہونے سے پہلے حضورؐ سے "جتن" کرنے کی جو اجازت لی تھی اس کی عجیب و غریب تشریح کی ہے، ہم یہاں اس کو نقل کرنا بھی پسند نہیں کرتے، البتہ یہ گزارش کرنا ضروری ہے کہ کعب بن اشرف کے قتل کا جو واقعہ ہم نے لکھا ہے، بعینہٖ یہی واقعہ پروفیسر واٹ منٹگمری نے لکھا ہے (محمد ان مدینہ ص ۲۱۰) اس سے ان مسلمان مورخین کو عبرت ہونی چاہیئے جو معروضیت کے شوق میں ان روایتوں کے نقل کرنے میں بھی تامل نہیں کرتے جن سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی شخصیت پر حرف آتا ہو، اگرچہ یہ روایات روایت اور درایت کے اعتبار سے کیسی ہی مجروح اور ناقابل اعتماد ہوں۔

روح کی مختلف گروپ میں تقسیم | ایسا معلوم ہوتا ہے کہ روحوں کو مختلف گروپ (جس طرح مثلاً خون کے گروپس ہوتے ہیں اور وہی خون دوسرے کے موافق آتا ہے جس کی گروپس میں موافقت ہوتی ہے) میں تقسیم کر کے ان کے درمیان ایک مناسبت قائم کر دی گئی ہے۔ نورانی روح کے جس گروپ کو مادّی کے جس گروپ کے ساتھ مناسبت ہوتی وہ اس کے ساتھ مانوس ہو کر مل جاتی اور جس کے درمیان یہ مناسبت نہیں ہوتی وہ اس کے ساتھ نہیں ملتی بلکہ دوسرا گروپ تلاش کرتی ہے۔ "تعارف وتناکر" کی یہ تشریح ایک ہی شخص کی نورانی و مادی روح سے تعلق رکھتی ہے یعنی جن مختلف روحوں کے درمیان مناسبت ہوتی ان میں باہمی انسیت و محبت کا رشتہ قائم ہوتا اور جن میں یہ مناسبت نہیں ہوتی ان میں یہ رشتہ قائم نہیں ہوتا۔

اہل علم کے چند اقوال | ابو البقاءؒ کہتے ہیں:

ان الروح هو الجوهر العلوی الذی قیل فی شانہ قل الروح من امر ربی یعنی انہ موجود بالامر[۱]	روح وہ جوہر علوی ہے جس کی شان میں "قل الروح من امر ربی" کہا گیا یعنی وہ امر سے موجود ہے۔

پھر اس کے بعد ہے:

فبالامر توجد الارواح وبالخلق توجد الاجسام المادیۃ[۲]	امر سے ارواح (غیر مادی) کا وجود ہوتا اور خلق سے مادی اجسام کا وجود ہوتا ہے۔

امام غزالیؒ نے یہ تعریف کی ہے:

هو اللطیفۃ العالمۃ المدرکۃ من الانسان[۳]۔	روح وہ لطیفہ (باطنی قوت واستعداد) ہے جو علم وادراک کی صفت کے ساتھ متصف ہے۔

[۱،۲] ابو البقاء حسینی۔ کلیات ابی البقاء فصل الراء۔
[۳] الغزالی احیاء علوم الدین جزء ثالث اللفظ الثانی۔

ہے البتہ ہر ایک میں نورانی بنیاد کا ثبوت پیش کیا جاتا ہے۔

روح میں نورانی بنیاد کی آمیزش

(۱) روح سے مراد وہ قوت ہے جس کے ذریعہ حیاتِ انسا قائم ہے قرآن حکیم میں روح کے متعلق ایک سوال و جواب اس طرح مذکور ہے:

وَيَسْئَلُونَكَ عَنِ الرُّوحِ قُلِ الرُّوحُ مِنْ أَمْرِ رَبِّي وَمَا أُوتِيتُمْ مِنَ الْعِلْمِ إِلَّا قَلِيلًا[1]

لوگ آپ سے "روح" کے بارے میں سوال کرتے ہیں؟ آپ کہہ دیجئے کہ روح میرے رب کے "امر" سے ہے اور تم بہت تھوڑا علم دیے گئے ہو

یعنی روح انسانی میں ایک نورانی حقیقت کی آمیزش ہے جس کی تعبیر "امر رب" سے کی گئی اور جس کے ادراک کے لئے تمہارا سرمایۂ علم ناکافی ہے۔ اس صورت میں لفظ "مِن" کو تبعیضیہ ماننا پڑے گا لیکن اس سے معنی و مفہوم میں کوئی خرابی نہ ہوگی۔ روح المعانی میں ہے۔

من امر ربی کلمة من تبعیضیة وقیل بیانیة[2]

"مِن امر ربی" میں کلمۂ من تبعیضیہ ہے اور بعضوں نے بیانیہ کہا ہے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے روح کی اس تعبیر سے معنویت حاصل کرکے فرمایا:

الارواح جنود مجندة فما تعارف منها ائتلف وما تناکر منها اختلف[3]

روحوں کی ایک مرتب فوج ہے ان میں جو باہمی مناسبت رکھتی ہیں وہ مل جاتی ہیں اور جن میں یہ مناسبت نہیں ہوتی وہ الگ ہو جاتی ہیں۔

---

[1] بنی اسرائیل ع ۱۰

[2] سید محمد آلوسی۔ روح المعانی ج ۱۵ بنی اسرائیل ع ۱۰

[3] بخاری و مسلم و مشکوٰة باب الحب فی اللہ و من اللہ الفصل الاول

شیخ محمد اعلیٰ تھانوی نے یہ قول نقل کیا ہے :

الروح الانسانی السماوی من عالم الامر ای لا یدخل تحت المساحة والمقدار والروح الحیوانی البشری من عالم الخلق ای یدخل تحت المساحة والمقدار[1]	روح انسانی سماوی عالم امر سے ہے یعنی پیمائش ومقدار کے تحت نہیں آتی روح حیوانی بشری عالم خلق سے ہے یعنی وہ پیمائش ومقدار کے تحت آتی ہے۔

عقل میں نورانی بنیاد کی آمیزش

(۲) عقل سے مراد وہ قوۃ ہے جس کے ذریعہ انسان ان چیزوں کا ادراک کرتا ہے جن کا حواس کے ذریعہ نہیں کرسکتا اس میں نورانی بنیاد کا ثبوت قرآن حکیم کی اس آیت میں ہے :

وَإِذْ أَخَذَ رَبُّكَ مِنْ بَنِيْ آدَمَ مِنْ ظُهُوْرِهِمْ ذُرِّيَّتَهُمْ وَأَشْهَدَهُمْ عَلَىٰ أَنْفُسِهِمْ أَلَسْتُ بِرَبِّكُمْ قَالُوْا بَلٰى[2]	اور جب آپ کے رب نے اولاد آدم کی پشت سے ان کی اولاد نکالی اور ان سے انھیں کے متعلق اقرار لیا کہ کیا میں تمھارا رب نہیں ہوں سب نے کہا بیشک آپ ہمارے رب ہیں۔

حضرت ابی بن کعبؓ سے آیت کی یہ وضاحت مروی ہے :

جمعهم فجعلهم ازواجا ثم صورهم فاستنطقهم فتكلموا ثم اخذ عليهم العهد والميثاق[3]	اللہ نے ان کو جمع کیا جوڑے جوڑے بنائے ان کو گویائی دی انھوں نے کلام کیا پھر ان سے عہد و پیمان لیا

---

[1] شیخ محمد اعلیٰ بن علی التھانوی۔ کشاف اصطلاحات الفنون

[2] الاعراف ع ۲۲

[3] مشکوۃ کتاب الایمان بالقدر الفصل الثالث

هو جوهر وليس بعرض[1]
وہ جوہر ہے عرض نہیں ہے۔

یہ جوہر ایسا ہے جو مادہ وکیفیت سے خالی ہے جہت ومکان سے پاک ہے اشیاء کے علم کی اس کو قوت ہے ذات الٰہی کی صفات کے ساتھ متصف ہے اس کا تصرف عالم اصغر (جسم) میں ایسا ہی ہے جیسا کہ ذات الٰہی کا تصرف عالم اکبر میں ہے[2]

شاہ ولی اللہؒ نے یہ تعبیر کی ہے:

وهي كوّة من عالم القدس[3]
وہ روح (نورانی) عالم قدس (ماورائے مادہ) کی جانب ایک طاقچہ (دریچہ) ہے

روح کے دو حصے روح کی نورانی دمادّی بنیاد ہی کی بناء پر اہلِ علم وکشف سے اس کی دو قسمیں یا دو حصے منقول ہیں مثلاً امام غزالی کی تقسیم یہ ہے:

(۱) روح حیوانی کا تعلق عالم سفلی سے ہے جو بخار کی لطافت سے مرکب ہے

(۲) دوسری روح جس کو ہم نے روح انسانی کہا ہے اس کا تعلق عالم علوی اور ملائکہ کے جواہر سے ہے[4]

عمر بن محمد شہاب الدین سہروردی نے اس طرح تقسیم کی ہے:

(۱) روحِ انسانی جو علوی اور آسمانی ہے اس کا تعلق امر خداوندی سے ہے اور (۲) جو روح حیوانی اور بشری ہے اس کا تعلق عالم تخلیق سے ہے تاہم روح حیوانی علوی روح کا مقام و منزل ہے[5]

---

[1] الغزالی المضنون الصغیر فصل قیل لہ الخ ص ۹۱

[2] الغزالی حل مسائل غامضہ ص ۳ تا ۳۶

[3] ولی اللہ۔ حجۃ اللہ البالغہ ج ۱ باب حقیقۃ الروح

[4] الغزالی ۔کیمیائے سعادت فصل دربیان آنکہ روح حیوانی ازیں عالم سفلی است

[5] عمر بن شہاب الدین سہروردی ۔عوارف المعارف باب ۵۶ معرفت روح ونفس

والجوارح ووجہ یمیل الی التجرد (مادیات) کی طرف مائل ہے اور دوسرا تجرّد والصرافتہ[1] صرافتہ (نورانیات) کی طرف مائل ہے۔

عقل سے متعلق چند حدیثوں کی وضاحت

امام غزالی نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف منسوب کئی حدیثیں نقل کی ہیں جن میں تقویٰ، طہارت اور عبادت وغیرہ کی زیادتی کو عقل کی زیادتی کا نتیجہ قرار دیا گیا ہے۔ یہ حدیثیں بالعموم سند کے لحاظ سے ضعیف ہیں لیکن عقل کی مذکورہ تقسیم کے بعد بڑی حد تک ان کا ضعف دور ہو جاتا ہے جیساکہ درج ذیل حدیث سے اس کی تائید ہوتی ہے:

قالت قلت یارسول اللہ بم یتفاضل الناس فی الدنیا قال بالعقل۔ قلت و فی الاخرۃ قال بالعقل قلت الیس انما یجزون باعمالہم فقال صلی اللہ علیہ وسلم یا عائشۃ وھل عملوا الا بقدر ما اعطاھم عزوجل من العقل فبقدر ما اعطوا من العقل کانت اعمالہم و بقدر ما عملوا یجزون[2]

حضرت عائشہ کہتی ہیں کہ میں نے عرض کیا اے اللہ کے رسولؐ کس وجہ سے دنیا میں لوگ فضیلت پاتے ہیں فرمایا عقل سے۔ میں نے کہا کہ آخرت میں کس وجہ سے فضیلت پاتے ہیں۔ فرمایا عقل سے۔ پھر میں نے کہا کہ کیا لوگ اپنے اعمال کا بدلہ نہیں دئے جاتے ہیں۔ آپ نے فرمایا کہ اے عائشہ لوگ اسی قدر عمل کرتے ہیں جس قدر اللہ نے ان کو عقل دی۔ جس قدر وہ عقل دئے گئے اسی قدر ان کے اعمال ہیں اور جس قدر اعمال ہیں اسی قدر بدلہ دئے جائیں گے۔

دنیا و آخرت میں عقل کی بنا پر فضیلت در اصل اس کی نورانی و مادی بنیاد کا نتیجہ ہے

---

[1] ولی اللہ حجۃ اللہ البالغہ ج المقامات والاحوال

[2] الغزالی۔ احیاء علوم الدین ج ۱۔ الباب السابع بیان شرف العقل

محدثین نے "فاستنطقہم" کی یہ تشریح کی ہے:

خلق فیھم العقل وطلب منھم النطق[1] — ان میں عقل پیدا کی اور ان سے گویائی طلب کی۔

عقل کی یہ تعریف بھی منقول ہے جس سے نورانی بنیاد کی تائید ہوتی ہے:

العقل جوھر مضیئ خلقہ اللہ فی الدماغ وجعل نورہ فی القلب[2] — عقل ایک روشن کرنے والا جوہر ہے جس کو اللہ نے دماغ میں پیدا کیا اور اس کا نور قلب میں بنایا۔

عقل کا اشرف ترین ثمرہ

نورانی بنیاد ہی کی بنا پر راغب اصفہانی نے عقل کا اشرف ترین ثمرہ اللہ کی معرفت قرار دی

من اشرف ثمرۃ العقل معرفۃ اللہ وحسن طاعتہ والکف عن معصیتہ[3] — عقل کا اشرف ثمرہ اللہ کی معرفت اس کی حسن طاعت اور اس کی معصیت سے رکنا ہے۔

عقل کے دو حصے

اور اسی بنا پر عقل کی دو قسمیں یا دو حصے منقول ہیں:

(۱) ایک عقل وہ ہے جس کے ذریعہ دنیا کے کاموں پر غور ہوتا

(۲) دوسری عقل وہ ہے جس کے ذریعہ آخرت کے کاموں پر غور ہوتا ہے[4]۔

شاہ ولی اللہ کہتے ہیں:

العقل لہ وجہان وجہ یمیل الی البدن — عقل کے دو رخ ہیں ایک بدن واعضاء

---

[1] مرقاۃ حاشیہ مشکوٰۃ ۔ کتاب الایمان بالقدر الفصل الثالث

[2] شیخ محمد اعلیٰ التھانوی کشاف اصطلاحات الفنون

[3] راغب اصفہانی الذریعہ الی مکارم الشریعۃ ۔

[4] عمر بن محمد شہاب الدین سہروردی عوارف المعارف باب ۵۶ معرفت روح ونفس

فی الصدر وان افتاک الناس[۱] ہو اگرچہ تجھکو لوگ فتویٰ دیں۔

قلب میں نیکی وبدی دونوں کی صلاحیتیں

قلب میں دونوں بنیادوں کی موجودگی ہی کی بنا پر امام غزالیؒ نے کہا ہے:

والقلب باصل الفطرۃ صالح لقبول آثار الملك ولقبول آثار الشيطان صلاحا متساويا ليس يترجح احدهما على الآخر[۲]	قلب اصل فطرت کے لحاظ سے فرشتے اور شیطان دونوں کے آثار قبول کرنے کی برابر صلاحیت رکھتا ان میں کسی کو دوسرے پر ترجیح نہیں ہے۔

شاہ ولی اللہؒ کہتے ہیں:

ان القلب له وجهان وجه يميل الى البدن والجوارح ووجه يميل الى التجرد والصرافة[۳]	قلب کے دو رخ ہیں ایک بدن اور اعضاء کی طرف مائل ہے اور دوسرا تجرد وصرافۃ (نورانیات) کی طرف مائل ہے۔

علم وادراک کا ذریعہ

"قلب" علم وادراک کا ذریعہ بھی ہے جس سے نورانی بنیاد کا ثبوت ملتا ہے۔ قرآن حکیم میں ہے:

لَهُمْ قُلُوبٌ لَّا يَفْقَهُونَ بِهَا[۴]	ان کے پاس دل ہیں جو سمجھتے نہیں۔
اَمْ عَلٰى قُلُوبٍ اَقْفَالُهَا[۵]	کیا ان کے دلوں پر تالے پڑے ہوئے ہیں
فَطُبِعَ عَلٰى قُلُوبِهِمْ فَهُمْ لَا يَفْقَهُونَ[۶]	ان کے دلوں پر اللہ نے مہر لگادی ہے کہ وہ نہیں سمجھتے

۱ۃ امام احمد - مسند احمد ج ۴ من حدیث ابی ثعلبۃ الخشنی

۲ۃ الغزالی - احیاء علوم الدین ج ۳ بیان تسلط الشیطن علی القلب بالوساوس

۳ۃ ولی اللہ - حجۃ اللہ البالغۃ ج ۲ المقامات والاحوال

۴ۃ الاعراف ع ۲۲ ۵ۃ محمد ع ۳ ۶ۃ منافقون ع ۱

اور اسی کے لحاظ سے دنیوی و اخروی اعمال صادر ہوتے ہیں جن پر بدلہ دیا جاتا ہے۔

قلب میں نورانی بنیاد کی آمیزش

(۳) قلب سے مراد وہ قوت ہے جس سے اچھی بری صفات متعلق ہیں اس میں نورانی بنیاد کا ثبوت یہ ہے:

واعلموا ان اللہ یحول بین المرء وقلبہ[1] — اور یقین رکھو کہ اللہ آدمی اور اس کے قلب کے درمیان حائل ہے۔

دوسری جگہ ہے:

اِنَّ فِی ذٰلِکَ لَذِکْرٰی لِمَنْ کَانَ لَہٗ قَلْبٌ[2] — بیشک اس میں اس شخص کے لئے نصیحت ہے جس کے اندر دل ہے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے نورانی بنیاد ہی کی بنا پر قلبی فیصلہ کو قابل اعتماد ٹھہرایا مثلاً آپ نے فرمایا:

البر ما سکنت الیہ النفس واطمأن الیہ القلب والاثم مالم تسکن الیہ النفس ولم یطمئن الیہ القلب وان افتاک المفتون[3] — نیکی وہ ہے جس سے نفس کو سکون اور قلب کو اطمینان ہو اور برائی وہ ہے جس سے نفس کو سکون اور قلب کو اطمینان نہ ہو اگرچہ مفتی تجھکو فتوىٰ دیں۔

دوسری جگہ ہے:

یا وابصۃ استفت نفسک البر ما اطمأن الیہ القلب واطمأنت الیہ النفس والاثم ما حاک فی القلب وتردد — اے وابصہ خود سے فتوىٰ طلب کر، نیکی وہ ہے جس سے نفس وقلب کو اطمینان ہو اور برائی وہ ہے جس سے دل میں کھٹک اور تردد پیدا

---

[1] الانفال ع ۳ [2] الذاریات ع ۳
[3] امام احمد۔ مسند احمد ج ۴ من حدیث ابی ثعلبۃ الخشنی

يٰاَيَّتُهَا النَّفْسُ الْمُطْمَئِنَّةُ ارْجِعِيْ اِلٰى رَبِّكِ رَاضِيَةً مَّرْضِيَّةً [۱] — اے مطمئن نفس اپنے رب کی طرف چل تو اس سے راضی ہے وہ تجھ سے راضی ہے۔

(۲) امّارہ ۔ جس میں مادّی اثرات کو غلبہ ہوتا ہے ۔

اِنَّ النَّفْسَ لَاَمَّارَةٌ بِالسُّوْٓءِ اِلَّا مَا رَحِمَ رَبِّيْ [۲] — بیشک نفس تو برائی کا حکم دینے والا ہے مگر جو میرے رب نے رحم کر دیا۔

(۳) لوّامہ ۔ جس میں دونوں کے درمیان کشمکش رہتی اور جب نورانی اثرات کا غلبہ ہوتا ہے تو کوتاہیوں پر خود کو ملامت کرتا ہے ۔

لَآ اُقْسِمُ بِالنَّفْسِ اللَّوَّامَةِ [۳] — برائی پر ملامت کرنے والے نفس کی قسم کھاتا ہوں ۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اس دعا سے بھی ثبوت ملتا ہے ۔

اللھم ات نفسی تقواھا وزکھا انت خیر من زکاھا وانت ولیھا ومولٰھا [۴] — اے اللہ میرے نفس کو اس کا تقویٰ عنایت فرما ۔ اور آپ اس کا تزکیہ کر دیجئے ۔ آپ تزکیہ کرنے والوں میں سب سے بہتر ہیں ۔ اور آپ ہی اس کے ولی و کارساز ہیں ۔

ایک حدیث میں نورانی و مادّی بنیاد کی طرف اشارہ

درج ذیل حدیث میں نورانی و مادّی دونوں بنیاد کی طرف اشارہ ہے :

ان للشیطان لمۃ بابن آدم وللملک لمۃ فاما لمۃ الشیطان فایعاد بالشر — شیطان اور فرشتہ دونوں کو انسان کے اندر تصرف کا اختیار ہے شیطان کا تصرف شر کی طرف

---

[۱] الفجر ع ۱ [۲] یوسف ع ۷ [۳] القیٰمۃ ع ۱

[۴] مسلم و مشکوٰۃ باب الاستعاذۃ الفصل الاول

ختم اللہ علی قلوبھم[1] اللہ نے ان کے دلوں پر مہر لگادی ہے

ان آیتوں میں سمجھ بوجھ کی اس قسم سے انکار کیا گیا جس کا تعلق نورانی بنیاد سے ہے جیسا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی مختلف حدیثوں میں بھی اس کا ثبوت موجود ہے مثلاً

اذا اراد اللہ بعبد خیرا جعل لہ واعظا من قلبہ[2] جب اللہ کسی بندہ کے ساتھ بھلائی چاہتا ہے تو اس کے دل میں ایک واعظ مقرر کردیتا ہے

من کان لہ من قلبہ واعظ کان علیہ من اللہ حافظ[3] جس شخص کے دل میں واعظ ہوتا ہے اللہ کی جانب سے اس پر محافظ مقرر ہوتا ہے۔

قلب المومن اجرد فیہ سراج یزھر[4] مومن کا دل مجرّد ہے جس میں چراغ چمکتا ہے۔

شرح صدر کے بارے میں آپ نے ایک سوال کے جواب میں فرمایا:

ھو نور یقذفہ اللہ تعالیٰ فی الصدر[5] وہ ایک نور ہے جس کو اللہ تعالیٰ سینہ میں ڈالتا ہے۔

اس سلسلہ کی بعض حدیثیں اگرچہ سند کے لحاظ سے ضعیف سمجھی جاتی ہیں لیکن نورانی بنیاد تسلیم کرنے کے بعد معنی ومفہوم میں کوئی دشواری نہیں رہتی۔ واعظ، سراج اور نور وغیرہ قسم کے الفاظ دراصل نورانی بنیاد ہی کی مختلف تعبیرات اور مختلف شکلیں ہیں۔

نفس میں نورانی بنیاد کی آمیزش

(۴) نفس سے مراد وہ قوت ہے جو اچھی بری خواہشات کا مرکز ہے۔ قرآن حکیم نے نفس کی تین حالتیں بیان کی ہیں جن سے نورانی بنیاد کا ثبوت ملتا ہے۔

(۱) مطمئنہ۔ جس میں نورانی اثرات کو غلبہ ہوتا ہے۔

---

[1] البقرہ ع ۱ [2،3،4] الغزالی۔ احیاء علوم الدین ج ۳ مجامع اوصاف القلب

[5] الغزالی۔ المنقذ من الضلال۔

طبقات الشافعیہ
اور
اس کے مؤلفین

از ڈاکٹر عبد الرشید صاحب استاذ عربی پٹنہ کالج، پٹنہ

اسلام کے ابتدائی دور ہی سے فقہ اسلامی کی بنیاد پڑ چکی تھی۔ اور اس فن میں صحابہ اور تابعین کی ایک جماعت کو پوری مہارت حاصل تھی۔ شیخ محمد خضری متوفی ۱۳۴۵ھ نے اپنی کتاب "تاریخ التشریع الاسلامی" میں اس فن پر مفصل کلام کیا ہے اور مختلف مقامات پر اس فن کے ماہر صحابہ کرام اور تابعینِ عظام کا تذکرہ کیا ہے۔ مدینہ منورہ میں ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہؓ (۹ ق ھ — ۵۸ ھ) اور عبد اللہ بن عمرؓ وغیرہ کی ذات گرامی تھی، مکہ مکرمہ میں عبد اللہ بن عباسؓ (م ۶۸ ھ) اور مجاہد بن جبرؒ (۲۱ — ۱۰۴ ھ) وغیرہ تھے اور بصرہ میں انس بن مالکؓ (م ۹۳ ھ) اور محمد بن سیرینؒ (۳۳ — ۱۱۰ ھ) وغیرہ تھے، اسی طرح کوفہ، شام، مصر اور یمن کے علاقوں میں بھی فقہاء کی ایک جماعت مسند افتاء پر رونق افروز تھی۔

پھر جب عباسی دور آیا تو اور علوم کی طرح علم فقہ کی بھی خوب ترقی ہوئی، اور اسی دور میں اس فن کو ضبطِ تحریر میں لایا گیا اور مکمل طور پر اس کی تدوین اور نشر و اشاعت ہونے لگی۔ ان دنوں مدینہ منورہ فقہاء اور محدثین کا مرکز اور طالبانِ فقہ اور رواۃِ حدیث کا مرجع تھا، پھر جب عراق

وتکذیب بالحق و امالمتہ الملك فایعاد بالخیر وتصدیق بالحق فمن وجد ذلك فلیعلم انہ من اللہ ویحمد اللہ ومن وجد الاخری فلیتعوذ باللہ من الشیطان الرجیم[۱]	رغبت دلانا اور حق کو جھٹلانا ہے اور فرشتہ کا تصرف خیر کی طرف رغبت دلانا اور حق کی تصدیق ہے جو شخص فرشتہ کے تصرف کو محسوس کرے تو اس کو اللہ کی طرف سے سمجھے اور اللہ کی حمد کرے اور جو شخص شیطان کے تصرف کو محسوس کرے تو شیطان مردود سے اللہ کی پناہ مانگے

علامہ ابن قیم کے بیان سے تائید

علامہ ابن قیم کے بیان سے بھی تائید ہوتی ہے ۔ وہ کہتے ہیں :

وقد امتحن اللہ سبحانہ الانسان بھاتین النفسین الامارۃ واللوامۃ کما اکرمہ بالمطمئنۃ	اللہ نے نفس امارہ اور لوامہ کے ذریعہ انسان کی آزمائش کی جیسا کہ مطمئنہ کے ساتھ اس کو عزت دی ۔

پھر اس کے بعد ہے :

اید المطمئنۃ بجنود عدیدۃ فجعل الملك قرینھا	مطمئنہ کی اس نے متعدد لشکروں سے مدد کی اور فرشتہ کو ہمنشیں بنایا ۔
واما النفس الامارۃ فجعل الشیطان قرینھا[۲]	لیکن نفس امارہ کا ہمنشین شیطان کو بنایا ۔

فرشتہ وشیطان کی ہمنشینی دراصل نورانی ومادی بنیاد ہی کا اثر ہے ۔

مذکورہ تصریحات سے ظاہر ہے کہ روح، عقل، قلب اور نفس تینوں میں مادی بنیاد کے ساتھ نورانی بنیاد موجود ہے جن سے نیکی وبدی کے تار کا تعلق ہے ۔ لیکن چونکہ ہر قوت کے دائرۂ کار اور مادی بنیاد کی نوعیت میں فرق ہے اس لئے اس کی مناسبت سے کیفی فرق کے ساتھ نورانی بنیاد کی آمیزش کی گئی اور یکسانیت نہیں ملحوظ رکھا گیا جیسا کہ ہر ایک کے مظاہرہ سے ظاہر ہوتا ہے ۔ (باقی)

---

[۱] مشکوۃ باب فی الوسوسہ [۲] ابن قیم کتاب الروح السالۃ الحادیۃ والعشرون

پھر چاروں ائمہ کے تلامذہ اور متبعین نے ان کے حالات اور ان کے مسلک کے ممتاز
ور جید علماء کے تراجم وسیر اور نادر اقوال کو کتابی شکل میں جمع کرنے کے کام اپنے ذمے لئے۔
سے بعض کتابیں تو صرف ایک امام یا ایک فقیہ کے تذکرے پر مشتمل ہیں، جیساکہ داؤد ظاہری
۲ ھج) کی کتاب "مناقب الشافعی"[1] ہے اور بعض کتابیں مختلف اشخاص کے حالات پر مشتمل ہیں۔
ہیثم بن عدی (۱۱۴ھ — ۲۰۴ھ) کی کتاب "تاریخ الفقہاء والمحدثین"[2] ہے اور عبد الملک المالکی
— ۲۳۸ ھج) کی کتاب "طبقات الفقہاء والتابعین"[3] ہے۔ اس کے بعد چاروں ائمہ کے
کے موافق الگ الگ فقہاء کی تاریخ مدوّن کی جانے لگی۔ احناف نے اپنے فقہاء کی تاریخ
روں کی اور شوافع نے الگ۔ اور ٹھیک یہی طریقہ امام مالک اور امام احمد بن حنبل کے ماننے
نے بھی اپنایا۔ اور یہ کتابیں "طبقات الحنفیہ" اور "طبقات الشافعیہ" وغیرہ کے ناموں سے
ہوئیں۔ یہ طریقہ علماء کے نزدیک دوسرے علوم میں بھی بہت مقبول ہوا، اور بعض نے قاریوں
لات کے متعلق "طبقات القراء" اور بعض نے ادیبوں کے متعلق "طبقات الادباء" اور
ت الشعراء" وغیرہ تصنیف کئے۔

امام داؤد ظاہری (م ۲۷۰ ھج) پہلا شخص ہے جس نے امام شافعی کے مناقب اور فضائل
کئے۔ پھر زکریا بن یحییٰ الساجی (م ۳۰۷ ھج) اور عبد الرحمٰن بن ابی حاتم الرازی (م ۳۲۷ ھج)
ن کے حالات قلمبند کئے جیساکہ تاج الدین سبکی نے اپنی کتاب میں تحریر کیا ہے[4]۔
چوتھی صدی کے بعد شافعی المسلک فقہاء اور علماء کے حالات و تراجم سے متعلق کتابیں کثرت

---

[1] طبقات السبکی ۱/۱۸۵
[2] کشف الظنون: ۱۱۰۵، الاعلام ۹/۱۱۴
[3] الکشف: ۱۱۰۵ - الاعلام ۴/۳۰۲ - الدیباج المذہب: ۱۵۴ - میزان الاعتدال ۲/۱۴۸
[4] طبقات السبکی ۱/۱۸۵

میں عباسیوں کی خلافت مستحکم اور مضبوط ہوگئی تو یہاں بھی فقہ کی اشاعت ہونے لگی۔

حجاز کے فقہاء کو روایت حدیث میں اعلیٰ مقام حاصل تھا اور حدیث پر ان کی نظر بہت گہری تھی، اس لئے ان لوگوں نے اپنے احکامات کی بنیاد نصوص پر رکھی اور خبر و اثر کی موجودگی میں قیاس سے بالکل اجتناب کیا اور ان کے امام حضرت امام مالک بن انسؒ (۹۵ــ ۱۷۹ھجر) قرار پائے۔ اور عراق کے فقہاء حدیث کی روایت میں بہت محتاط اور اس کی صحت و سقم کی جانچ پڑتال میں بہت سخت تھے، اس لئے ان کو شرعی احکامات کے استنباط کرنے میں قیاس کی طرف رجوع کرنا پڑا۔ اور ان کے امام حضرت امام اعظم ابوحنیفہ نعمان بن ثابت کوفی (۸۰ــ ۱۵۰ھجر) تھے، خلیفہ منصور نے ان کا خوب اعزاز و اکرام کیا اور ان کے مسلک کی موافقت کی۔

امام اعظم کے بعد حضرت امام شافعیؒ (۱۵۰ــ ۲۰۴ھجر) آئے۔ انھوں نے امام مالک اور امام محمد بن الحسن (۱۳۱ــ ۱۸۹ھجر) سے تلمذ کا شرف حاصل کیا، پھر امام محمد سے خوب مناظرے بھی کئے اور اپنا ایک مستقل مسلک بنایا۔ عراق میں اپنے قدیم مسلک کو مدون کیا، پھر مصر چلے گئے اور اپنے مسلک کی تنقیح کرنے کے بعد اس کو ایک نئی صورت عطا کی اور اس کی نشر و اشاعت میں مصروف ہوگئے۔

پھر امام احمد بن حنبلؒ (۱۶۴ــ ۲۴۱ھجر) اس میدان میں آئے، امام شافعی سے علم حدیث اور بعض احناف سے قیاس کی حقیقت سے روشناس ہوئے اور نجد و بحرین کے علاقوں میں یہ بھی ایک نئے مسلک کی بنیاد رکھنے والے بنے۔

امام شافعیؒ نے اپنے مسلک کی ترویج کے لئے بذات خود پوری کوشش کی، پھر ان کے شاگردوں اور ان کی اتباع کرنے والوں نے بھی اس مسلک کی نشر و اشاعت میں پوری جدوجہد کی، یہاں تک کہ دونوں عراق، فارس، خراسان، چین، ہندوستان اور ان کے علاوہ دوسرے ممالک میں بھی امام شافعیؒ کا مسلک رائج ہوگیا۔ اور ان تمام علاقوں میں ایسی عظیم شخصیتیں پیدا ہوئیں جنھوں نے اس مسلک میں چار چاند لگا دئے۔

(۲) طاہر بن عبداللہ، القاضی ابوطیب طبری[1] (م ۴۵۰ھ) امام شافعی کی پیدائش اور حالات کے متعلق ان کی ایک مختصر تصنیف ہے جس کے آخر میں شافعی المسلک فقہاء کا تذکرہ ہے ـــ کشف الظنون : ۱۱۰۰ ، خطبۃ العقد المذہب ۔

(۳) محمد بن احمد بن محمد، القاضی ابوعاصم العبادی الہروی[2] (م ۴۵۸ھ) ۔ ان کی کتاب "طبقات الفقہاء الشافعیہ" ہے یہ کتاب بہت مختصر ہے حالات کی طرف بالکل توجہ نہیں دی گئی ہے۔ بلکہ اکثر فقہاء کے صرف نام شمار کرا دئے گئے ہیں اور بس۔ لیکن بہت سے افراد کے ایسے اقوال کو جمع کر دیا گیا ہے جس میں وہ منفرد ہیں۔ یہ کتاب تصحیح کرنے کے بعد لیڈن سے ۱۹۶۴ء میں شائع ہو چکی ہے ۔

(۴) ابراہیم بن علی، الشیخ ابواسحاق شیرازی[3] (م ۴۷۶ھ) ۔ ان کی تصنیف "طبقات الفقہاء" ہے ، یہ کتاب بھی مختصر ہے ، اس میں بھی نادر اقوال کو جمع کرنے کی کوشش کی گئی ہے لیکن یہ کتاب صرف شافعی المسلک فقہاء کے لئے مخصوص نہیں ہے بلکہ اس میں ائمہ اربعہ کے علاوہ اصحاب ظواہر کے بھی حالات بھی موجود ہیں۔ یہ کتاب ۱۳۵۶ھ میں بغداد سے شائع ہو چکی ہے مگر اغلاط سے پُر ہے ، ضرورت ہے کہ تصحیح کر کے پھر اس کی اشاعت کی جائے ۔

---

(۱) طبقات العبادی : ۱۱۳ ۔ طبقات السبکی ۳/۱۷۶ ۔ کتاب العبر ۳/۲۲۲ ۔ الاعلام ۳/۳۲۱ ۔ معجم المؤلفین ۵/۳۷ ۔ شذرات الذہب ۳/۳۲۵ ۔ طبقات المصنف : ۵۱ ۔ دول الاسلام ۱/۲۶۴ ۔

(۲) وفیات الاعیان ۳/۳۵۱ ۔ تہذیب النووی : ۷۳۶ ۔ الشذرات ۳/۳۰۶ ۔ کتاب العبر ۳/۲۴۳ ۔ طبقات المصنف : ۵۶ ، الاعلام ۶/۲۰۶ ۔ السبکی ۳/۴۲

(۳) الاعلام ۱/۴۴ ۔ تہذیب النووی : ۲۴۶ ۔ معجم البلدان ۳/۳۸۱ ۔ النجوم الزاہرۃ ۵/۱۱۵ دول الاسلام ۲/۵ ، معجم المؤلفین ۱/۶۹ ۔ المنتظم ۹/۷ طبقات السبکی ۳/۳۸۱ ۔ العقد رقم ۲۵۵

سے ملتی ہیں ۔ بعض مصنفین نے اپنی تالیفات میں صرف انہی فقہاء اور علماء کے تذکرے کئے ہیں جو کسی مخصوص شہر یا ملک کے باشندہ تھے ۔ جیسے خطیب بغدادی (م ۴۶۳ھ) کی "تاریخ بغداد"، حاکم (م ۵۸۶ھ) کی "تاریخ نیساپور"، ابن عساکر (م ۵۷۱ھ) کی "تاریخ دمشق" اور ابن سمرة الجعدی (م ۵۸۶ھ) کی "طبقات فقہاء الیمن" وغیرہ اس نوع کی کتابوں میں شامل کی جا سکتی ہیں ۔ تذکرہ کی کتابوں میں فقہاء کے حالات کے ساتھ ان کے نادر اقوال کا بھی بعض مؤلفین نے ذکر کر دیا ہے تاکہ بعد میں آنے والے افراد ان کے حالات اور اقوال سے فائدہ اٹھا سکیں ۔

اس وقت ہم صرف ان کتابوں کا جائزہ لیں گے جو "طبقات الشافعیہ" یا "تاریخ الفقہاء الشافعیہ" یا ان جیسے کسی اور نام سے موسوم ہیں اور تراجم و حالات کے بیان میں کسی خاص زمان و مکان کی قید سے بالاتر ہیں ۔

مختلف کتب خانوں کی قلمی کتابوں کی فہرستوں اور حوالے کی دوسری کتابوں کی مدد سے مجھکو اب تک اس نوع کی ۳۸ کتابوں کا پتہ چل سکا ہے جن میں سے اکثر تو ناپید ہو چکی ہیں اور ان کے ناموں کے علاوہ دوسری تفصیلات نہیں ملتیں اور بعض کے صرف ایک یا چند قلمی نسخے پوری دنیا کے مختلف کتب خانوں کی زیب و زینت بنے ہوئے ہیں ۔ صرف تین چار کتابیں اب تک طبع ہو سکی ہیں ۔ اب ہم ان کتابوں کو ان کے مصنفین کے سال وفات کی ترتیب سے ذکر کر رہے ہیں تاکہ ان کی تالیفات کا زمانہ بآسانی معلوم ہو سکے ۔

(۱) عمر بن علی ، ابو حفص المطوعی[۱] (م تقریباً ۴۴۰ھ) ۔ ان کی کتاب "المذہب فی ذکر شیوخ المذہب" ہے اور یہ کتاب اس نوع کی پہلی تصنیف ہے ۔ طبقات السبکی ۱/۱۱۴ ۔

---

(۱) حالات کے لئے دیکھئے : طبقات السبکی ۱/۱۱۴ ، یتیمۃ الدہر ۲/۳۱۱ ، الاعلام ۵/۲۱۵ ، اللباب ۲/۱۵

(۱۰) عثمان بن عبدالرحمن، تقی الدین، ابوعمرو ابن الصلاح الشہرزوری[۱] (م ۶۴۳ھ)
ان کی تصنیف "طبقات الفقہاء" ہے۔ تاج الدین سبکی نے لکھا ہے کہ موت ان کے درمیان اور ان کے مقصود کے درمیان حائل ہوگئی، داعی اجل کو لبیک کہا اور کتاب مسودہ کی حالت میں باقی رہ گئی۔ امام نووی (م ۶۷۶ھ) نے اس کتاب کی تلخیص کی اور کچھ مزید اسماء کا اضافہ کیا۔ لیکن یہ بھی مسودہ ہی کی حالت میں تھا کہ نووی بھی فوت ہوگئے۔ پھر اس کی تبییض شیخ ابوالحجاج مزّی نے کی طبقات السبکی ۱/۱۱۴۔

ابن الصلاح کی اس فن میں ایک اور کتاب ہے اور یہ کتاب ابوحفص المطوعی کی کتاب المذہب فی ذکر شیوخ المذہب کا انتخاب ہے۔ سبکی نے اس کتاب سے استفادہ کیا ہے۔ طبقات السبکی ۱/۱۱۴۔

(۱۱) اسماعیل بن ہبۃ اللہ "ابن باطیش" الموصلی، الشیخ عماد الدین[۲] (م ۶۵۵ھ)۔ ان کی کتاب "طبقات الشافعیۃ" ہے۔ جس کی تصنیف سے ۶۴۴ھ میں ان کو فراغت ہوئی — طبقات السبکی ۱/۱۱۴۔ العقد رقم ۱۰۴۔

(۱۲) عمر بن بندار، القاضی کمال الدین، ابوحفص التفلیسی[۳] (م ۶۷۲ھ)۔ فقہاء کے حالات کے متعلق ان کی بھی ایک تالیف[۴] ہے۔ جمال الدین اسنوی نے اپنی "طبقات الشافعیہ" مرتب

---

(۱) الاعلام ۴/۳۶۹۔ الشذرات ۵/۲۲۱۔ النجوم الزاہرۃ ۶/۳۵۴۔ مفتاح السعادۃ ۱/۳۹۷، ۲/۲۱۴۔ الوفیات ۲/۴۰۸۔ التاج المکلل رقم ۵۶۔ طبقات المصنف ۸۴۔ العقد رقم ۴۴

(۲) الاعلام ۱/۳۲۷۔ معجم المؤلفین ۲/۲۹۸۔ العقد المذہب رقم ۱۰۴۔ الشذرات ۵/۲۶۵۔

(۳) طبقات السبکی ۵/۱۴۲۔ طبقات ابن قاضی شہبہ رقم ۴۰۴۔ العقد رقم التعلیق ۶ تحت الرقم ۱۱۔

(۴) تفلیسی، مطوعی، اور ابن باطیش وغیرہ کی کتابوں سے ابن الملقن، تاج الدین سبکی، جمال الدین اسنوی اور دوسرے متأخرین نے خوب فائدے اٹھائے ہیں، جیساکہ ان کی کتابوں کے دیکھنے سے معلوم ہوتا ہے۔

(۵) عبداللہ بن یوسف الجرجانی، ابومحمد الشافعی[1] (م ۴۸۹ ھ)، ان کی کتاب "طبقات الفقہاء الشافعیہ" ہے۔ طبقات السبکی ۱/۱۱۴۔ الکشف ۱۱۰۰۔ العقد المذہب رقم ۲۸۴۔

(۶) عبدالوہاب بن محمد، القاضی ابومحمد الشیرازی[2] (م ۵۰۰ ھ) ان کی کتاب کا نام "تاریخ الفقہاء" ہے ـــ الکشف ۱۱۰۰۔ خطبۃ العقد المذہب۔

(۷) محمد بن عبدالملک الشافعی الہمدانی[3] (م ۵۲۱ ھ) ان کی تالیف "طبقات الفقہاء" کے نام سے موسوم ہے ـــ السبکی ۴/۸۰۔ کشف الظنون: ۱۱۰۵۔

(۸) عبدالقاہر بن عبداللہ۔ الشیخ ابوالنجیب السہروردی[4] (م ۵۶۳ ھ)، طبقات الفقہاء کے بارے میں ان کی بھی ایک تصنیف ہے ـــ الکشف: ۱۱۰۰۔ خطبۃ العقد المذہب

(۹) علی بن زید بن محمد، ابوالحسن البیہقی، ظہیرالدین[5] (م ۵۶۵ ھ) ان کی مشہور کتاب "وسائل الالمعی فی فضائل اصحاب الشافعی" ہے ـــ طبقات السبکی ۱/۱۱۴۔ خطبۃ العقد المذہب۔

---

(۱) معجم المؤلفین ۶/۱۶۴۔ طبقات السبکی ۳/۲۱۹، ہدیۃ العارفین ۱/۴۵۳۔ تذکرۃ الحفاظ ۴/۲۵ العقد المذہب رقم: ۲۸۴

(۲) الاعلام ۴/۳۳۶۔ ہدیۃ العارفین ۱/ ۶۳۷۔ شذرات الذہب ۳/۴۱۳۔ طبقات السبکی ۴/۲۶۹۔ العقد المذہب رقم ۲۸۸۔

(۳) حالات کے لئے دیکھئے: الاعلام ۷/۱۲۷

(۴) الوفیات ۲/۳۷۳۔ الشذرات ۴/۲۰۸۔ الاعلام ۴/۱۷۴۔ السبکی ۴/۲۵۶۔ کتاب العبر ۴/۱۸۱۔ معجم البلدان "سہرورد" کی بحث میں۔ طبقات ابن شہبہ رقم ۳۰۹۔ العقد المذہب رقم ۳۴۹

(۵) معجم الادباء ۵/۲۰۸۔ الہدیۃ ۱/۶۹۹۔ الکشف ۲۹۸۔ الاعلام ۵/۱۰۱

یہ کتاب بہت مفصل ہے اور فقہاء کے حالات پر سیر حاصل گفتگو کی گئی ہے، مگر کچھ اغلاط اس کتاب میں بھی موجود ہیں۔ پھر تصحیح کر کے قاہرہ سے شائع کی جا رہی ہے، چند سال پہلے اس کے تصحیح شدہ نئے ایڈیشن کا پہلا حصہ علی گڑھ میں میری نظر سے گذر چکا ہے۔

دوسری کتاب "طبقات الشافعیۃ الوسطی" اور تیسری کتاب "طبقات الشافعیۃ الصغری" ہے۔ یہ دونوں کتابیں اب تک شائع نہ ہو سکی ہیں۔ ان دونوں کا ایک ایک نسخہ خدیویہ لائبریری اور برلن لائبریری میں محفوظ ہے۔ دوسرے کتب خانوں میں بھی ان کے نسخے پائے جاتے ہیں — (فہرست برلن لائبریری ۹/۴۴۵-۴۴۶، ۴۴۴، فہرست خدیویہ لائبریری ۵/۷۸-۷۹)

(۱۸) عبد الرحیم بن الحسن بن علی، جمال الدین ابو محمد الاسنوی[1] (م ۷۷۲ھ) ان کی کتاب بھی "طبقات الشافعیۃ" ہے۔ اس کے چند نسخے مشرق و مغرب کے کتب خانوں میں موجود ہیں۔ ایک نسخہ خدا بخش لائبریری، پٹنہ میں بھی موجود ہے — مفتاح الکنوز ۲/۳۱۵

(۱۹) اسماعیل بن عمر بن کثیر بن ضو بن درع البصروی الدمشقی، ابو الفداء عماد الدین[2]، (۷۰۱-۷۷۴ھ)۔ ان کی کتاب بھی "طبقات الشافعیۃ" ہے۔ الاعلام ۱/۳۱۷۔ الکشف: ۱۱۰۲

(۲۰) محمد بن عبد الرحمن، القاضی شمس الدین العثمانی، قاضی صفد[3]، (م ۷۸۰ھ) ان کی کتاب "طبقات الفقہاء الشافعیۃ" ہے — الکشف ۱۱۰۲-۱۱۰۵

(۲۱) محمد بن عبد الرحمن بن محمد بن علی، ابو عبد اللہ شرف الدین الانصاری المصری[4] (۷۳۶ - تقریباً ۸۰۰)۔ ان کی کتاب "الکافی معرفۃ علماء مذہب الشافعی" ہے۔ اس کا ایک

---

(۱) البدر الطالع ۱/۳۵۲۔ خطط مبارک ۸/۶۳، الدرر الکامنۃ ۲/۳۵۴۔ الاعلام ۴/۱۱۹

(۲) حالات کے لئے دیکھئے: الدارس ۱/۳۶۔ الشذرات ۳/۱۹۳۔ البدر الطالع ۱/۱۵۳۔ الدرر الکامنۃ ۱/۳۷۳

(۳) کشف الظنون ۱۱۰۲، ۱۱۰۵ (۴) الاعلام ۷/۶۶

کرتے وقت اس سے استفادہ کیا ہے ۔ (خطبۃ طبقات الاسنوی ، مخطوطہ خدا بخش لائبریری)

(۱۳) علی بن انجب بن عبد اللہ البغدادی ، تاج الدین ابو طالب ابن الساعی[1] (۵۹۳ ـ ۶۷۴ھ) ابو اسحاق شیرازی کی "طبقات الفقہاء" کا ذیل انھوں نے سات جلدوں میں مرتب کیا تھا ــــ کشف الظنون : ۱۱۰۰

(۱۴) یحییٰ بن شرف ، الشیخ محی الدین ابو زکریا النووی[2] (م ۶۷۶ھ) ان کی تصنیف "طبقات الشافعیہ" ہے اور یہ وہی کتاب ہے جس کو ابن الصلاح کی طبقات سے ملخص کر کے کچھ اسماء کا اضافہ کر دیا تھا ۔ اس کا ایک مخطوطہ مصر کے خدیویہ کتب خانہ میں محفوظ ہے ــــ فہرست خدیویہ لائبریری ۵/۷۹ ۔

(۱۵) یوسف بن عبد الرحمٰن ، جمال الدین ابو الحجاج المزّی[3] (م ۷۴۲) ان کی تالیف کا نام بھی طبقات الشافعیہ ہے یہ وہی ہے جس کو امام نووی مسودہ کی حالت میں چھوڑ کر فوت ہو گئے تھے اور مُزّی نے اس کی تبییض کی تھی ــ طبقات السبکی ۱/۱۱۴

(۱۶) سلیمان بن جعفر الاسنوی المصری الشافعی[4] ، (م ۷۵۶ھ) ان کی کتاب بھی "طبقات الشافعیہ" کے نام سے موسوم ہے ــــ ایضاح المکنون ۲/۷۹

(۱۷) عبد الوہاب بن علی بن عبد الکافی ، تاج الدین ، ابو نصر السبکی[5] (م ۷۷۱ھ) ان کی ایک کتاب کا نام "طبقات الشافعیۃ الکبریٰ" ہے ۔ ۶ جلدوں میں قاہرہ ۱۳۲۴ھ میں چھپ چکی ہے ۔

---

(۱) حالات کے لئے دیکھئے : الاعلام ۵/۷۱ ۔ البدایۃ والنہایۃ ۱۳/۲۷۰ ، الجواہر المضیۃ ۱/۳۵۴ ۔

(۲) الاعلام ۹/۱۸۴ ۔ الدارس للنعیمی ۱/۲۴ ۔ الشذرات ۵/۳۵۴ ۔ مفتاح السعادۃ ۱/۳۹۸ ۔ النجوم الزاہرۃ ۷/۲۷۸ ۔ السبکی ۵/۱۶۵ ۔ طبقات المصنف ۸۶ ۔ العقد رقم ۱۹۴

(۳) التاج المکلل ۴۷۵ ۔ الدرر الکامنہ ۴/۴۵۷ ۔ دول الاسلام ۲/۱۹۱ (۴) ایضاح المکنون ۲/۷۹

(۵) الاعلام ۴/۳۳۵ ۔ الدرر الکامنہ ۲/۴۲۵ ۔ حسن المحاضرۃ ۱/۱۸۲ ۔ فہرست الخدیویۃ ۲/۲۴۳

(۲۴) محمد بن یعقوب الشیرازی، مجد الدین الفیروز آبادی[۱] (م ۸۱۷ ھ) ۔ ان کی کتاب "المرقاۃ الارفعیہ فی طبقات الشافعیۃ" ہے ۔ الکشف : ۱۱۰۲ ، فہرست برلن لائبریری رقم ۱۰۰۴۲ ۔

(۲۵) محمد بن ابی بکر بن علی المرجانی، المکی، نجم الدین[۲] (۷۶۰ ۔ ۸۲۷) ۔ ان کی کتاب "طبقات الشافعیۃ" ہے ۔ ایضاح المکنون ۲/ ۷۹

(۲۶) احمد بن الحسین الشافعی الرملی، الشیخ شہاب الدین ابن ارسلان (م ۸۴۴ ھ) ان کی تصنیف بھی "طبقات الشافعیۃ" کے نام سے موسوم ہے ۔ کشف الظنون : ۱۱۰۲ ۔ فہرست برلن لائبریری رقم ۱۰۰۴۲

(۲۷) ابوبکر بن احمد بن محمد، تقی الدین ابن قاضی شہبۃ[۳] (م ۸۵۱ ھ) ان کی کتاب بھی "طبقات الشافعیۃ[۴]" ہے ، مختلف کتب خانوں میں اس کے چند نسخے محفوظ ہیں ۔ خدا بخش لائبریری پٹنہ میں بھی اس کے دو مخطوطے محفوظ ہیں ۔ لیکن دوسرا مخطوطہ پہلے نسخہ سے منقول ہے ۔ مفتاح الکنوز ۲/ ۳۱۵ ، ۵۶۱ ۔

---

(۱) حالات کے لئے دیکھئے : البدر الطالع ۲/ ۲۸۰ ۔ الضوء اللامع ۱۰/ ۷۹ ۔ مفتاح السعادۃ ۱/ ۱۰۳ ۔ الاعلام ۸/ ۱۹ ۔ اس میں مذکور ہے کہ ان کی ایک "المرقاۃ الوفیۃ فی طبقات الحنفیۃ" حالانکہ یہ شافعی مسلک تھے ۔ مگر اس کتاب میں "المرقاۃ الارفعیۃ فی طبقات الشافعیۃ" کا ذکر نہیں ہے ۔

(۲) بغیۃ الوعاۃ : ۲۵ ، الضوء اللامع ۷/ ۱۸۲ ۔ الاعلام ۶/ ۲۸۲

(۳) الاعلام ۱/ ۳۵ ۔ الضوء ۱۱/ ۲۱ ۔ الشذرات ۷/ ۲۶۹ ۔ ایضاح المکنون ۱/ ۳۰۲

(۴) چند سال پیشتر اس کتاب کو چند مخطوطات کی مدد سے حافظ عبد العلیم خاں، لکچرر شعبہ دینیات مسلم یونیورسٹی علی گڑھ ایڈٹ کر چکے ہیں اور اس کام کی بنیاد پر ان کو ڈاکٹریٹ کی ڈگری مل چکی ہے ۔

مخطوطہ خدیویہ لائبریری میں محفوظ ہے ۔ فہرست الخدیویۃ ۱۳۶/۵

(۲۲) عمر بن علی بن احمد بن محمد بن عبداللہ الانصاری، الشافعی، الاندلسی، المصری، سراج الدین ابوحفص، المعروف بابن الملقن وابن النحوی[1] (۷۲۳ ـ ۸۰۴) ۔ ان کی کتاب "العقد المذہب فی طبقات حملۃ المذہب"[2] ہے ۔

(۲۳) احمد بن اسماعیل بن خلیفہ، القاضی شہاب الدین، المعروف بابن الحسبانی[3] (۷۴۹ ـ ۸۱۵) ۔ ان کی کتاب "طبقات الشافعیہ" ہے ۔ ایضاح المکنون ۷۹/۲

---

(۱) الضوء اللامع ۶/ ۱۰۰ ـ ۱۰۵ ـ لحظ الالحاظ لابن فہد المکی : ۱۹۱ ـ طبقات المصنف : ۹۰ ـ دائرۃ المعارف البستانی ۴/۴۴۷ ـ الہدیۃ ۷۹/۱ ـ انباء الغمر ۸۰۴ھ کے وفیات کے ضمن میں ـ البدر الطالع ۵۰۸/۱ ـ ۵۱۱ ـ الشذرات ۴۴/۷ ـ ذیل طبقات الحفاظ للسیوطی ۳۶۹ ـ حسن المحاضرۃ ۲۰۱ ـ الاعلام ۲۱۸/۵ ـ معجم المؤلفین ۲۹۷/۷ ، الخطط التوفیقیۃ ۱۰۵/۴ ـ ایضاح المکنون ۱۵۳/۱

(۲) ابن ملقن اپنے عصر کے جید عالم تھے، معاصرین اور اساتذہ کی نگاہ میں بڑی قدر و منزلت رکھتے تھے ـ فقہ و حدیث کے علاوہ دوسرے علوم میں بھی ان کو درک حاصل تھا ـ تقریباً تین سو کتابیں تصنیف کیں، اور ان میں سے اکثر کتابیں کئی کئی ضخیم جلدوں پر مشتمل ہیں ـ ان کی اکثر کتابیں ضائع ہوچکی ہیں اور کچھ کتابیں اب بھی بعض کتب خانوں میں محفوظ ہیں ـ "العقد المذہب" شافعی المسلک فقہاء کے تذکرے پر مشتمل ہے ـ یہ کتاب بہت سی خوبیوں کی حامل ہے ـ نادر اقوال کا خاص طور سے اہتمام کیا گیا ہے ـ حالانکہ تو طویل ہے نہ مختصر ـ یہ کتاب تین طبقات اور ایک ذیل پر مشتمل ہے ـ پہلا طبقہ ۴۳ طبقات میں تقسیم کر دیا گیا ہے اور ہر طبقہ حروف تہجی کے اعتبار سے مرتب ہے ـ اور یہ طبقہ امام شافعی کے زمانہ سے ۲۰۷ھ تک کے عظیم المرتبت فقہاء اور علماء کے حالات کے لئے مخصوص ہے جن کی مجموعی تعداد ۶۶۲ ہے ـ راقم السطور نے تین قدیم نسخوں کی مدد سے اس طبقہ کی تصحیح کی ہے ـ تعلیقات کے ساتھ ایک مبسوط مقدمہ لکھنے کے بعد ۱۹۷۱ء میں پٹنہ یونیورسٹی میں ڈاکٹریٹ کی ڈگری کے لئے پیش کیا اور ۱۹۷۲ء میں یہ ڈگری عطا کی گئی ـ

(۳) الاعلام ۹۳/۱ ـ لحظ الالحاظ : ۲۴۴ ـ الضوء اللامع ۲۳۷/۱

(۳۳) عبدالرحمن بن ابی بکر بن محمد، جلال الدین السیوطی[1] (۸۴۹ — ۹۱۱) ان
کتاب "الوجیز فی طبقات الشافعیہ" ہے - الکشف : ۲۰۰۲ - فہرست برلن لائبریری
م ۱۰۰۴۲ -

(۳۴) محمد بن علی الداؤدی الشافعی المصری، شمس الدین[2] م ۹۴۵ھ) ان
کتاب سبکی کی "طبقات الشافعیہ" کا تکملہ اور ذیل ہے — الشذرات ۸/۲۶۴

(۳۵) عبداللہ الطیب بن عبداللہ بن احمد الیمنی، ابومحمد، المعروف بابن مخرمۃ[3]،
۸۷۵ — ۹۴۷) ان کی کتاب "طبقات الشافعیہ" جس کو ابن الملقن کی کتاب
العقد المذہب" کا تکملہ اور ذیل قرار دیا ہے — ایضاح المکنون ۲/۷۹

(۳۶) ابوبکر بن ہدایۃ اللہ الحسینی الشافعی الکردی، الملقب[4] "بالمصنف" (م ۱۰۱۴ھ)
ان کی تصنیف بھی "طبقات الشافعیۃ" ہے یہ کتاب بھی مختصر ہے اور طبقات الشیرازی
کے ساتھ ۱۳۵۶ھ میں بغداد سے شائع ہو چکی ہے مگر اغلاط سے پُر ہے -

(۳۷) عبداللہ بن حجازی بن ابراہیم الشرقاوی الازہری[5]، (۱۱۵۰ — ۱۲۲۷)
ان کی کتاب "التحفۃ البہیۃ فی طبقات الشافعیۃ" ہے - اس کا ایک نسخہ برلن لائبریری میں رقم
۱۰۰۴ کے ذیل میں محفوظ ہے اور دوسرا نسخہ مصر کی خدیویہ لائبریری میں موجود ہے —

---

(۱) معجم المطبوعات ۱۰۷۳، الضوء ۴/۶۵، شذرات الذہب ۸/۵۱
الاعلام ۴/۷۱

(۲) الاعلام ۷/۱۸۴ - اس میں "المالکی" ہے، فہرست خدیویہ لائبریری ۵/۸۱

(۳) النور السافر ۲۲۶ - ہدیۃ العارفین ۱/۴۳۳ - الاعلام ۴/۲۲۷

(۴) الاعلام ۲/۴۶

(۵) خطط مبارک ۳/۶۳ - الاعلام ۴/۲۰۶

(۲۸) اسماعیل بن ابراہیم بن شرف ، ابو الفداء عماد الدین الشافعی المقدسی[1] (۸۲، ۸۵۲) ۔ ان کی کتاب بھی طبقات الشافعیہ ہے ــــ ایضاح المکنون ۲/ ۷۹ ۔

(۲۹) محمد بن احمد العامری الدمشقی الغزی ، ابو البرکات رضی الدین[2] (م ۸۶۴ھ) ان کی کتاب "بہجۃ الناظرین الی تراجم المتاخرین من الشافعیۃ البارعین" ہے ۔ مصری لائبریری میں ۳۰۴۰ ۳ نمبر کے تحت اس کا ایک نسخہ محفوظ ہے ۔ فہرست دار الکتب المصریۃ ۵/ ۴۱۱ ۔

(۳۰) حمزہ بن احمد بن علی الحسینی الشافعی ، عز الدین[3] (۸۱۸ ـ ۸۷۴) ان کی کتاب "طبقات ابن قاضی شہبۃ" کا ذیل اور تکملہ ہے ــــ کشف الظنون ۱۱۰۲

(۳۱) محمد بن عبدالرحمٰن بن محمد العُمری ، العُکیمی ، شمس الدین ابو عبداللہ الحنبلی العثمانی[4] (۸۰۶ ـــ ۸۷۳) ان کی کتاب طبقات الفقہاء الشافعیہ ہے ــــــ الکشف ۱۱۰۰ ـــ ۱۱۰۵ ۔

(۳۲) محمد بن محمد بن عبداللہ بن خیضر ، قطب الدین ، ابوالخیر ، ابن الخیضری[5] الشافعی الزبیدی الدمشقی ، (۸۲۱ ـــ ۸۹۴) ان کی تصنیف "لمع الالمعیۃ لاعیان الشافعیۃ" ہے ۔ ــــ کشف الظنون : ۱۱۰۲ ۔ فہرست برلن لائبریری رقم ۱۰۰۴۲ ۔

---

(۱) الضوء اللامع ۲/ ۲۸۴ ۔ الاعلام ۲/ ۳۰۲ ۔ الایضاح ۲/ ۷۹

(۲) فہرست دار الکتب المصریۃ ۵/ ۴۱۱

(۳) الاعلام ۲/ ۳۰۷ ، نظم العقیان : ۱۰۶ ۔ الضوء اللامع ۳/ ۱۶۳

(۴) حالات کے لئے دیکھئے : الاعلام ۷/ ۶۷

(۵) الاعلام ۷/ ۲۸۰ ، الدارس النعیمی ۱/ ۷ ، البدر الطالع ۲/ ۲۴۵ الضوء اللامع ۹/ ۱۱۷

ادبی مصادر میں آثار عمرینؓ

آثار عمرؓ

(۸)

جناب ڈاکٹر ابو النصر محمد خالدی صاحب پروفیسر شعبۂ تاریخ عثمانیہ یونیورسٹی حیدرآباد

۱۰۲ عمرؓ نے سعید بن حاتم سے فرمایا: اللہ کی نعمت سے ایسے ہی چوکنے اور ہوشیار رہو جیسے کہ گناہ سے خبردار رہتے ہو۔ مجھے اس کا اندیشہ کم ہے کہ تم گناہ میں گرفتار ہو جاؤ مگر اس کا اندیشہ زیادہ ہے کہ شاید نعمت سے آزمائے جاؤ ایسا نہ ہو کہ نعمت کا مصرف بے جا ہونے سے عملاً اللہ کی ناشکری ہو، نعمت چھن جائے اور عذاب میں پڑو۔

البخلاء ج ۲ ص ۷۹

۱۰۳ عمرؓ نے فرمایا: میں تمھیں بے کاری کی بدانجامی سے خبردار کرنا چاہتا ہوں۔ یاد رکھو مصروفیت نہ ہونے کی وجہ سے جتنی برائیاں پیدا ہوتی ہیں وہ سب اس کا نتیجہ ہیں۔

البخلاء۔ ج ۲ ص ۷۹

۱۰۴ غیلان بن سلمہ بن معتب ثقفی ایک قلیل الکلام شاعر ہیں۔ اسلام قبول کیا اور غالباً طاعون عمواس میں یا سنہ ۲۳ ھ میں انتقال فرمایا۔

ابو رغال: یمن کے آخری حمیری حکمران نے یہودیت اختیار کی پھر مسیحیوں کو دردناک سزائیں دیں۔ ان لوگوں نے شرقی مسیحیت کے شہنشاہ جسٹن اول سے قسطنطنیہ جاکر

فہرست برلن لائبریری ۹/ ۴۴۹ - فہرست خدیویہ لائبریری ۵/ ۲۹

(۳۸) "المعقود فی طبقات الشافعیۃ"[1]

---

(۱) فہرست برلن لائبریری ۹/ ۴۴۹ - کشف الظنون : ۱۷۴۰ - ان دونوں مصادر میں صرف کتاب کا نام مذکور ہے اور نہ تو مؤلف کا نام تحریر ہے اور نہ سنِ تالیف -

شیطان نے تیرے دل پر اپنا اثر ڈالا ہے۔ مجھے تو ایسا معلوم ہوتا ہے کہ تیری عقل ماری گئی ہے۔ اپنا مال واپس لے لے۔ اپنی بیویوں کو جو طلاق دی ہے اس سے رجوع کر ورنہ میں حکم دوں گا کہ تیری قبر پر اسی طرح پتھر مارے جائیں جیسے کہ ابی رغال کی قبر پر مارے جاتے ہیں۔

عمرؓ کی اثر کا لب لباب یہ ہے کہ ہر مسلمان توسط اور اعتدال کی راہ اختیار کرے جیسا کہ تنزیل سورۃ الفرقان میں مومنوں کی ایک صفت یہ بیان کی گئی ہے کہ وہ جو خرچ کرتے ہیں تو نہ بے ضرورت خرچ کرتے ہیں اور نہ کوتاہ دست وکوتاہ دل ہیں۔ بلکہ دونوں کے درمیان توازن پر قائم رہتے ہیں۔

اور اس سے پہلے سورۃ بنی اسرائیل (سورۃ اسریٰ ۱۷) میں جو فرمایا گیا ہے اس کا مطلب یہ معلوم ہوتا ہے کہ مسلموں میں اتنا اعتدال ہونا چاہیئے کہ وہ بخیل بن کر دولت کی گردش کو روکیں اور نہ فضول خرچ بن کر اپنی معاشی طاقت کو برباد کر دیں۔ ان کے اندر توازن کی ایسی حس بیدار رہنی چاہیئے کہ وہ بجا خرچ سے باز بھی نہ رہیں اور بے جا خرچ کی خرابیوں میں مبتلا بھی نہ ہوں۔ لابدی ضروریات، پیشہ کی ضروریات، اسبابِ راحت اور تعیش و نمائش میں فرق کریں۔

۱۰۵ جاحظ اپنے استاد عبدالملک بن قریب اصمعی م ۲۱۶ کی مجلس میں حصول علم کے لئے حاضر ہوئے تھے۔ وہ لکھتے ہیں:

ایک روز اصمعی نے حاضرین مجلس میں سے اپنے پاس بیٹھے ہوئے ایک شخص سے پوچھا: بتاؤ! ۔۔۔۔ کے بیٹے! تمہارا سالن کیا ہوتا ہے؟ اس نے کہا گوشت!

اصمعی: کیا روزانہ؟

جواب: جی ہاں روزانہ گوشت۔

اصمعی: کیا اس کے ساتھ زرد وسفید، سرخ وسبز، ترش وشیریں ونمکین سبھی کچھ؟

جواب: جی ہاں یہ بھی۔

مدد کی درخواست کی۔ اس نے اپنے زیر انتداب حبشی حکمران نجاشی کو ان مسیحی عربوں کی امداد کا حکم دیا۔ نجاشی نے ابرھہ کی سالاری میں یمن پر ایک فوج بھیجی۔ اس نے یہودی حکمران کو مار بھگایا۔ مگر ابرھہ خود یمن پر مستقل حاکم ہوگیا۔ اور مسیحیت یمنیوں میں راسخ کرنے کے لئے یہاں ایک عالی شان کلیسا تعمیر کرایا اور عام عربوں کو کعبہ کی طرف سے روگردانی کرنے کے لئے مکہ میں کعبہ کو ڈھانے کا ارادہ کیا۔ راہ نمائی کے لئے بنو ثقیف کا ایک شخص ابو رغال مامور ہوا۔ یہ مہم بہت ہی بری طرح ناکام ہوگئی۔ ابو رغال نے راہ نمائی مجبوراً قبول کی تھی تاہم اہل عرب اس کی قبر سے گزرتے تو پتھر مار کر اس سے اپنی ناراضگی کا اظہار کرتے رہتے تھے۔

جب بنو ثقیف نے اسلام قبول کیا تو قریش کی طرح اسلام پر قائم رہے ارتداد کے فتنہ میں مبتلا نہیں ہوئے۔

اسی قبیلہ کے ایک شیخ غیلان بن سلمہ بن معتب نے اسلام قبول کیا تو راہِ خدا میں وہ اتنے آگے بڑھے کہ اپنے لونڈی غلام فی سبیل اللہ آزاد کر دیئے اور اپنا سارا مال درِ کعبہ کے ازسرِنو بنانے یا اس کی درستی وغیرہ کے لئے صرف کر دینا چاہا۔

عمرؓ نے غیلان سے کہا: تم اپنا مال واپس لے لو اور دوسرے حقوق میں صرف کرو۔ (کعبہ کی اصلاح و درستی بیت المال سے ہوسکتی ہے) ورنہ میں تمھاری قبر پر اسی طرح پتھر برساؤں گا جس طرح ابو رغال کی قبر پر برسائے جاتے ہیں۔

البخلاء ج ۲ ص ۱۳۹

الحیوان ج ۶ ص ۱۵۷ باختلاف خفیف

توضیح: جاحظ نے الحیوان میں خبر کے آخر میں یہ جو لکھا ہے کہ اس کے سوا بھی آپ نے کچھ کہا تو شاید اس سے مراد وہ جملے ہیں جو اس کے پیشرو محمد بن سلام جمحی م ۲۳۱ ہر نے اپنی کتاب طبقات الشعراء میں (صفحہ دوسو ستائیس ۲۲۷ پر) نقل کئے ہیں۔ اردو میں ان کا مطلب یہ ہے:

مزیدار غذا سے واقف نہیں ہوں ؟ یہ ہے لیلی کے قورمہ کے ساتھ میدہ کی روٹی "

اصمعی پھر اس کے بازو بیٹھے ہوئے سے پوچھتے ہیں :

اصمعی : .... کے بیٹے ! بتاؤ ! تمھارا سالن کیا ہوتا ہے ۔

جواب : ہم زیادہ تر تو بکری کا گوشت کھاتے ہیں یا پھر اس کا قلیہ بنا لیتے ہیں اور اسی کے گوشت کا کچھ حصہ بھون لیتے ہیں ۔

اصمعی : کیا اس کے ساتھ اس کا جگر اور چربی ملا کر زیادہ مزیدار بنانے کے لئے مسالے بھی ڈال لیتے ہو ؟

جواب : جی ہاں

اصمعی : یہ آل خطاب کی غذا نہیں تھی ۔ ابن الخطاب تو ایسی غذا کھانے والے کو مار بیٹھتے تھے ۔ کیا تم نے نہیں سنا کہ آپ فرماتے تھے " کیا تم سمجھتے ہو کہ میں جگر، کلیجی، گوشت اور تل ومنقی وغیرہ سے تیار کی ہوئی غذاؤں کے استعمال کی حیثیت و مقدرت نہیں رکھتا ؟"

اصمعی : سنو اور غور کرو ۔ عمرؓ ان سب چیزوں سے بخوبی واقف ہونے کے باوجود ان کا کھانا ناپسند فرماتے تھے ۔

پھر اصمعی اس شخص کے بازو بیٹھے ہوئے سے سوال کرتے ہیں ۔

اصمعی : بتاؤ ! .... کے بیٹے تمھارا سالن کیا ہوتا ہے ؟

جواب : پسندے ، قیمہ ، کوفتے اور میوں سے تیار کئے ہوئے کئی میٹھے ۔

اصمعی : یہ عجمیوں کی غذا اور کسری کا خورونوش ہے ۔ میدہ کی روٹی کے ساتھ شہد و مکھن !

اصمعی اسی طرح جملہ اہل مجلس سے پوچھتے رہے اور جو جواب ملتا کہتے کہ یہ آل خطاب کی غذا نہیں ہے ۔ عمرؓ تو ایسی غذا پر مار بیٹھتے تھے ۔

اصمعی کی یہ گفتگو ختم ہو گئی تو حاضرین میں سے ایک نے ذرا جرأت کی اور پوچھا :

اصمعی: یہ خور ونوش تو بہت برا ہے ۔ یہ آل خطاب کا کھانا پینا تو ہرگز نہیں۔ عمرؓ تو ایسے کھانے پینے والے کو مار بیٹھتے تھے ۔ آپؓ فرماتے تھے :

گوشت کا عادی شراب کے عادی کے جیسا ہوتا ہے (کہ نہ ملنے پر بے چین ہو جاتا ہے)

پھر اصمعی نے اس کے بازو بیٹھے ہوئے سے پوچھا :

اصمعی : بتاؤ.... کے بیٹے ! تمھارے سالن کیا ہوتے ہیں ؟

جواب : کئی طرح کے ہوتے ہیں ۔ غذا کا بڑا جز تو اچھا اور کئی رنگ کا ہوتا ہے۔

اصمعی : کیا سالنوں میں تیل (مکھن ، چکنائی) بھی۔

جواب : جی ہاں یہ بھی ہوتا ہے۔

اصمعی : گوشت اور مکھن دونوں ایک ہی دستر خوان پر ؟

جواب : جی ہاں ۔

اصمعی : یہ آل خطاب کا کھانا پینا تو ہرگز نہیں تھا ۔ ابن الخطاب تو ایسی غذا کھانے والے کو مار بیٹھتے تھے ۔ آپؓ جب کبھی مختلف کھانوں کی کئی ہانڈیاں دیکھتے تو ان سب ہانڈیوں کو ایک دیگ (بڑے لگن) میں الٹا دیتے اور فرماتے تھے ۔ اگر اہل عرب ایسی غذائیں کھانے لگیں تو ایک دوسرے کو قتل کرنے لگیں گے ۔

پھر اصمعی نے اس شخص کے بازو بیٹھے ہوئے سے پوچھا :

اصمعی : ... کے بیٹے بتاؤ تمھارا سالن کیا ہوتا ہے ؟

جواب : چربی دار گوشت اور بکری کا بھونا ہوا بچہ۔

اصمعی : اور اس کے ساتھ میدہ کی روٹی ؟

جواب : جی ہاں

اصمعی : یہ آل خطاب کی غذا نہیں تھی ۔ ابن الخطاب تو ایسی غذا کھانے والے کو مار بیٹھتے تھے ۔ کیا تم نے آپ کا یہ قول نہیں سنا : کیا تم سمجھتے ہو کہ میں خوشبودار، خوشرنگ و

کو بیان کرنے میں لاثانی تھا۔

مناقب الترک۔ رسائل۔ ج ۱ ص ۵۷

ملحوظہ: عمرؓ کی ممانعت کی وجہ یہ تھی کہ اس سے لوگوں میں ببر سے بے ضرورت خوف و دہشت پیدا ہو جائے گا۔ اور شعر میں ہونے کی وجہ سے زیادہ عام بھی۔

دوسری کتابوں میں یہ ممانعت عثمانؓ سے منسوب ہے جیسے مثلاً الاغانی ج ۱۱ ص ۲۴ وخزانۃ الادب۔ عبد القادر م ۱۰۹۳ھ ج ۲ ص ۱۵۵۔

۱۰۹ عمر بن خطابؓ نے فرمایا:

الف: "اگر لوگوں کی خواہش مختلف نہ ہوتی تو اللہ علاقوں کو آباد نہ کرتا (یعنی لوگ اپنی اپنی طبیعتوں کے موافق مختلف جگہیں پسند کرتے اور وہیں رہ پڑتے ہیں اور بربنائے طبیعت ان کو اپنے موافق مزاج مقام سے محبت ہو جاتی ہے۔)

مناقب الترک۔ رسائل۔ ج ۱ ص ۶۴

ب: "وطن کی محبت کی وجہ سے اللہ نے بستیاں بسائی ہیں۔"

الحنین الی الاوطان۔ رسائل۔ ج ۲ ص ۳۸۹

۱۱۰ چغل خور راز دار نہیں ہوتا۔ عمرؓ کی مثال سے یہ بالکل واضح ہے۔ جب آپ نے اسلام قبول کیا تو چاہا کہ اپنا اسلام جلد سے جلد لوگوں میں مشہور ہو جائے۔ اس غرض کے لئے آپ نے پوچھا کہ مکہ میں سب سے زیادہ بدنام چغل خور کون ہے۔ کہا گیا کہ جمیل بن نحیت کی یہ خصلت عام ہے تو آپ اس کے یہاں آئے۔ اس کو اپنے اسلام لانے کی اطلاع دی اور یہ بھی کہا کہ ذرا اس کو راز میں رکھو کسی کو اس کی خبر نہ ہونے پائے۔

مگر ہوا یہ کہ چوبیس گھنٹے بھی نہیں گزرنے پائے تھے مکہ میں شاید ہی کوئی ایسا ہو جو عمرؓ کے اسلام لانے سے ناواقف رہا ہو۔

کتمان السر وحفظ اللسان۔ رسائل ج ۱ ص ۱۵۳

یا اباسعید ! آپ کی کیا غذا ہے ۔ اصمعی نے فرمایا۔ ایک روز دودھ ، ایک روز زیتون، ایک روز مکھن ، ایک روز پنیرا ور ایک روز روکھی روٹی۔ اور ایک روز گوشت ۔ یہ ہے آل خطاب کی غذا ۔

البخلاء ۔ ج ۲ ص ۱۶۲، ۱۶۳

۱۰۶ عمرؓ کو ایک نہایت عمدہ ترکی گھوڑے پر سوار کرایا گیا ۔ وہ بہت ہی خوش رفتاری سے چلا (کہ سوار اور دیکھنے والوں دونوں کو اچھا معلوم ہوا)

عمرؓ نے کہا : مجھے اس شیطان ۔۔ دلفریب سواری سے دور رکھو۔ پھر اپنے ساتھیوں سے کہا ۔۔ " اللہ نے تم کو جو چیز عطا کی ہے اس کے سوا بناوٹی چیزوں سے دکھاوے کے لئے عزت حاصل کرنے کی کوشش مت کرو ۔

البخلاء ج ۲ ص ۱۶۵

۱۰۷ سعید کہتے ہیں مجھ سے میرے والد نے کہا : میں نے ابو الخطاب یزید سے سنا کہ وہ ترکوں کے بارے میں عمرؓ کا یہ قول نقل کرتے تھے ۔ آپؓ کہتے تھے " ترک ایک ایسا دشمن ہے کہ اگر جولانی دکھائے تو اس کا پکڑنا مشکل ۔ اور گرفتار ہو جائے تو اس کا لباس واسلحہ وغیرہ بہت تھوڑے ۔

مناقب الترک ۔ رسائل ۔ ج ۱ ص ۵۷

جاحظ نے یہی بات ایک لفظ کے تغیر سے اسی رسالہ میں یوں نقل کی ہے :

عمرؓ نے فرمایا : ترک ایسا دشمن ہے جو دیوانے کتے کی طرح سخت ہے خواہ لڑے خواہ بھاگے ۔

مناقب الترک ۔ رسائل ۔ ج ۱ ص ۷۶

۱۰۸ عالیہ واقع نجد کے ایک شخص نے کہا کہ عمرؓ نے ابو زبید حرملہ الطائی کو ببَر کا وصف بیان کرنے سے منع کیا۔ ابو زبید اپنے قصیدوں میں ببر کے خوف ناک و دہشت انگیز ہونے

اس کو آزما کر دیکھنا چاہیں گے کہ آیا وہ واقعی ایسا ہی ہے جیسا کہ بظاہر دکھائی دیتا ہے یا اس میں کچھ کجی ہے۔

کتاب فصل مابین العداوۃ والحسد۔ رسائل ج ۱ ص ۳۴۴

توضیح: مطلب یہ کہ لوگ عموماً عیب جو زیادہ اور پردہ پوش کم ہوتے ہیں۔

۱۱۴ عمرؓ کے متعلق بیان کیا گیا کہ آپ نے فرمایا: "میں تم سب کو شورش پسند عوام سے اچھا برتاؤ کرنے کی وصیت کرتا ہوں۔ یہ لوگ آگ بجھانے اور رخنے بند کرنے والے ہیں۔

کتاب فصل مابین العداوۃ والحسد۔ رسائل ج ۱ ص ۳۶۶

ملحوظہ: جاحظ کی عبارت کے سیاق سے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ اس قول سے عمرؓ کی مراد یہ ہے: شورش پسند عوام بردبار حاکم کا غصہ برداشت کر لیتے اور حکومت کے خلاف سازش کرنے والوں کے راز فاش کر دیتے ہیں۔

۱۱۵ عمرؓ جب کسی کو کہیں کا حاکم (والی) مقرر کرتے تو اس پر چار شرطیں عائد کرتے تھے — وہ برذون (ترکی نسل کے گھوڑے) پر سواری نہ کرے۔ کسی ایسے شخص کو مقرر نہ کرے جو عوام کو اس کے روبرو براہ راست آنے سے روکے (یہ اوٹ، پردہ یا دیوار یا احاطہ دار مکان بھی ہو سکتا تھا) — ریشمی (یا باریک و مہین) کپڑا نہ پہنے، اور نہ میدہ کی روٹی کھائے۔ (ایسے آٹے کی کوئی شکل استعمال نہ کرے جس میں سے اس کا بھوسا نکال دیا گیا۔)

کتاب الحجاب ——— رسائل ج ۲ ص ۳۱

یادداشت: برذون فارسی سے عربی میں آیا۔ اصلاً غالباً ترکی یا یونانی لفظ ہے۔

درمک یا درمق بھی فارسی الاصل ہے۔ عربی میں دخیل ہونے میں شبہ نہیں۔ عربوں کے لئے یہ تینوں اشیاء آرام طلبی اور دولت مندی کی نشانی سمجھی جاتی تھیں۔

۱۱۶ عمرؓ اپنے عاملوں کو ہدایت کیا کرتے تھے کہ خبردار! اپنے اور عوام کے درمیان کوئی

۱۱۱۔ عمرؓ نے قاضیوں کو ایک گشتی مراسلہ لکھا کہ قرابت داروں کو عدالت کے احاطہ (امیدالا علاقہ) سے باہر رکھو (یا عدالت کے شور و پکار سے دور ہی رکھو۔ باہمی گفت و شنید کر کے آپس ہی میں اپنے جھگڑوں کا فیصلہ کر لینے دو)

عدالت میں حاضر ہو کر فیصلہ چاہنے سے رد و قدح کی وجہ سے آپس میں حسد و کینہ پیدا ہوتا ہے۔

فی الجد والہزل۔ ج ۱ ص ۲۶۵

ملحوظہ: درج بالا مراسلہ یا اس کا کسی جز کوئی ایسی کتاب میں نظر نہیں پڑا۔ جو میں نے دیکھی ہو۔ یہ بھی واضح نہ ہو سکا کہ آخری جملہ "فان ذالک ..... الخ اصل مراسلہ کا جزو ہے یا جاحظ کا تبصرہ۔

۱۱۲ عمر بن الخطاب نے سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہما کو لکھا جب کہ آخر الذکر قادسیہ میں تھے۔ اہل فوج کو دورِ جاہلیت کے حوادث بیان کرنے سے روکو ان سے پرانی دشمنیاں یاد آتیں اور کینے تازہ ہوتے ہیں۔ انھیں ایسے معرکوں کے قصے سناؤ جن میں اللہ نے عظیم الشان واقعات ظاہر کیئے۔ ایسے وقائع اس وقت تک سناؤ جب تک وہ دلچسپی سے سنیں انھیں اتنا طول نہ دو کہ وہ اکتا جائیں۔

رسالۃ فی نفی التشبیہ رسائل ج ۱ ص ۲۹۰

ملحوظہ: خیال رہے کہ اس زمانہ میں سپاہیوں کو فارغ اوقات گزارنے کے ذریعے حاصل نہیں تھے۔ ان کے یہاں صرف قدیم حکایتیں ہی تھیں۔ وہ انھیں چاندنی راتوں میں صحن میں یا گھروں میں آگ کے گرد بیٹھ کر بیان کرتے تھے اور یہی ان کی تفریح تھی۔ رات کے وقت ایسی ہی تفریحی گفتگو کو مسامرہ کہتے ہیں۔

۱۱۳ عمرؓ نے فرمایا: اللہ نے کسی کو کوئی ایسی تازہ (یا نئی) نعمت نہیں دی کہ تم اس نعمت پر کسی اور کو حسد کرتا ہوا نہ پاؤ۔ اگر کوئی شخص خواہ تیر کی طرح ہی سیدھا کیوں نہ ہو تب بھی لوگ

اللہ تمھیں سلامت رکھے۔

کتاب الحجاب۔ رسائل ج ۲ ص ۳۱

۱۱ عمرؓ سے روایت کی جاتی ہے کہ آپ نے کہا میں نکاح میں اپنے آپ پر کچھ حد سے
یادہ ہی بوجھ ڈالتا ہوں کہ شائد مجھ سے اللہ کسی متنفس کو پیدا کرے جو اس کی پاکی
ان کرے۔

مفاخرۃ الجواری۔ رسائل ج ۲ ص ۱۰۳

۱ عمرؓ نے زید بن عمرو بن نفیل کی لڑکی عاتکہ سے شادی کی جو بیوہ ہو چکی تھیں
یہ عبداللہ بن ابی بکر صدیق کی بیوی رہی تھیں۔ عبداللہ غزوۂ طائف میں زخمی ہو کر
ریش ہو گئے تو انھوں نے عاتکہ سے یہ پیمان باندھا کہ ان کی وفات کے بعد وہ کبھی کسی
رسے شادی نہیں کریں گی تو انھیں اپنے مال کا ایک حصہ بطور تحفہ دیں گے۔ یہ مال
س ورثہ کے علاوہ ہوگا جو شرعاً بحیثیت بیوی بیوہ ہونے پر شوہر کے مال سے ملتا ہے۔
اس وقت عاتکہ نے چند شعر کہے تھے ازاں جملہ وہ شعر بھی ہے جس کا حاصل معنی یہ
ہے: میں قسم کھاتی ہوں کہ تمھاری وفات کے بعد تم پر میری آنکھیں ہمیشہ گرم آنسو بہاتی
رہیں گی اور میرے جسم پر کبھی ابٹن نہیں ملا جائے گا۔ (خوشبو نہیں لگاؤں گی)
عبداللہ کا انتقال ہو گیا۔ عدت کی مدت پوری ہو گئی۔ (اس کے بعد بھی قابل لحاظ وقت
گذر گیا تو) عمرؓ نے عاتکہ کو شادی کا پیغام دیا۔ اور یہ بھی پیشکش کی کہ عبداللہ مرحوم نے
جتنا مال دیا ہے اتنا ہی مال میں بھی دوں گا۔ اور تم اس کو عبداللہ کی طرف سے صدقہ
دے سکتی ہو۔ (اس سے تم اور وہ دونوں مستحق ثواب ہوں گے) عاتکہ راضی ہو گئیں۔
عقد ازدواج کے بعد حسب سنت عمرؓ نے ولیمہ کیا۔ اس میں انصار و مہاجرین کو
بلایا۔ علیؓ بھی عمرؓ کے گھر آئے۔ دلہن کے لئے سجائے ہوئے کمرہ کا رخ کیا۔ پردہ اٹھایا۔
اس کی طرف نظر ڈالی اور وہ شعر دہرائے جو عاتکہ نے کہے تھے۔ یہ سن کر عاتکہ جھینپ گئیں

حائل نہ ہونے پائے (خواہ شخص یا درو دیوار)۔ اپنے احکام اور اپنے فیصلے باہر نکل کر سب کے روبرو ظاہر و واضح کرو۔ ان سے اپنے حقوق و واجبات (خواہ از قسم مال ہوں یا وفادارؔ ونصیحت) حاصل کرو۔ اور تم پر جو حقوق و واجبات عائد ہوتے ہیں وہ سب پورے کرو۔ کیونکہ اگر کسی شخص کو اس کا حق نہ مل سکے تو اس کے ساتھ زیادتی ہوئی۔ پھر یہ بیچارہ مجبوراً اپنے ہی جیسے دوسرے بیچاروں کی طرح اپنا علاقہ چھوڑ دے گا (اور کہیں اور جا بسے گا جہاں زیادتی نہ ہوتی ہو) اور تمہارا علاقہ ویران ہو جائے گا۔

کتاب الحجاب۔ رسائل۔ ج ۲ ص ۳۱

۱۱۷ عمرؓ نے اپنے عامل شام معاویہؓ کو لکھا:

اللہ کی ستائش اور اس کے رسولؐ پر سلام کے بعد۔ میں نے تم کو یہ خط لکھ کر تمہاری اور اپنی خیر خواہی میں بالکل کوتاہی نہیں کی ہے۔ خبردار! تمہارے اور عوام کے درمیان کوئی روک ٹوک نہیں ہونی چاہیئے۔ کم زور کو تمہارے یہاں آنے کی بے تکلف اجازت ہو۔ اس کو اپنے قریب کرو تاکہ اس کی زبان کھُلے اور اس کے دل سے خوف نکل جائے۔ جو لوگ تمہارے قریبی علاقے کے نہیں ہیں بلکہ دور سے آتے ہیں اور تمہارے لئے اجنبی ہوتے ہیں ان سے واقفیت پیدا کرو کیونکہ اگر تمہارے سامنے آنے سے انھیں بہت دیر (دنوں) رکنا پڑے اور وہ باریابی کی اجازت ملنے میں تنگی محسوس کریں تو وہ اپنا حق چھوڑ دیں گے۔ اور ان کا دل بیٹھ جائے گا۔ دراصل ان کا حق اس شخص نے تباہ کیا جو اس کو اپنے یہاں آنے اور اپنا حق طلب کرنے سے روکے۔

اگر تمھیں دو جھگڑے والوں میں کسی فیصلہ پر پہنچنا واضح نہ ہو تو فریقوں کو آپس میں صلح کرنے کی ترغیب دو (صلح کے فائدے بتاؤ) اور اگر تمہارے روبرو ایسے مدعی و مدعیٰ علیہ ہوں کہ مدعی کی دلیلیں ٹھیک ٹھیک اور درست ہوں اور مدعیٰ علیہ کی قسموں میں کسی طرح کا ابہام نہ ہو تو پھر تمھیں جو بھی فیصلہ اقرب الی الصواب معلوم ہو اسے فوراً جاری و نافذ کردو۔

یادداشت : حدیث النبی صلعم میں شعر کی مدحت و مذمت کے لئے کم از کم درج ذیل مصادر مع شروح سے رجوع کرنا ضروری ہے۔

صحیح البخاری۔ کتاب ۷۸۔ ب ۲۹

صحیح المسلم ۔ کتاب ۴۱ ج ا و ۷ تا ۹

سنن ابی داؤد۔ کتاب ۳۷۔ باب ۷، ۳۷ و کتاب ۴۰ ب ۸۷

سنن الترمذی۔ کتاب ۴۱۔ باب ۶۹، ۷۰، ۸۱

سنن النسائی۔ کتاب ۸ باب ۲۳، ۲۴ + کتاب ۲۴۔ ب ۱۰۷، ۱۱۹

سنن ابن ماجہ۔ کتاب ۴ باب ۵ + کتاب ۲۰ ب ۳۱۔ کتاب ۳۳ ب ۴۱

(ختم)

اور شرم کے مارے اپنا سر نہوڑلیا۔

علیؓ نے عاتکہ کو جب اس بات پر غیرت دلائی کہ اس نے اپنے شوہر کے مرتے وقت اس سے کیا ہوا قول وقرار توڑ دیا۔ اور وہ جھینپی شرمائی تو عمرؓ کو بُرا لگا۔

عمرؓ نے کہا: ابو الحسن! اللہ تم پر رحم کرے! تم نے ایسا کیوں کیا؟ کیا ارادہ تھا؟

علیؓ: میرے دل میں ایک خواہش تھی وہ میں نے پوری کی۔

کتاب القیان۔ رسائل ج ۲ ص ۱۵۱، ۱۵۲

یادداشت: اس واقعہ سے جاحظ یہ استدلال کرتے ہیں کہ اگر تفنن طبع، مذاق ومزاح ناجائز ہوتا تو سب سے پہلے عمرؓ اس کا انکار کرتے اور اگر حرام ہوتا تو اس کی ممانعت کر دیتے کہ آپ کی پرہیزگاری، پاکیزگی وعلم وفقہ میں شک وشبہ کی گنجائش ہی نہیں ہے۔

اپنے اس قول کی تائید میں جاحظ نے بطور شہادت رسول اللہ صلعم کی وہ حدیث نقل کی ہے جو صحیح البخاری کتاب فضائل اصحاب النبی صلعم ۶۲ باب ۶ نیز کتاب النکاح ۶۷ باب ۱۰۸، اور کتاب التعبیر ۹۱ باب ۳۱، ۳۲ میں بھی آئی۔

ماحصل اس حدیث شریف کا یوں معلوم ہوتا ہے:

رسول اللہ صلعم فرماتے ہیں کہ میں نے جنت میں ایک پرشکوہ عمارت دیکھی۔ میں نے پوچھا یہ کس کی ہے تو کہا گیا کہ عمر بن الخطاب کی ہے۔ مجھے تمھاری غیرت مانع نہ ہوتی تو میں اس کا رخ کرتا۔

عمرؓ نے فرمایا: شعر ایک کلام ہے (موزوں) اچھا اور بُرا۔ مفید ومضر یا خوب و ناخوب۔ جو اُن میں خوب ہیں تو انھیں خوب ہی سمجھنا اور جو ناخوب ہیں انھیں ناخوب ہی سمجھنا یا اس کے برعکس خیال کرنا درست نہ ہوگا۔

کتاب القیان۔ رسائل ج ۲ ص ۱۶۰

تبصرے

...مع العطیات مرتبہ جناب ضیاء الدین احمد شکیب و جناب حسن الدین احمد۔
...کلاں، ضخامت ۳۰۴ صفحات، طباعت و کتابت بہتر۔ قیمت مجلد -/45
...ولا اکاڈمی، عزیز باغ، حیدر آباد۔

مغلیہ دور سلطنت اور اس کے بعد نظام دکن کی حکومت میں "عطیات" کا ایک مستقل
...بہت وسیع شعبہ تھا جس کے لئے دوسرے شعبوں کی طرح خاص خاص دستور و آئین اور
...د و ضوابط تھے، تاریخ اور دوسرے سماجی علوم کے ایک طالب علم اور محقق کے لئے اس شعبہ
...م ایسا ہی ضروری ہے جیسا کہ حکومت کے دوسرے شعبوں کا۔ اسی بنا پر شمس العلماء نواب عزیز جنگ
...یدر آباد کے ایک نہایت فاضل، لائق و قابل اور مختلف موضوعات پر کثیر التعداد کتابوں کے
...نف تھے، انھوں نے اس موضوع پر بھی توجہ کی اور متعدد کتابیں اس پر تصنیف کر ڈالیں، یہ
...بیں کس پایہ کی تھیں؟ اس کا اندازہ اس سے ہو سکتا ہے کہ جب یہ شائع ہوئیں تو مولانا حالی
...اس زمانہ کے دوسرے افاضل و ارباب قلم نے ان کی بے حد تعریف کی اور ان کی علمی اور
...یخی اہمیت کا اعتراف کیا۔ یہ کتابیں اب ناپید تھیں اس لئے فاضل مرتبین نے ان سب
...ابوں کی تلخیص کر کے یہ کتاب بڑے سلیقہ اور خوش اسلوبی سے مرتب کی ہے جس پر وہ ارباب
...م و ادب کے شکریہ کے مستحق ہیں۔ کتاب دو حصوں پر تقسیم ہے، ہر حصہ سات سات ابواب پر

ادبیات

غزل

حرمت الاکرام

لگتا ہے جیسے ایک زمانہ اداس ہے
لیکن یہ سوچ، کیا کوئی مجھ سا اداس ہے

اس وضعِ دلدہی سے لرزتا ہے اور دل
مجھ کو اداس دیکھ کے دنیا اداس ہے

قاتل کو رحم آئے تو ہے سوچنے کی بات
ڈوبا ہے جانے کون کہ دریا اداس ہے

لمحوں کے سلسلے میں ہے غم کی بھی اک کڑی
یہ کائنات کل سے زیادہ اداس ہے

صبح اک لٹی بساط ہے شام اک بجھا چراغ
ہم دل جلوں کا شہر بھی کتنا اداس ہے

شاید کہ رہ گئی نہ کوئی جائے عافیت
خوابوں کا ایک ایک جزیرہ اداس ہے

اک سوچ نیند کے عوض آنکھوں میں آبسی
کیا بات ہے کہ شام کا چہرہ اداس ہے

لینے لگی تھی سانس فضاؤں کی خامشی
ڈھلنے لگی جو رات تو دنیا اداس ہے

جلتی ہے دھیرے دھیرے کسی یاد کی چِتا
پچھلے پہر کی بزم تماشا اداس ہے

یہ خلوتِ رموز ہے کس درجہ بے خروش
حشر آفریں خلاؤں کی دنیا اداس ہے

حرمت نہ جانے کہہ گئی کیا جاتے جاتے رات
مجھ سے زیادہ صبح کا تارا اداس ہے

یادیں (انگریزی) از جناب رحم علی الہاشمی، تقطیع خورد، ضخامت ۹۴ صفحات، طباعت، ٹائپ اور کاغذ سب اعلیٰ قیمت -/۱۵ پتہ: جناب مصنف نمبر 6 ، شبلی روڈ، علی گڑھ

جناب رحم علی الہاشمی کی تمام عمر صحافت اور جرنلزم میں گزری ہے اور صحافت بھی انگریزی اور اردو دونوں زبانوں کی جن کی تحریر میں آپ کو غیر معمولی قدرت اور ید طولیٰ حاصل ہے، آپ نے جن اردو کتابوں کا ترجمہ انگریزی میں اور جن انگریزی کتابوں کا ترجمہ اردو میں کیا ہے (بعض انگریزی کی طویل نظموں کا ترجمہ اردو نظم میں بھی اس میں شامل ہیں) وہ سب موصوف کی مہارت فن اور استعداد کامل کا ثبوت ہے، اس حیثیت سے مشاہیر ارباب سیاست، مصنفین و محققین، ادبا و شعرا، اساتذہ، علما، اور صوفیا سے آپ کا قریبی تعلق رہا ہے اور آپ نے ان کی سیرت کا مطالعہ دیدۂ بینا سے کیا ہے، ان سب حضرات سے متعلق اپنے تاثرات موصوف نے ۱۹۲۳ء میں قلمبند کر لئے تھے، مگر بدقسمتی سے وہ مسودہ گم ہو گیا، اب ایک عرصہ کے بعد حافظہ کی مدد سے انھیں چند مزید ناموں کے اضافہ کے ساتھ پھر قلمبند کیا ہے، یہ کتاب اسی گم شدہ مسودہ کا نقش ثانی ہے۔ شروع کے ساٹھ صفحات میں لائق مصنف نے اپنے ذاتی حالات و سوانح لکھے ہیں جو نہایت دلچسپ، موثر اور سبق آموز ہیں۔ آج کل کے نوجوانوں کو ان کا مطالعہ ضرور کرنا چاہئے تاکہ انھیں معلوم ہو کہ ذہانت کے ساتھ محنت اور لگن اور خلوص کیا چیزیں ہیں جو ایک انسان کو کہاں سے کہاں پہونچا دیتی ہیں، زبان و بیان شگفتہ و رواں اور موثر ہے، امید ہے کہ ارباب ذوق اس کے مطالعہ سے شادکام ہوں گے۔

بانی درس نظامی ملا نظام الدین محمد از مولانا مفتی محمد رضا انصاری فرنگی محلی، تقطیع کلاں، ۲۰۳ صفحات، کتابت طباعت اور کاغذ بہتر، قیمت پندرہ روپیہ، پتہ: فرنگی محل کتاب گھر، ۹ فرنگی محل، لکھنؤ۔۳

عجیب بات ہے کہ حضرت شاہ ولی اللہ الدہلوی اور درس نظامی کے بانی ملا نظام الدین محمد

تقسیم ہے، جن میں اولاً عطیات کی تعریف اور ان کی قسمیں بیان کرنے کے بعد ہر قسم پر الگ الگ حصہ اول کے سات ابواب میں مفصل گفتگو کر کے یہ بتایا گیا ہے کہ یہ عطیات کن کن لوگوں کو دیئے جاتے تھے کب اور کیوں دیئے جاتے تھے، ان کے لئے فرامین کس طرح لکھے جاتے تھے اور ان کی تعمیل کا کیا طریقہ تھا۔ دوسرا حصہ جو خالص ٹکنکل ہے اس میں سیاق یعنی اڈمنسٹریشن پر کلام کیا گیا ہے اور اس سلسلہ میں باب وار عربی اعداد، عمل حسابی (Book Keeping)، مدات، حساب، اوزان و پیمانے، الفاظ ممیزہ اور سکوں وغیرہ پر بصیرت افروز اور معلومات افزا گفتگو کی گئی ہے، شروع میں ضیاء الدین احمد صاحب شکیب کے قلم سے ایک مقدمہ بھی ہے اور آخر میں فرہنگ، اشاریہ، اور اس موضوع پر مزید مطالعہ کے لئے مجوزہ کتابوں کی فہرست نے اس کتاب کی افادیت کو چار چاند لگا دیے ہیں، کتابت اور طباعت میں تصحیح کا اہتمام کافی کیا گیا ہے مگر پھر بھی بعض غلطیاں رہ گئی ہیں، مثلاً ص م پر پہلی سطر میں "۱۶۸۳ء" یہ یہ ۱۲۸۳ء ہونا چاہیئے۔

انجمن از جناب حسن الدین احمد صاحب تقطیع متوسط، کتابت و طباعت بہتر، ضخامت ۲۱۲ صفحات، قیمت -/۱۵ پتہ: ولا اکاڈمی، عزیز باغ، سلطانپورہ، حیدرآباد

اس کتاب میں چھبیس حضرات جن سے فاضل مصنف کسی نہ کسی حیثیت سے متاثر ہوئے ہیں ان کے سوانحی خاکے ہیں، ان سب کو ایک جگہ جمع کر کے یہ انجمن سجائی گئی ہے۔ ان شرکاء بزم میں ایسا تنوع ہے کہ صدر جمہوریۂ ہند سے لیکر شاعر، موسیقار، صحافی، صوفی، عالم دین، ادیب، انشاپرداز، معمولی کاروباری، محقق، مصنف، زندہ و مردہ، ملکی و غیر ملکی، ہندو، مسلمان اور عیسائی، بڑے اور چھوٹے، غرض کہ اس انجمن میں رنگ برنگ کی شخصیتیں ہیں مگر ایک وصف انفرادیت ہے جو ان سب میں مشترک ہے، زبان و طرز بیان دلچسپ، شگفتہ اور دل نشین و بیساختہ ہے اور چونکہ یہ خاکے خالص ادبی اور تخیلی نہیں، بلکہ سوانحی اور تاریخی ہیں اس لئے اس میں قابل قدر معلومات بھی ہر صفحہ پر بکھری ہوئی ہیں۔ اس کا مطالعہ ہم خرما و ہم ثواب کا مستحق ہوگا۔

لوگ سہالی سے فرنگی محل منتقل ہو گئے ۔ ملا نظام الدین کی عمر اس وقت ۱۶ و ۱۷ برس کی ہو گی ، انھوں نے تعلیم کی تکمیل یہیں کی اور پھر اپنے گھر میں ہی مدرسہ قائم کر کے درس و تدریس میں مشغول ہو گئے ، علم وفن کی ایک ممتاز درسگاہ کی حیثیت سے فرنگی محل کی شہرت و عظمت جو بقول مولانا سید سلیمان ندوی کے دو سو برس تک قائم رہی ، اس کا نقطۂ آغاز ملا نظام الدین کی یہی مسند درس و تدریس ہے ، یہ کتاب صرف ملا نظام الدین کا تذکرہ نہیں بلکہ ان کی اولاد و احفاد اور ان کے بالواسطہ تلامذہ کا اور ساتھ ہی حضرت شاہ عبدالرزاق بانسوی جو ملا نظام الدین کے پیر و مرشد تھے ، یہ کتاب ان سب حضرات کے تذکروں پر بھی مشتمل ہے جن میں ان کے خاندانی حالات ، علم و فضل ، اخلاق و عادات، علمی اور عملی خدمات ، اور تصنیفات و تالیفات پر سیر حاصل گفتگو کی گئی ہے ۔ جو کچھ لکھا ہے ممکن الحصول مآخذ کی روشنی میں تحقیق سے اور توازن و اعتدال سے لکھا ہے ۔ اس سلسلہ میں بعض اشتباہ انگیز بیانات کی تردید یا ان کی وضاحت بھی کرتے چلے گئے ہیں، البتہ درس نظامی کا باب غیر تسلی بخش ہے ، اس سے ہرگز یہ ثابت نہیں ہوتا کہ جس درس نظامی کا رواج عرصہ سے برصغیر ہند و پاک کے مدارس عربیہ میں ہے اس کے بانی ملا نظام الدین تھے ، کیونکہ اس نصاب میں ملا نظام الدین کے خاندان کے بعض علماء کی لکھی ہوئی منطق کی کتابیں ضرور شامل ہیں، لیکن اس کی ہیئت ترکیبی اس نصاب سے بڑی حد تک مختلف ہے جو فرنگی محل میں رائج تھا ، وہاں سارا زور منطق و فلسفہ پر تھا اور حدیث کی تعلیم برائے نام تھی اور یہاں اگرچہ منطق و فلسفہ کو ضرورت سے زیادہ شامل رکھا گیا ہے ، لیکن پھر بھی زیادہ زور حدیث ، فقہ ، تفسیر اور ان کے علوم پر ہے ، اس بنا پر موجودہ درس نظامی درحقیقت شاہ ولی اللہ الدہلوی اور ملا نظام الدین دونوں کے مکتبہائے فکر کا ایک عکس ہے اول کا زیادہ اور دوسرے کا کم ۔ ہمارا یہ خیال عرصۂ دراز سے ہے اور

فرنگی محلی دونوں کا زمانہ ایک ہے، ایک نے دلی کو اپنے ارشاد وہدایت و درس وموعظت کا مرکز بنایا اور دوسرے نے لکھنؤ میں بساط درس وافاضہ بچھائی، دونوں کی علمی اور دینی خدمات کا غلغلہ ہندوستان سے باہر بھی دور دور تک پہونچا اور پھر ان دونوں بزرگوں کے خاندان بھی ایک عرصہ تک ان کے روایات علم وعمل و افادۂ وافاضہ کے الگ الگ حامل رہے، لیکن اس کے باوجود شاہ ولی اللہ کا نام بچہ بچہ کی زبان پر ہے اور ملا نظام الدین محمد فرنگی محلی سے خواص ہی واقف ہیں، عوام میں ان کا وہ چرچا نہیں، اس صورت حال کے جہاں اور داخلی وخارجی اسباب ہیں ایک سبب یہ بھی ہے کہ اول الذکر کے شخصی و ذاتی اور ان کے اولاد واحفاد کے حالات وسوانح اور ان کے علمی و دینی کارناموں پر مستقل کتابیں کثرت سے لکھی گئی اور شائع ہوئیں اور موخر الذکر پر اب تک کوئی مستقل کتاب شائع نہیں ہوئی تھی، خاندانی تاریخیں متعدد لکھی گئیں لیکن ان کا حصۂ غالب مخطوطات کی شکل میں الماریوں میں بند رہا۔ اس بنا پر بڑی سخت ضرورت تھی کہ بانیٔ درس نظامی کا بھی مبسوط ومفصل تذکرہ لکھا جائے، یہ کتاب اس ضرورت کی باحسنِ وجوہ تکمیل کرتی ہے، لائق مصنف خود اسی خاندان کے ایک فرد ہیں، عالم ہونے کے ساتھ اردو زبان کے شگفتہ نگار اہلِ قلم ہیں، ذوقِ تحقیق فطری ہے اور پھر سب سے بڑی بات یہ کہ خاندان میں جو مخطوطات، فرامین شاہی اور خطوط و دستاویزات وغیرہا محفوظ ہیں وہ سب موصوف کے دسترس میں تھے اس بنا پر اس کتاب کو لکھنے کا حق موصوف سے زیادہ اور کسے ہو سکتا تھا اور اگر کوئی اور لکھتا بھی تو اس کا حق اس طرح ادا نہیں کر سکتا تھا۔

شروع میں بنیادی مآخذ پر روشنی ڈالنے کے بعد کتاب کا آغاز ملا نظام الدین کے والد ماجد ملا قطب الدین شہید کے نہایت دردناک اور وحشیانہ قتل کے واقعہ سے ہوا ہے، اس واقعہ کے بعد اورنگ زیب عالمگیر کی طرف سے خاندان کو فرنگی محل عطا ہوا اور یہ سب

اس کتاب کو پڑھ کر بھی اس پر نظر ثانی کی کوئی وجہ نظر نہیں آتی، بہرحال علمی، تحقیقی اور تاریخی حیثیت سے کتاب لائق قدر اور سزاوار تحسین ہے، امید ہے ارباب ذوق اس کے مطالعہ سے شاد کام ہوں گے۔

ندوة المصنفین دہلی کا علمی و دینی ماہنامہ

مرتبہ

سعید احمد اکبرآبادی

برہان

جلد ۷۵	ماہ ذی قعدہ ۱۳۹۵ھ مطابق نومبر ۱۹۷۵ء	شمارہ ۵

فہرست مضامین

۱۔ نظرات — سعید احمد اکبرآبادی — ۲۵۸

مقالات

۲۔ تعددِ ازدواج ہندستانی مسلمانوں میں ایک مطالعاتی جائزہ — پروفیسر سید انوار الحق صاحب حقی صدر شعبہ سیاسیات مسلم یونیورسٹی علی گڑھ، ترجمہ : عبدالحی فاروقی ایم اے — ۲۶۳

۳۔ نفقۂ مطلقہ سرکاری بل کا جائزہ اور مسئلہ کا حل — مولانا محمد عبداللہ سلیم استاذ دار العلوم دیوبند — ۲۸۱

۴۔ علم منطق ــــ ایک جائزہ — مولانا بدر الزماں نیپالی مرکزی دار العلوم بنارس — ۲۹۳

۵۔ تبصرے — س ع — ۳۱۷

علمارِ ہند کا شاندار ماضی" (تین جلدوں میں) اور "علمارِ حق" (۲ جلدوں میں) ان کے قلم سے نکلیں اور شائع ہوتے ہی اربابِ علم و ذوق کے حلقوں میں مقبول و مشہور ہوگئیں، مشرق و مغرب میں ان سے استفادہ لیا گیا اور ان دونوں کتابوں کی حیثیت "حوالہ کی کتاب" (Reference Book) کی ہوگئی، چنانچہ اس وقت بھی جبکہ یہ سطریں لکھی جارہی ہیں راقم الحروف کی میز پر کنیڈا کے زمانۂ قیام کے اپنے شاگرد ڈاکٹر یوحنا فریڈمان پروفیسر عبرانی یونیورسٹی، یروشلم کا ایک خط رکھا ہوا ہے جس میں انھوں نے مولانا مرحوم کی بعض کتابوں سے متعلق استفسار کیا ہے، اس سے پہلے انھیں کی نگرانی میں مرتب کی ہوئی ایک کتاب "عہدِ حاضر کے علمائے اسلام" کے نام سے انگریزی میں یروشلم یونیورسٹی سے شائع ہوچکی ہے جس پر راقم الحروف کا تبصرہ اسلامک کلچر، حیدرآباد میں نکل چکا ہے، اس کتاب میں بھی کئی جگہ مولانا مرحوم کی ان کتابوں کے حوالے موجود ہیں۔

تقسیم کے بعد ملک میں جو حالات پیدا ہوئے انھوں نے بہت سے شیرانِ بیشۂ شجاعت و قوم پروری کو دل شکستہ و بیزار کر کے عملی سیاسیات سے ترکِ تعلق پر مجبور کر دیا۔ مرحوم بھی انھیں میں سے تھے، لیکن جب تک مولانا حفظ الرحمٰن صاحب حیات رہے وہ جمعیت سے لگے چمٹے رہے اور اس دور میں انھوں نے ایک بڑا کام یہ کیا کہ جمعیت کے منصوبۂ دینی تعلیم کے ماتحت مکاتب کے لئے ایک اعلیٰ درجہ کا نصابِ تعلیم مرتب کر کے اس کے مطابق بچوں اور بچیوں کے لئے کتابیں لکھ ڈالیں جو گھر گھر مقبول ہوئیں اور مشہور ہوگئیں، ۱۹۶۲ء میں مولانا حفظ الرحمٰن خدا کو پیارے ہوئے تو کچھ دنوں کے بعد مولانا سید محمد میاں جمعیت علما کی نظامتِ اعلیٰ سے مستعفی ہو کر خانہ نشین ہوگئے اور اب انھوں نے اپنے تئیں درس و تدریس، تصنیف و تالیف، افتار اور رکن مجلس شوریٰ کی حیثیت سے دارالعلوم دیوبند کی خدمت کے لئے ہمہ تن وقف کر دیا، اس زمانہ میں مدرسۂ امینیہ دہلی میں شیخ الحدیث کی حیثیت سے حدیث کا درس دیتے رہے اور سیرت اور دوسرے دینی و تاریخی موضوعات پر متعدد چھوٹی بڑی کتابیں تصنیف کیں جو اُن کے قبائے علم و فضل کا تکمۂ زریں ہیں، لکھنے پر مولانا کو اس درجہ قدرت تھی کہ

نظرات

افسوس ہے ہماری انجمن علم وعمل کی ایک اور شمع روشن بجھ گئی، یعنی مولانا سید محمد میاں نے مختصر علالت کے بعد ۷۴ برس کی عمر میں ۲۲ر اکتوبر کو عین مغرب کے وقت اروِن ہسپتال میں داعی اجل کو لبیک کہا اور راہی ملک بقا ہو گئے، اناللہ وانا الیہ راجعون۔ مولانا گوناگوں علمی وعملی کمالات کے جو ایک شخص میں شاذ و نادر ہی جمع ہوتے ہیں جامع تھے، ایک طرف وہ بلند پایہ عالم، فقیہ و محدث تھے دوسری طرف جنگ حریت و آزادی کے نہایت بہادر اور بے خوف سپاہی، ایک طرف مورخ ومحقق اور کثیر التصانیف مصنف، اور دوسری جانب اعلیٰ دفتری اور تنظیمی صلاحیتوں کے مالک، ایک طرف عابد شب زندہ دار اور دوسری طرف نہایت متواضع اور خلیق وملنسار، بے لوث و بے غرض، نام ونمود سے دور، شہرت و وجاہت طلبی سے نفور، نرم دم گفتار اور گرم بوقتِ پیکار، مرحوم دیوبند کے سادات رضوی سے تعلق رکھتے تھے اس لئے دیوبند میں پیدا ہوئے اور وہیں از اول تا آخر تعلیم حاصل کی، فراغت کے بعد بعض مقامات پر مدرس رہے مگر پھر جمعیت علماء سے وابستہ ہوئے تو اسی کے ہو کر رہ گئے، وہ مولانا حفظ الرحمٰن سیوہاروی رحمۃ اللہ علیہ کے دستِ راست تھے، اس سلسلے میں کئی مرتبہ جیل بھی گئے، باتیں کم کرتے تھے اور کام زیادہ، نہایت سمجھ بوجھ اور ہوش وگوش کے انسان تھے اور نہایت چست اور مستعد، حقیقت یہ ہے کہ جمعیت کے دفتری نظم ونسق کا بھرم ان کے دم سے قائم تھا۔ اگرچہ ایک عرصہ سے درس وتدریس کا باقاعدہ سلسلہ نہیں رہا تھا لیکن مطالعۂ کتب اور تصنیف وتالیف کا ذوق فطری تھا اس بنا پر جمعیت علماء کی ہنگامہ خیز اور شبانہ روز مصروفیات کے باوجود وہ پابندی سے اس میں بھی لگے رہے، چنانچہ اسی زمانہ میں دو کتابیں

خط ہے، ورنہ اس کے جواب میں مکتوب الیہ خود لاہور پہونچنے کی کوشش کرتا۔ یہ عجب شرط دوستی
و وفاداری ہے اے دوست کہ ادھر یہ تمنا اور ادھر یہ بے رخی کہ

جاتے ہوئے کہتے ہو قیامت میں ملیں گے
کیا خوب قیامت کا ہے گویا کوئی دن اور

مولانا ابوالکلام آزاد اور مولانا حفظ الرحمٰن کے نام کے عاشق تھے، مجھ سے اکثر شکایت کرتے تھے
کہ برہان نے ان دونوں کا حق ادا نہیں کیا۔ اب ایسے پیکر اخلاص و وفا دوست کہاں ملیں گے!
اللھم اغفر لہٗ وارحمہٗ۔

جیسا کہ توقع تھی ندوۃ العلماء کا ۸۵ سالہ جشن، از ۳۱ر اکتوبر تا ۳ر نومبر نہایت کامیاب اور شاندار
رہا۔ ہندوستان کے پانچ ہزار ڈیلی گیٹوں کے علاوہ ستّو کے لگ بھگ بیرونی ممالک کے جن میں اکثریت
عظمیٰ عرب ممالک کی تھی، ان کے علماء اور نامور حضرات نے شرکت کی، شیخ ازہر ڈاکٹر عبدالحلیم محمود
نے صدارت کی۔ عرب آج کل ساری دنیا کے لئے مرکز توجہ بنے ہوئے ہیں، مسلمانوں کے لئے کیوں
نہ تھے، اگرچہ اکثر و بیشتر تقریریں عربی میں ہوئیں اور ان کا بروقت ترجمہ بھی ہوتا رہا۔ مگر ایک سیشن
میں ان کا ترجمہ نہیں ہوا، مگر اس کے باوجود نہایت شاندار اور وسیع پنڈال میں بیٹھے ہوئے
ہزاروں انسانوں میں سے ایک شخص بھی اپنی جگہ سے ٹس سے مس نہیں ہوا، یہ عربی کے ساتھ مسلمانوں
کی غیر معمولی محبت کی دلیل اور قرآن مجید کی تلاوت کو اسے سمجھے بغیر سننے کی عادت کا نتیجہ ہے، پھر
عرب حضرات نے اپنی خدا داد خطابت وطلاقت لسانی کے جو جوہر دکھائے ہیں اُس کی وجہ سے
معلوم ہوتا تھا کہ ساری فضا جھوم رہی ہے۔ غرض کہ یہ اجتماع ہندوستان کی تاریخ میں اپنی
نوعیت کا پہلا اجتماع تھا جس کے اثرات بہت دور رس، دیرپا، اور عظیم ہوں گے، مولانا
ابوالحسن علی اس جرأتِ اقدام پر اور ان کے رفقاء اس کے اہتمام وحسن انتظام کے لائق صد مبارکباد
ہیں۔ اتنی بڑی کانفرنس کے اہتمام و انتظام میں کچھ کوتاہیاں نہ ہوں، یہ ناممکن ہے، اس لئے

جب چاہتے بے تکلف لکھتے اور لکھتے ہی چلے جاتے تھے، قلم انھیں اس درجہ عزیز تھا کہ وفات سے دو دن پہلے بھی وہ ایک مضمون لکھنے کا ارادہ کر رہے تھے، درس و تدریس اور تصنیف و تالیف کی ہمہ گیر مصروفیتوں، جسمانی اسقام و عوارض اور کبرسن کے باعث ضعف و اضمحلال کے باوجود کیا مجال کہ ان کے معمولات عبادت و اوراد و وظائف میں کوئی فرق آجائے، وہ چلے گئے اور نئی نسل کے لئے اخلاص و عمل، جد و جہد اور اعلیٰ اقدار حیات کے لئے ہمہ تن سعی و کوشش کی ایک مثال قائم کر گئے، رحمۃ اللہ رحمۃً واسعۃً۔

مولانا محمد میاں کے ماتم میں ابھی اشک غم دیدۂ پرنم میں خشک بھی نہیں ہوئے تھے کہ اچانک لاہور سے آغا شورش کاشمیری کے انتقال پر ملال کی خبر ملی اور جی دھک سے ہو کر رہ گیا۔ اردو صحافت و جرنلزم کی تاریخ میں دبستان ظفر علی خاں نے پنجاب میں ارباب قلم اور اصحاب شعر و ادب کی جو ایک نہایت عظیم الشان اور نامور نسل پیدا کی ہے مرحوم اس کے گل سرسبد تھے، نوعمری میں ہی قومی اور ملی تحریکات میں سرگرمی اور جوش کے ساتھ عملاً شریک ہو جانے کے باعث تعلیم کبھی ڈھنگ سے نہیں پائی اور نہ اس کی تکمیل کی، لیکن تحریر و تقریر کا ملکہ خداداد تھا، مولانا ظفر علی خاں، سید عطاء اللہ شاہ بخاری اور دوسرے زعمائے مجلس احرار نے اس کو جلا دی، نتیجہ یہ ہوا کہ اردو زبان کے منفرد صحافی، ادیب، بلند پایہ زود گو شاعر اور شعلہ بیان خطیب و مقرر بن گئے، ان کو نثر و نظم دونوں پر بلا کی قدرت تھی اور دونوں میں خطابت کا رنگ جھلکتا تھا، اس اعتبار سے ان کے عبقری ہونے میں کوئی شبہ نہیں ہے، ان اوصاف و کمالات کے ساتھ اگر ان میں مصلحت پسندی بھی ہوتی تو ان کے لئے کیا کچھ نہیں تھا، لیکن انھوں نے اصحاب دار و رسن کی راہ اختیار کی اور اس جوش و جذبہ کے ساتھ کہ عمر عزیز کا ایک بڑا حصہ قید و بند میں گذارنا پڑا۔ ابھی چند ماہ پہلے اُن کا محبت نامہ جو اڈیٹر برہان کے نام آیا تھا اس میں بڑی حسرت سے لکھا تھا: "اس قید و بند نے مجھے کہیں کا نہیں رکھا، اور مجھ میں کچھ نہیں رہا، تمنا ہے کہ زندگی میں ایک بار آپ کو اور دیکھ لوں۔" کیا خبر تھی کہ مرحوم کا یہ آخری

تعدد ازدواج ہندوستانی مسلمانوں میں
ایک مطالعاتی جائزہ

پروفیسر سید انوار الحق حقی صدر شعبہ سیاسیات مسلم یونیورسٹی علی گڑھ

ترجمہ : عبدالحی فاروقی ایم اے

تعدد ازدواج یعنی ایک شخص کا بہ یک وقت ایک سے زائد بیویوں کا رکھنا عام طور سے مسلم تہذیب و تمدن کا ایک لازمی خاصہ سمجھا جاتا ہے اور بعض اوقات کچھ کھلے دماغ رکھنے والے حضرات بھی اپنی عدم واقفیت کی بنا پر یہ سمجھ بیٹھے ہیں کہ ہندوستانی مسلمانوں کی اکثریت تعدد ازدواج کی حامی ہے حالانکہ تعددِ ازدواج کا جواز کچھ شرائط اور متعینہ حدود کے ساتھ اسلام میں رکھا گیا ہے مثلاً سماج کی اعلیٰ قدروں کی حفاظت ونشوونما اور معاشرے میں آزاد جنسی تعلقات کی روک تھام کے خیال سے اس کی اجازت دی گئی ہے[۱]۔ یہ مسئلہ وقتی حالات میں صرف ایک اجازت کی حیثیت رکھتا ہے کوئی لازمی اور ضروری چیز نہیں ہے کہ جس کے اوپر عمل کرنا ہر ایک کے لئے ضروری ہو۔ اس کے علاوہ مسلمانوں کی تہذیب میں اس کی کوئی اہمیت بھی نہیں ہے جیسا کہ عام طور پر سمجھا جاتا ہے۔ بقول ولیسٹر مارک (Wester mark) "ایک سے زائد بیویوں کے رکھنے کی اجازت بعض قدیم لوگوں میں بھی تھی اور ہمارے زمانے میں بھی (۱۹۴۳ء) مختلف ترقی یافتہ قوموں میں اور بیش تر غیر متمدن اقوام میں اس کا رواج ہے"[۲]۔ مزید برآں کپاڈیا[۳] (Kapadia) اور ولوالکر[۴] (Valvalkar) کے مطابق ہندوؤں میں بھی خاندانی نسل کی بقا کے لئے اور

اُن کے ذکر کا یہ موقع نہیں ہے۔

افسوس ہے بعض غیر معمولی مصروفیتوں کے باعث برہان کی یہ اشاعت غزوات وسرایا کی قسط سے خالی جارہی ہے۔

ن مطالبات کو منظور کرنے سے اس بنیاد پر گریزاں رہی ہے کہ مسلم عوام اس کو پسند نہیں کرتے
نیز یہ کہ مذکورہ اصلاحات کا مطالبہ خود متعلقہ فرقہ کی طرف سے پیش کیا جانا چاہیئے۔

اب آجکل یہ قضیہ سیاست کی نظر ہو جانے سے کافی حد تک ایک جذباتی مسئلہ بن گیا ہے اور
اس سلسلہ میں جو کچھ کہا جاتا ہے وہ یا تو زیادہ تر نظریاتی بنیادوں پر مبنی ہوتا ہے مثلاً جنسی مساوات
وغیرہ، یا پھر مذہبی نقطۂ نظر سے بحث کی جاتی ہے وہ اس لئے کہ مسلم پرسنل لا کا تعلق شریعت
اسلامیہ سے ہے، اور یا پھر تہذیبی و اقتصادی اثرات کی روشنی میں گفتگو کی جاتی ہے کیونکہ
پرسنل لا کے اثرات مسلمانوں کے تہذیبی و اقتصادی حالات پر بھی پڑتے ہیں۔ لہذا ہم نے
(مندرجہ بالا نقطۂ نظر سے ہٹ کر) غیر جانبدارانہ حیثیت سے اس مسئلہ پر صرف ایک مقصد کو
سامنے رکھکر مطالعہ کیا ہے کہ مسلمانوں میں تعددِ ازدواج کا رواج کس حد تک ہے؟ ہمارے
اس تحقیقی مطالعہ کے مختلف مقاصد تھے مثلاً یہ کہ مسئلہ کی وسعت اور اس کی اہمیت کا اندازہ
لگانا دوسرے ان حالات اور عوامل کا پتہ چلانا جن کی بدولت مسلمانوں میں تعدد ازدواج کی
ضرورت محسوس کی جاتی ہے، تیسرے یہ معلوم کرنا کہ آیا مسلمانوں کے اندر دو شادیوں
(Bigamy) کا رواج زیادہ ہے یا دو سے زائد (Polygamy) کا۔ اور آخر میں اپنی
ان تحقیقات کی بنیاد پر یہ فیصلہ کرنا کہ آیا اس مسئلہ کے حل کے لئے کوئی قانون وضع کرنا ضروری
ہے کہ نہیں؟

طریقۂ تحقیق اس تحقیق کے پیش نظر مختلف وجوہ کی بنا پر علی گڑھ شہر کو منتخب کیا گیا جس میں پہلی وجہ
یہ ہے کہ یہ جگہ ہماری تحقیقات کے لئے بہت آسان ہے، دوم اگرچہ علی گڑھ
کوئی بڑا شہر نہیں ہے (اس کی آبادی ۲ لاکھ ۵۲ ہزار ۳ سو چودہ ہے) پھر بھی یہ اسلامی علوم و
فنون اور تہذیب و تمدن کے لحاظ سے ایک عظیم مرکز کی حیثیت رکھتا ہے، مزید برآں یہاں
کی مسلم آبادی مجموعی طور پر ۳۳ فیصدی سے زائد ہے، تیسرے یہ کہ یہاں کے مسلمان ملک کے
مختلف علاقوں سے تعلق رکھتے ہیں اس طرح سے یہاں کی مسلم آبادی ملک کے مختلف الخیال اور

اولادِ نرینہ کی خواہش میں ایک سے زائد بیویوں کے رکھنے کی اجازت ہے۔ ابھی حال ہی میں ہندوستان کی شہری آبادی کے ایک سروے رپورٹ سے یہ بات واضح ہوئی ہے کہ [۵]

(الف) چند زوجیت (Polygamy) کا چلن اب بھی شہریوں میں بلا امتیاز مذہب وملت ان کی ایک تہذیبی خصوصیت کی حیثیت سے قائم ہے (ب) آسام کے علاوہ باقی ہندوستان کے ہر شہر میں اس کا رواج ہے (ج) کانوں میں کام کرنے والے مزدوروں کے علاوہ سماج کے ہر طبقہ میں اس کا چلن ہے (د) باوجود ہندو میرج ایکٹ [۶] کے تعددِ ازدواج کے لحاظ سے ہندوؤں کی تعداد ۲ء۷ فیصدی ہے اور تقریباً ہر ایک ہزار شادی شدہ ہندوؤں میں سات افراد ایسے ہیں جو ایک سے زائد بیویاں رکھتے ہیں۔

اغراض ومقاصد

ہندوستان کی مجموعی آبادی میں مسلم آبادی ۱۲ فیصدی ہے جو دنیا میں تیسری بڑی آبادی ہے اور اس کے معتقدات ورسم ورواج ہندوستانی تہذیب کا ایک اہم جزو ہیں۔ وہ مختلف النوع ہونے کے باوجود یک رنگی کے ساتھ ہمیشہ سے اثر انداز ہوتے رہے ہیں اور امید ہے کہ آئندہ بھی ہوتے رہیں گے۔ چند زوجیت (Polygamy) کو ہندوستان میں عہد قدیم سے اب تک ایک سماجی رسم ورواج کی حیثیت سے تسلیم کیا جاتا رہا ہے، ہندو کوڈ بل کے نفاذ اور مغربی تحریک آزادئ نسواں کے اثرات کی وجہ سے تعددِ ازدواج کا مسئلہ جو مسلم معاشرے میں ایک جائز قانونی حیثیت رکھتا ہے وہ خاصی حد تک ہندوستان میں آجکل معرض بحث بنا ہوا ہے [۷]۔ عام طور سے اپوزیشن پارٹیوں کی طرف سے بالخصوص جن سنگھ اور اس جیسے نظریات کے حامل افراد کی جانب سے اس بات کا برابر مطالبہ ہوتا رہتا ہے کہ ہندو کوڈ بل کے طرز پر مسلم پرسنل لا میں بھی اصلاحات کے لئے کوئی قانون بنایا جائے۔ اس بات کا مقصد خاص طور سے یہ ہوتا ہے کہ ہندوستانی مسلمانوں کے ایک سے زائد شادیوں کے حق کو ممنوع قرار دیا جا سکے۔ ان مطالبات کے خلاف مسلم عوام اور مسلم جماعتوں کی جانب سے برابر احتجاج کیا جاتا رہا ہے کیونکہ یہ ان کے مذہبی امور میں مداخلت کے مترادف ہے۔ حکومت ہند اب تک

اعداد و شمار

بنیادی طور پر ہمارے سامنے ۱۱۹ کیس تھے جن میں سے صرف ۱۰۰ کیس کے اعداد و شمار دستیاب ہو سکے باقی کے متعلق یا تو ہمیں معلومات مہیا نہ ہو سکیں یا انھوں نے ہمارے ساتھ تعاون نہیں کیا لہٰذا ہمارا خیال ہے کہ ۱۱۹ میں صرف ۱۰۰ کیس کے (۳۱۴ افراد شادی شدہ جوڑے) اعداد و شمار ہمارے اس مقصد کے لئے بہت کافی ہیں اور فن اعداد و شمار (Statistics) کی رو سے آسان بھی ہیں۔

اس مسئلہ کا تجزیہ کرنے کے لئے معاشرتی نوتی پیدائشی (Demographic) اعداد و شمار کو پیش نظر رکھ کے پیشہ آمدنی، پہلی شادی کے وقت کی عمر، اسی طرح دوسری شادی کے وقت کی عمر، بیویوں کی عمریں اور ان کی تعلیم اور دوسری شادی کے بعد پہلی بیوی کی حیثیت کے بارے میں اطلاعات فراہم کی گئی ہیں۔

پیشہ کے لحاظ سے (پورے سماج کے) چار طبقے کئے گئے ہیں مثلاً ملازمت، صنعت و تجارت، زراعت اور دیگر ذرائع آمدنی وغیرہ جیسے وکالت، طبابت، خیاطی اور حلاقی وغیرہ۔ آمدنی کے لحاظ سے بھی چار طبقے کئے گئے ہیں، جیسے والدین کی کفالت ۱۰۰ روپیہ ماہوار یا اس سے کم، ۱۰۰ سے ۵۰۰ روپیہ تک اور ۵۰۱ روپیہ سے زائد۔ مزید برآں پہلی اور دوسری شادی کے وقت کی آمدنی اور خود بیویوں کی آمدنی کے بارے میں بھی معلومات حاصل کی گئی ہیں۔ ان حالات اور مجبوریوں کا بھی پوری طرح سے تجزیہ کیا گیا ہے جن کی وجہ سے شوہروں کو دوسری شادی کرنا پڑی ہے اس میں بھی آمدنی، عمر اور تعلیم کا لحاظ رکھا گیا ہے۔

تعلیم کے لحاظ سے بھی چار طبقے ہیں اول بالکل ان پڑھ، دوم جزوی تعلیم، سوم ثانوی درجات تک کی تعلیم اور چہارم گریجویٹ یا اس سے زائد تعلیم۔ شوہر کی عمروں کے بارے میں معلومات حاصل کرنے کے لئے مختلف معیار کو سامنے رکھا گیا ہے، مثلاً پہلی شادی کے وقت کیا عمر تھی پھر دوسری شادی کے وقت کیا عمر ہوئی اور اب موجودہ عمر کیا ہے۔ لیکن بیویوں کی عمریں صرف وہ دکھلائی گئی ہیں جو ان کی شادی کے وقت تھیں، عمر کے لحاظ سے بھی مردوں کے پانچ طبقے

مختلف طرز معاشرت رکھنے والے افراد مثلاً انجینیر، ڈاکٹر، علمار، دستکار، اَن پڑھ رکشہ کھینچنے والے، خوانچہ فروش، جھونپڑیوں میں رہنے والے نقیر، افلاس کی زندگی بسر کرنے والے اور اسی کے ساتھ ساتھ وہ لوگ بھی جو چھوٹے چھوٹے کارخانہ دار ہیں، پولٹری فارم کے مالک ہیں اور اونچے وسائل آمدنی رکھتے ہیں اس قسم کے افراد پر مشتمل ہے۔ اور چوتھی وجہ جو سب سے اہم ہے وہ یہ کہ اس مسئلۂ خصوصی کی تحقیق کرنے والا شخص ایک علمی شخصیت رکھتا ہے وہ اپنی معلومات حاصل کرنے کے لئے ہر متعلقہ فرد سے انفرادی طور پر واقفیت رکھتا ہے اس طرح اس نے زیادہ سے زیادہ قابلِ اعتماد معلومات فراہم کی ہیں۔

یہ تحقیقاتی کام ۱۹۷۱ء میں شروع کیا گیا تھا اور ۱۹۷۳ء میں اختتام پذیر ہوا۔ یہ تین سال یا اس سے کچھ زائد کا وقفہ کسی ایک شہر اور ایک مخصوص طبقہ کی جانچ پڑتال کے لئے بہت کافی ہوتا ہے لیکن تحقیقات اور جانچ پڑتال کی نوعیت ہی کچھ اس قسم کی تھی کہ جس کی بنا پر اتنی زیادہ مدت درکار ہوئی۔ اس سلسلہ میں ہم نے صرف سرسری مطالعہ نہیں کیا ہے بلکہ اس موضوع کے ہر پہلو کا بھرپور جائزہ لیا ہے چنانچہ اس مقصد کے تحت ہم نے محلہ محلہ اور گلی گلی میں ان شادی شدہ جوڑوں کا انتخاب کیا ہے جن کی بیویاں زندہ ہیں اور ایک ساتھ رہتی ہیں، اس کے علاوہ ہر ہر کیس کی بار بار چیکنگ کی گئی ہے کیونکہ بعض معاملات میں یہ پتہ چلا کہ ابتدائی معلومات محض افواہ پر ہی مبنی تھیں یا وہ بعد میں سرے سے حقائق کے برخلاف ثابت ہوئیں۔

اگرچہ ہماری معلومات کا انحصار اس سوالنامہ پر تھا جس کو پہلے ہی اچھی طرح جانچ پرکھ لیا گیا تھا مگر پھر بھی ہم نے اپنے وسائل کو اسی حد تک محدود نہیں رکھا بلکہ ہم نے ہر کیس میں ہر شخص سے ذاتی طور پر بات چیت کی پھر اس کے بعد حاصل شدہ اطلاعات کی آزادانہ طریقہ سے متعلقہ پڑوسیوں، دوستوں، رشتہ داروں اور مقامی سوشل ورکروں سے بھی تصدیق و تحقیق کی۔ تمام امور نہایت احتیاط سے انجام دیئے گئے ہیں تاکہ کسی کے جذبات مجروح نہ ہوں اور ہماری ثقاہت پر بھی آنچ نہ آنے پائے۔

تھے جن کا انحصار دوسری شادی کے وقت بھی ان کے والدین پر تھا۔ باقی افراد عام طور سے مالی اعتبار سے بہتر حالت میں تھے۔

خاکہ ۲

آمدنی کے لحاظ سے تقسیم

آمدنی	پہلی شادی کے وقت	دوسری شادی کے وقت
۱۔ ۱۰۰ روپیہ ماہوار سے کم	۲۵	۱۱
۲۔ ۱۰۱ سے ۵۰۰ روپیہ ماہوار تک	۳۶	۶۵
۳۔ ۵۰۱ روپیہ سے زائد	۰۶	۲۲
۴۔ والدین پر انحصاز	۳۳	۰۲
میزان	۱۰۰	۱۰۰

۳۔ ایک سے زائد بیویوں والے لوگ کسی حد تک کم تعلیم یافتہ لوگوں میں پائے جاتے ہیں۔ ناخواندہ لوگوں کی تعداد صرف ۱۲ ہے جبکہ آدھے سے زائد متعدد بیویوں والے شوہر کم پڑھے لکھے ہیں جن کی تعلیم پرائمری درجات سے زائد نہیں ہے۔ یہی دونوں طبقے (خواندہ اور ناخواندہ) تعدد ازدواج کے ذمہ دار ہیں جن کا تناسب ۷۰ فیصدی سے کم نہیں ہے، باقی افراد کی تعلیم ہائیر سکنڈری یا اس کے مساوی درجات سے زیادہ ہے جو لوگ اس سے بھی زائد تعلیم یافتہ ہیں ان کی تعداد صرف ۱۰ ہے۔

خاکہ ۳

تعلیم کے لحاظ سے افراد کی تقسیم

تعلیمی معیار	تعداد
۱۔ ناخواندہ	۱۲
۲۔ پرائمری درجات تک	۵۸

کئے گئے ہیں مثلاً ۱۵ سال سے کم، پھر ۱۵ سے ۱۶ سال، ۱۶ سال سے ۲۰ سال تک، ۲۱ سال سے ۲۵ سال تک، ۲۶ سے ۳۰ سال تک اور پھر ۳۱ سال یا اس سے زائد۔ موجودہ عمر کے بھی پانچ زمرے ہیں، مثلاً ۳۰ سال سے کم، ۳۱ سے ۴۰ سال تک، ۴۱ سال سے ۵۰ سال تک ۵۱ سے ۶۰ سال تک اور پھر ۶۱ سال یا اس سے زائد۔ پہلی اور دوسری شادی کے درمیانی وقفہ کو بھی علیحدہ علیحدہ پانچ طبقوں میں ظاہر کیا گیا ہے مثلاً ۵ سال سے کم، ۶ سے ۱۰ سال تک، ۱۲ سے ۱۵ سال تک، ۱۶ سے ۲۰ سال تک اور پھر ۲۱ سال یا اس سے زائد۔

تجزیہ کا نتیجہ

۱۔ ہندوستانی مسلمانوں میں تعدد ازدواج عام طور سے رواج پذیر نہیں ہے۔ پھر بھی اس کا وجود (کسی حد تک) ان میں ضرور موجود ہے، خاص طور سے وہ لوگ تعدد ازدواج پر عامل ہیں جو صنعت وتجارت کے طبقے سے تعلق رکھتے ہیں، ان کا تناسب ۴۹ فیصد ہے اس کے بعد ملازم پیشہ لوگ ہیں جن کا تناسب ۳۲ فیصد ہے جبکہ زراعت سے تعلق رکھنے والے صرف ۴ فیصد افراد ہیں۔

خاکہ ۱

پیشہ کے لحاظ سے افراد کی تعداد

	پیشہ	تعداد
۱۔	ملازمت	۳۲
۲۔	صنعت وتجارت	۴۹
۳۔	زراعت	۴
۴۔	دستکار	۱۵
	میزان	۱۰۰

۲۔ آمدنی کے لحاظ سے مردوں کا تجزیہ کرنے سے یہ پتہ چلتا ہے کہ ۱/۳ یعنی ۳۳ فیصدی سے بھی کم ایسے لوگ ہیں جن کا بار پہلی شادی کے وقت والدین پر تھا لیکن دو کیس ایسے بھی

۱۰ میں صرف ۳۵ ہے۔ کل ۱۰ واقعات ایسے ہوئے ہیں جن میں دوسری شادی ۵ سال کے اندر ہی ہوئی ہے، اسی طرح ۱۱ سے ۱۵ سال کے فصل سے ۲۴، ۱۶ سے ۲۰ سال کے فصل سے ۱۶ اور ۲۰ سال سے زائد فصل کے ۱۵ واقعات ہوئے ہیں۔

خاکہ ۴

(الف)

مردوں کی موجودہ عمر کے لحاظ سے

	عمر	تعداد
۱۔	۳۰ سال سے کم	۹
۲۔	۳۱ سے ۴۰ سال	۲۸
۳۔	۴۱ سے ۵۰ سال	۳۵
۴۔	۵۱ سے ۶۰ سال	۱۷
۵۔	۶۰ سال سے زائد	۱۱
	میزان	۱۰۰

خاکہ ۴

(ب)

پہلی شادی کے وقت مردوں کی عمریں

	عمر	تعداد
۱۔	۱۵ سال سے کم	۹
۲۔	۱۶ سے ۲۰ سال کے درمیان	۵۵
۳۔	۲۱ سے ۲۵ سال کے درمیان	۲۶
۴۔	۲۶ سے ۳۰ سال کے درمیان	۸

۳۔	ہائیر سکنڈری تک	۲۰
۴۔	اس سے زائد	۱۰
	میزان	۱۰۰

تجزیہ سے ظاہر ہوتا ہے کہ کم عمری یا بڑھاپے کی شادیوں کا رواج عام طور سے مسلمانوں نہیں پایا جاتا ہے چنانچہ ۱۰۰ میں صرف ۹ شادیاں ۱۵ سال سے کم عمر میں ہوئیں اور صرف ۲ شادیاں زیادہ عمر یعنی ۲۶ سال کی عمر میں ہوئیں زیادہ تر رشتۂ ازدواج ۱۶ و ۲۰ سال اور ۲۱ و ۲۵ سال کے درمیان میں ہوا جس کا تناسب ۸۱٪ ہوتا ہے اس کے بعد جوں جوں عمر بڑھتی جاتی ہے یہ رجحان کم ہوتا جاتا ہے۔ نکاح ثانی کے واقعات عام طور سے ۲۶ سے ۳۰ سال، ۳۱ سے ۳۵ سال اور ۳۵ سے ۴۰ سال کے درمیان ہوئے ہیں جن کی تعداد علی الترتیب ۳۲، ۲۴ اور ۲۰ افراد ہے۔ ان کا تناسب ریکارڈ شدہ واقعات میں ۷۶٪ ہے۔ صرف ایک ہی واقعہ ایسا ہے جہاں کہ نکاح ثانی ۲۰ سال سے کم عمر میں کیا گیا ہے اور وہ بھی صرف ایک ہی واقعہ ہے جہاں کہ نکاح ثانی مرد نے ۵۱ سال سے زائد کی عمر میں کیا ہے۔

خواتین میں بھی شادی کی عمریں زیادہ تر ۱۶ سے ۲۰ سال کے درمیان میں پائی گئی ہیں۔ عمر کے اس زمرے میں پہلی شادی کے ۶۲ اور دوسری شادی کے ۴۴ واقعات ہوئے ہیں، نکاح ثانی کے واقعات ۲۱ سے ۲۵ سال کی عمر میں ۲۴، اور ۲۶ سے ۳۰ سال کی عمر میں ۱۷ ہوئے ہیں۔ ایسی خواتین جن کی شادی ۱۵ سال سے کم عمر میں ہوئی ہے ان کی تعداد ۱۳ ہے لیکن نکاح ثانی کے وقت مذکورہ عمر والی خواتین کی تعداد کوئی قابل ذکر نہیں ہے یعنی صرف ۶ ہے، ایسے ہی ۳۱ سال یا اس سے زائد عمر والی خواتین کی تعداد بھی بہت کم ہے یعنی صرف ۷ عدد ہے۔

۲ جہاں تک پہلی اور دوسری شادی کے درمیانی وقفہ کا تعلق ہے یہ پتہ چلتا ہے کہ زیادہ تر دوسری شادیاں پہلی شادی کے ۶ سے ۱۰ سال بعد کے عرصہ میں ہوئی ہیں جن کی تعداد

خاکہ ۴

(س)

پہلی اور دوسری شادی کی درمیانی مدت

	وقفہ	تعداد
۱۔	۵ سال سے کم	۱۰
۲۔	۶ سے ۱۰ سال کے درمیان	۳۵
۳۔	۱۱ سے ۱۵ سال کے درمیان	۲۴
۴۔	۱۶ سے ۲۰ سال کے درمیان	۱۶
۵۔	۲۱ سال یا اس سے زائد	۱۵
	میزان	۱۰۰

پہلی بیوی کی بود و باش اور طرزِ رہائش پر دوسری شادی کے اثرات کا جائزہ لینے سے پتہ چلا کہ (الف) ۶۷ میں سے ۲ بیویاں وہ تھیں جو ایک ہی مکان میں رہتی تھیں۔ (ب) ۱۹ بیویوں نے پہلی یا دوسری بیوی ہونے کی حیثیت سے ایک دوسرے سے الگ رہنا پسند کیا اور ان کے لئے ان کے شوہروں کو الگ انتظام کرنا پڑا۔ (ج) ۱۱ خواتین نے جو پہلی بیوی کی حیثیت سے تھیں انھوں نے شوہر سے الگ ہو کر اپنے والدین یا سسرال والوں کے ساتھ رہنا پسند کیا۔

دوسری شادی یا دوسری بیوی کے آجانے سے پہلی بیوی کی زندگی کی امنگوں پر کوئی منفی اثر مرتب نہیں ہوتا ہے، صرف ۱۴ کیس ایسے پائے گئے ہیں جن میں پہلی بیوی دوسری شادی کے بعد انتقال کر گئی اور ۱۳ بیویاں وہ تھیں جو امراض مزمنہ کا شکار تھیں، پہلی بیوی کے انتقال اور دوسری شادی کا درمیانی وقفہ کچھ اس طرح سے ہے مثلاً ۲ کا انتقال ۵ سال کی مدت میں ہو گیا، ۵ کا ۵ سے ۱۰ سال کی مدت میں ہوا، ....

۵۔	۳۱ سال سے زائد	۲
	میزان	۱۰۰

خاکہ ۴

(ج)

دوسری شادی کے وقت کی عمریں

	عمر	تعداد
۱۔	۲۵ سال سے کم	۱۱
۲۔	۲۶ سے ۳۵ سال کے درمیان	۵۶
۳۔	۳۶ سے ۴۰ سال کے درمیان	۲۰
۴۔	۴۱ سے ۴۵ سال کے درمیان	۱۰
۵۔	۴۶ سال سے زائد	۳
	میزان	۱۰۰

خاکہ ۴

(د)

پہلی بیوی/شوہر کی عمر اور دوسری بیوی/شوہر کی عمر کے لحاظ سے

	عمر	پہلی بیوی/شوہر	دوسری بیوی/شوہر
۱۔	۱۵ سال سے کم	۳۱	۶
۲۔	۱۶ سے ۲۰ سال کے درمیان	۶۲	۴۶
۳۔	۲۱ سے ۲۵ سال کے درمیان	۴	۲۴
۴۔	۲۶ سے ۳۰ سال کے درمیان	۲	۱۷
۵۔	۳۱ سال یا اس سے زائد	۱	۷
	میزان	۱۰۰	۱۰۰

بہ حیثیت مشروط تغیر پذیر عوامل کے، باہم کوئی نسبت رکھتے ہیں ؟ گو کہ یہ نسبت اب تک معلوم نہیں ہے۔

خاکہ ۵

(الف)

دوسری شادی کے اسباب

اسباب	تعداد
۱۔ پہلی بیوی کا بانجھ پن	۱۵
۲۔ پہلی بیوی کی مزمن بیماری	۱۳
۳۔ آبائی جائداد کی حفاظت	۹
۴۔ حصول زر	۳
۵۔ پہلی شادی سے مایوسی	۸
۶۔ پہلی بیوی کا بیرونِ ملک چلے جانا	۳
۷۔ پہلی بیوی سے بہتر رفیقۂ حیات کی خواہش	۲۲
۸۔ قبل شادی دوسری بیوی سے معاشقہ	۲۵
۹۔ دیگر اسباب	۲۴

خاکہ ۵

(ب)

ذریعہ معاش اور دوسری شادی کے اسباب

ذریعہ معاش	اسباب ۱	۲	۳	۴	۵	۶	۷	۸	۹
۱۔ ملازمت	۲	۳	۴	۱۰	۱	۱	۲	۶	۸

۲ کا ۱۰ سے ۱۵ سال کی مدت میں ہوا اور ۲ کا نکاح ثانی کے ۱۵ سال کی مدت کے بعد انتقال ہوا۔

مردوں میں تعدد ازدواج کے وجوہ واسباب کی تحقیقات کرنے کے لئے ایک مجوزہ طریقہ کار اختیار کیا گیا ہے، ایسے افراد کے سامنے وہ مختلف وجوہ واسباب رکھے گئے جن کی وجہ سے انھیں پہلی بیوی کی موجودگی میں دوسری یا تیسری شادی کرنا پڑی، ہر شخص کے اسباب اس سلسلہ میں ایک دوسرے سے مختلف تھے لیکن بعض میں کچھ مشترک بھی پائے گئے ہیں، بعض لوگوں نے یہ بھی ظاہر کیا کہ ان کو دوسری شادی ایک سے زائد اسباب کی بنا پر کرنا پڑی، (عام طور سے) ایک بہتر رفیق زندگی کی خواہش اور یا کسی سابقہ معاشقہ کی تکمیل یہی وہ اسباب تھے جنھیں تقریباً آدھے افراد یعنی (۲۵ + ۲۲) نے بیان کئے ہیں، گھر میں مسرت وخوشی کا ماحول نہ ہونا بھی ۲۸ افراد کے لئے دوسری شادی کا سبب بنا۔ ۱۵ افراد ایسے بھی تھے جو اس وجہ سے دوسری شادی کے لئے مجبور ہوئے کہ پہلی بیوی بانجھ تھی اور انھیں اولاد کی تمنا بہت تھی۔ ۱۳ افراد نے دوسری شادی اس لئے کی کہ ان کی پہلی بیوی کسی طویل اور مزمن مرض میں مبتلا تھی۔ جس کی وجہ سے ان کی گھریلو زندگی بے کیف ہو کر رہ گئی تھی ۳۔ افراد ایسے بھی تھے جو اس لئے شادی کے لئے مجبور ہوئے کہ پہلی بیوی پاکستان چلی گئی اور وہیں اس نے اقامت اختیار کر لی۔ علاوہ ازیں ۲ اشخاص ایسے بھی ملے جنھوں نے حصول زر کی خاطر دوسری شادی کی کیونکہ دوسری بیوی بھی خود ۳۰۰ روپیہ ماہوار سے زیادہ اپنی ذاتی آمدنی رکھتی تھی۔ ۸ اشخاص نے پہلی بیوی سے کشیدگی اور ناآسودگی کی بنا پر دوسری شادی کی، ان کو یہ شکایت تھی کہ پہلی بیوی نہایت مشتعل مزاج اور بدزبان ہے۔ صرف ۹ افراد نے دوسری شادی اس لئے کی تاکہ آبائی جائداد محفوظ رہے اور وہ غیر خاندان میں جانے نہ پائے۔

ہم نے اس بات کے معلوم کرنے کی بھی کوشش کی کہ آیا کوئی بامعنی نسبت پیشہ، تعلیم، عمر اور آمدنی میں، بہ حیثیت تغیر پذیر عوامل کے، پائی جاتی ہے؟ اور کیا کچھ مجوزہ اسباب،

۳۔ ۳۶ سے ۴۰ سال کے درمیان	۰	۱	۲	۷	۱	۰	۲	۷	۵
۴۔ ۴۱ سے ۴۵ سال کے درمیان	۱	۱	۰	۱	۱	۰	۱	۲	۳
۵۔ ۴۶ سال سے زائد	۱	۱	۰	۰	۰	۰	۰	۰	۲

دوسری شادی کی نوبت لانے میں والدین کا خود اپنی مرضی کے ٹھونسنے کا بھی دخل ہوتا ہے پہلی شادی کے وقت والدین کا کیا رول رہا ہے ہم نے اس کا بھی جائزہ لیا ہے۔ ۸۷ کیس میں ہم کو یہ پتہ چلا کہ پہلی شادی والدین نے اپنے لڑکوں کی رائے لے کر کی، ۲۲ کیس ایسے تھے جس میں شوہر اپنے والدین کی طے کی ہوئی شادی سے متفق نہیں تھے لیکن وہ بعض اسباب کی بنا پر اپنا اختلاف یا نافرمانی ظاہر نہیں کر سکتے تھے۔ اس سلسلہ میں ایک دلچسپ اور اہم بات یہ ہے کہ ایک خاص تعداد نے اپنی دوسری شادی کے جواز میں اس بات کا انکشاف کیا کہ وہ اپنی دیرینہ آرزو اور ناگزیر خواہش کے مطابق ایک ایسی لڑکی سے شادی کرنا چاہتے تھے جس کے ساتھ انھیں بہت تعلق تھا مگر ابتداءً وہ اس میں کامیاب نہ ہو سکے تھے۔

تحقیقات کا خلاصہ اور نتیجہ

۱۔ مسلمانوں میں چند زوجیت (Polygamy) سے زیادہ دو زوجیت (Bigamy) کا رواج ہے اور وہ بھی اتنا عام نہیں کہ اُسے ایک سماجی تباہی کے مترادف کہا جائے بلکہ اس کے برعکس اس کا تعلق تجدد (Modernization) کے اثرات سے ہے۔ دو شادیوں کا رواج مسلمانوں میں ایک استثنائی حیثیت رکھتا ہے اس کا کوئی مستقل چلن نہیں ہے۔ ہم اپنی تحقیقات کی روشنی میں اس نتیجہ پر پہونچے ہیں کہ مسلم سماج میں بھی دوسرے ہندوستانیوں کی طرح دوسری شادی زیادہ پسندیدہ نظروں سے نہیں دیکھی جاتی جیسا کہ کبھی ہوا کرتا تھا۔

۲۔ چند زوجیت (Polygamy) کا رواج متمول طبقوں میں نسبتاً زیادہ ہے اگرچہ یہ طبقہ بھی اوسط آمدنی والے طبقے میں شمار کیا جاتا ہے۔ چند زوجیت (Polygamy)

	۱	۲	۳	۴	۵	۶	۷	۸	۹
۲۔ صنعت و تجارت	۱۰	۷	۵	۶	۲	۱	۵	۱۵	۱۱
۳۔ دیگر پیشے کے لوگ	۳	۳	-	۵	-	-	۱	۴	۲
۴۔ زراعت	-	-	-	۱	-	۱	-	-	۳

خاکہ ۵

(ج)

تعلیم اور دوسری شادی کے اسباب

تعلیم کا معیار	اسباب ۱	۲	۳	۴	۵	۶	۷	۸	۹
۱۔ ناخوانده	۳	۱	۱	۰	۰	۰	۲	۵	۲
۲۔ معمولی	۸	۷	۳	۱۰	۳	۲	۴	۱۳	۱۵
۳۔ ہائیر سکنڈری	۶	۵	۰	۱	۰	۳	۲	۴	۴
۴۔ مزید اونچی تعلیم	۱	۲	۲	۰	۰	۹	۳	۱	۰

خاکہ ۵

(د)

عمر اور دوسری شادی کے اسباب

عمر	اسباب ۱	۲	۳	۴	۵	۶	۷	۸	۹
۱۔ ۲۵ سال سے کم	۴	۲	۰	۲	۰	۰	۱	۱	۳
۲۔ ۲۶ سے ۳۵ سال کے درمیان	۹	۸	۷	۱۲	۱	۳	۴	۱۱	۱۱

صلاحیت موجود ہے۔ معاشرے میں اصلاحات لانے کا بہتر طریقہ یہ ہے کہ تعلیم اور معاشی
ترقی کے اقدامات پہلے کئے جائیں۔ حکومت کی مشینری کو سماجی اصلاحات اور سماجی بھلائی
کے لئے آخری حربہ کے طور پر استعمال کرنا چاہیے۔

مصادر و مراجع

ایم۔ زیڈ۔ خان "Islam: Its meaning for Modern Man" ص ۱۴۱، لندن ۱۹۶۲ء

پی۔ کوڈنڈا راؤ "Muslim Polygamy and Divorce In India" جرنل آف کانسٹی ٹیوشنل اینڈ پارلیمنٹری اسٹڈیز، جلد سوم، نمبر ۳ جولائی و ستمبر ۱۹۶۹ء

۱۔ ای، ولیسٹر مارک "The History of Human Marriage" ص ۱۴۴، لندن ۱۸۹۴ء

۲۔ کے۔ ایم۔ کپاڈیا "Marrige & Family in India" ص ۹۴-۹۷، لندن ۱۹۵۵ء

۴۔ پی۔ ایچ۔ دلوالکر "Hindu Social Institution" ص ۱۹۲-۹۴، بمبئی ۱۹۳۹ء

۵۔ کانتی پکراسی واجیت ہالڈر "Polygamist of Urban India" ۱۹۶۰-۶۱ء، انڈین جرنل آف سوشل ورکس، اپریل ۱۹۷۰ء

۶۔ اس قانون کے مطابق دلھن کی عمر کم از کم ۱۵ سال اور دولھا کی عمر ۱۸ سال مقرر کی گئی ہے لہٰذا اس قانون کے نفاذ کے بعد اگر ہندو فریقین میں اس کے برخلاف کوئی شادی ہوگی تو وہ ناجائز قرار دی جائے گی اور متعلقہ فریقین تعزیرات ہند کی دفعہ ۴۹۴ اور ۴۹۵ کے تحت مستوجب سزا قرار پائیں گے۔

آجکل ہندوستانی مسلمانوں کی سماجی زندگی میں کوئی خصوصیت اور کشش نہیں رکھتی ہے جیسا پہلے کبھی رہی ہوگی، لیکن آج ناواقفیت کی بناپر عام طور سے یہی خیال کیا جاتا ہے۔ اب یہ رسم ختم ہوتی جارہی ہے۔ اس کا اندازہ شادی شدہ افراد کا ایک سے زائد بیویوں کے رکھنے کی تعداد سے ہوتا ہے۔ دوشادیوں (Bigamy) کا بھی یہی معاملہ ہے لیکن یہ بھی ایک ایک استثنائی صورت میں پائی جاتی ہے اس کا بھی کوئی عام رواج نہیں ہے یہ بات ہمارے جائزے کے اعداد وشمار سے واضح ہوجاتی ہے کہ عام طور سے چند زوجیت کا رواج زیادہ عمر والے افراد میں ہے مثلاً ۱۰۰ میں ۸۰ افراد وہ ہیں جو ۶۱ سال یا اس سے زیادہ کے ہیں۔ فوری طور پر ہماری معلومات میں فی الحال دوسری شادی کا کوئی کیس نہیں آیا ہے، ہمارا خیال ہے اور یہ یقین کرنا بے جانہ ہوگا کہ یہ رسم زوال پذیر منزل میں ہے۔ اعلیٰ تعلیم کی ضرورت اور معیار زندگی کو اونچا بنانے کی جدوجہد نے تقریباً اس بات کو ناممکن عمل بنادیا ہے کہ ایک شخص دو بیویوں کو آسودہ حالی اور اطمینان کے ساتھ رکھ سکے۔ اس لحاظ سے چند زوجیت کو روکنے کے لئے کوئی قانون بنانے کی چنداں ضرورت نہیں ہے یہ مسئلہ نہایت معمولی ہے اور روز بروز ختم ہوتا جارہا ہے۔ مسلم کیمونٹی نے خود ہی اپنے شادی بیاہ طلاق اور وراثت کے معاملات میں ضروری اصلاحات لانے اور موجودہ دور کے چیلنج کا جواب دینے کے لئے اس مسئلہ کی اصل حقیقت کو سمجھ لیا ہے[8]۔ ایسا قانون لانے سے زیادہ اہم ضرورت اس بات کی ہے کہ ہندوستانی مسلمانوں کے اندران کے تحفظ کا احساس پیدا کیا جائے کیونکہ ان کا ایک بڑا طبقہ فرقہ وارانہ فسادات سے سخت متاثر ہے، لہٰذا ان کی اُن دشواریوں کو دور کرنے کی ضرورت ہے جو ہندوستان کے ترقی پذیر معاشرے میں سیاسی، سماجی، معاشی اور تہذیبی محاذ پر انھیں پیش آتی رہتی ہیں[9]۔ مسلم پرسنل لا میں اصلاحات لانے والے قوانین کو اس روشنی میں وضع کرنا چاہیئے کہ (متعلقہ فرقہ کو) یہ احساس نہ ہو کہ وہ گھیر کر مجبور کیا جارہا ہے۔ یہ بات تجربہ کے بھی خلاف ہے کیونکہ ہمارے اندر ایسے سماجی قوانین مثلاً کم عمری کی شادی، چھوت چھات اور جہیز وغیرہ کے متعلق بنانے

نفقۂ مطلّقہ

سرکاری بل کا جائزہ اور مسئلہ کا حل

مولانا محمد عبداللہ سلیم استاذ دارالعلوم دیوبند

مسلم پرسنل لا کے وہ چند اہم مسائل جنھیں ترمیم کا نشانہ بنایا جارہا ہے، ان ہی میں مسئلہ متاع طلاق بھی ہے، یعنی جس عورت کو طلاق دی جائے اس کو عدت گذر جانے کے بعد بھی نان و نفقہ اور جائے سکونت دی جائے تاآنکہ وہ کسی اور سے نکاح کرلے[1] یا فوت ہوجائے

منشاء ترمیم ترمیم وتبدیلی کا مطالبہ کرنے والے حضرات یہ کہتے ہیں کہ شوہر کی طلاق ہی کی وجہ سے مطلقہ عورت کو مصائب و آلام کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔ شوہر کو اس کی پریشانی وزبوں حالی سے بری الذمہ قرار نہیں دیا جاسکتا اس لئے جب تک وہ مطلقہ زندہ ہے یا اس کا دوسرا نکاح نہیں ہوجاتا اس وقت تک نان نفقہ دے کر تلافی مافات کرتے رہنا شوہر کی ذمہ داری قرار دیا جانا چاہیئے۔

دلیل برائے ترمیم ان حضرات کی طرف سے تجویز کی تائید کے لئے سورۂ بقرہ کی یہ آیت پیش کی گئی وللمطلّقٰت متاع بالمعروف حقًا علی المتقین (البقرہ آیت ۲۴۱) اور اس بات سے قطعی طور پر صرف نظر کرلیا کہ اس آیت کے ذیل میں احادیث اور تفاسیر کے اندر کیا کہا

---

[1] ضابطہ فوجداری ۱۹۷۳ء کی دفعہ ۱۲۵

۷۔ دانیال لطیفی "Muslim Personal law Reform"
جرنل آف کانسٹی ٹیوشنل اینڈ پارلیمنٹری اسٹڈیز، جلد ۴، ۱، ۱۹۷۰ء و ایم۔ آ
اے۔ بیگ "Enlightened Communalism"
سیمینار، جنوری ۱۹۷۰ء۔ اے۔ بی۔ شاہ "Challeanges to Secularism" بمبئی ۱۹۶۸ء

۸۔ ملاحظہ فرمائیں، کاملہ طیب جی "Islam and its law"
ریڈئنس ۵ راپریل ۱۹۷۰ء و الف۔ آر۔ فریدی و ایم۔ این۔ صدیقی
"Muslim Personal law" سیمینار منعقدہ علی گڑھ ۱۹۷۳ء

۹۔ ملاحظہ فرمائیں، محمد غوث "Secularism, Society and law in India"
دہلی ۱۹۷۳ء و کے۔ ایل۔ گادبا "Passive Voices" دہلی ۱۹۷۳ء

ہوگا اور مقصد تجویز یہ ہو کہ اس صورت میں مہر ادا ہو جائے گا۔ یہ بات کس قدر تعجب خیز ہے۔
آخر ایک متعین اور محدود رقم کی ادائیگی کے لئے غیر معین مدت کی تجویز کس بنا پر معقول قرار دی گئی؟

سوال یہ ہے کہ اس تجویز کے مطابق اگر بالاقساط دین مہر کی ادائیگی بھی نہیں کی جاتی تو اس کی چارہ جوئی کے لئے مطلقہ کو عدالت ہی کی طرف رجوع ہونا پڑے گا۔ اور عدالت میں پہلے سے یہ قانون موجود ہے کہ مہر شوہر کے ذمّے قرض ہے طلاق یا شوہر کی موت کے بعد عورت کو اس کی وصولیابی کا حق حاصل ہے، اگر برضامندی ادائیگی نہ کی گئی تو عورت کے مطالبہ پر جائداد ضبط کر کے اس کے ذریعہ سے عدالت ادا کرائے گی۔

تو آخر اس تجویز سے عورت کو وہ کونسا قانونی مفاد حاصل ہو گیا جو پہلے سے حاصل نہیں تھا۔؟

پھر بعض برادریوں میں اس قدر قلیل مہر مقرر کیا جاتا ہے کہ اس سے ایک مہینے کا نان ونفقہ بھی مہیا نہیں ہو سکتا تو ان کے حق میں یہ تجویز کیسے کارآمد ہو گی؟

اس کا دوسرا پہلو یہ ہے کہ حاملہ عورت کی عدت وضع حمل ہے۔ اب مثلاً طلاق کے ایک ماہ یا پندرہ دن بلکہ ایک ہفتہ کے بعد وضع حمل ہو کر عدت ختم ہو جائے اور عورت دوسری شادی کر لے۔
ادھر مہر کی رقم پانچ یا دس ہزار روپے ہے اور ابھی شوہر ایک ہی قسط دے پایا تھا۔

اب اس تجویز اور اس کی شرح کی رو سے نکاح ثانی ہو جانے پر شوہر سے مزید قسطوں کے مطالبہ کا عورت کو حق نہیں ملتا۔ تو کیا اس صورت حال سے قانون سازوں یا ترمیم چاہنے والوں کو اتفاق ہے۔

تجویز کا مدلول لفظی تو یہ ہے کہ اس میں مہر کی رقم سے کوئی بحث نہیں ہے، بلکہ جس طرح شریعت نے ایام عدت کے نفقہ کی ذمہ داری شوہر پر ڈالی ہے، اسی طرح مطلقہ کی زندگی یا اس کے نکاح ثانی تک شوہر کو نفقہ کی ادائیگی کا پابند قرار دیا جائے۔

گیا ہے۔ کیا کوئی بھی ایسی گنجائش ملتی ہے کہ اس آیت کو مذکورہ تجویز کے لئے مستدل بنایا جاسکے۔

انسوس کہ بعد کے حالات نے یہ شبہ پیدا کر دیا کہ یہ حضرات کہیں حکومت میں دخیل فرقہ پرستوں اور اسلام دشمن عناصر کے آلۂ کار تو نہیں ہیں۔ چنانچہ ان کی تعداد نہایت ہی کم ہونے کے باوجود ان ہی کو ہندوستان کی ملت اسلامیہ قرار دے کر بڑی آسانی سے یہ تجویز منظور کر لی گئی۔[۱]

غلط تاویل جب اسلام اور مسلمانوں کی ترجمانی کا حق رکھنے والے ارباب علم نے اس ترمیم کو خلاف شرع قرار دیتے ہوئے اس پر احتجاج کیا تو جواب یہ دیا گیا کہ اس ترمیم کا منشا صرف یہ ہے کہ جو واجبات شوہر کے ذمّے باقی رہ جاتے ہیں جیسے مہر کی رقم ان کو بالاقساط ادا کرا دیا جائے۔[۲] اس جواب پر سوائے اس کے اور کیا کہا جائے کہ

باایں عقل و دانش بباید گریست

خیر آیت محوّلہ بالا سے مذکورہ تجویز کے لئے استدلال صحیح ہے یا غلط۔ اس کا جائزہ تو انشاء اسی مضمون کی اگلی سطور میں لیا جائے گا، اس سے پہلے ان مقاصد و دلائل پر نظر ڈال لی جائے جن کی بساط پر ترمیم و تبدیلی ہوئی۔

تجزیۂ تاویل اس بات کے عجیب ہونے میں تو کوئی شبہ ہی نہیں ہے کہ تجویز اس لئے پاس کی گئی کہ مہر جیسے واجبات کو بالاقساط ادا کرا دیا جائے۔

تجویز تو یہ ہے کہ تاحیات یا تا نکاحِ ثانی مطلّقہ کا نان و نفقہ طلاق دینے والے شوہر کے ذمّے

---

[۱] حالانکہ جو صحیح معنٰی میں مسلمانوں کے مطالبات ہیں ان پر کبھی توجہ نہیں دی گئی۔ جیسے اردو، مسلم یونیورسٹی، جامعہ ملیہ اسلامیہ اور پھر بمبئی میں مسلم پرسنل لا کنونشن اور دیگر اجتماعات کی طرف سے پرسنل لا میں ترمیم نہ کرنے کا مطالبہ وغیرہ۔

[۲] چنانچہ قانون کی دفعہ میں ترمیم کی گئی کہ یہ نفقہ اسی مطلّقہ کو دیا جائے گا جس کا مہر وصول نہیں ہوا۔

پھر یہ بات بھی غور طلب ہے کہ یہ مطلّقہ محض اس ضد میں کہ طلاق دینے والے شوہر سے برابر نفقہ حاصل کرتی رہے وہ نکاح ثانی نہ کرے۔ ادھر شوہر کے معاشی حالات ایسے ہوں کہ وہ صرف ایک ہی عورت کے مصارف کا تکفل کر سکے، اس صورت میں وہ دوسری شادی نہیں کر سکے گا، ظاہر ہے کہ اس صورت میں اس کی خانگی اور خاندانی زندگی پر بھی ناگوار اثر پڑے گا، اور اس بات کا بھی احتمال ہوگا کہ شیطان اس پر قابو پالے اور وہ بدراہی کا شکار ہو جائے۔

پھر اگر یہ تجویز محض بیکس عورتوں کی بہبودی کی خاطر لائی گئی ہے تو سوال ہو سکتا ہے کہ کسی ایسی عورت کے بارے میں کیا تجویز لائی گئی ہے جس کا شوہر بغیر کچھ ترکہ چھوڑے فوت ہو گیا اور اس عورت کا نہ کوئی کفیل ہے اور نہ والی۔ بچے یا تو ہیں نہیں یا ہیں تو بہت چھوٹے ہیں۔ کیا ایسی عورتوں کا ہمارے ملک میں وجود ممکن نہیں ہے۔

بہرحال یہ ہیں اس تجویز کے وہ نقصانات جو معمولی غور و فکر کے بعد ہی ذہن میں ابھر آتے ہیں، اور یہ محض دماغی اپچ نہیں ہے بلکہ واقعات سے ان کا ربط اور تعلق بھی ہے۔

شرعی جائزہ

اب اس مسئلہ کو کتاب و سنت کی روشنی میں دیکھا جائے کیونکہ کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ ؐ میں یقین رکھنے والے مسلمانوں کو بحمد اللہ اس سے سروکار نہیں ہوتا کہ اس مسئلہ کی تائید میں عقلی دلائل کس قدر ہیں، ان کے اطمینان قلب کے لیے تو اتنی بات کافی ہے کہ شریعت کا اس بارے میں یہ حکم ہے۔

ازدواجی روابط کی انتہا

اس مسئلہ کے تفصیلی مطالعہ کے لئے بنیادی طور پر اس بات پر نظر رہنی چاہیے کہ طلاق یا شوہر کی موت کے بعد عورت کے ساتھ ازدواجی رشتہ کے کچھ اثرات اور اس تعلق کی کچھ کڑیاں اگر باقی رہتی ہیں تو وہ صرف عدت تک رہتی ہیں عدت ختم ہو جانے کے بعد قطعی طور پر تعلق منقطع ہو جاتا ہے، البتہ طلاق رجعی کے بعد اور بائنہ کی عدت ختم ہونے پر از سر نو نکاح کا اختیار دونوں کو حاصل ہو جاتا ہے۔

مطلقہ کے سلسلہ میں قرآن حکیم کا ارشاد ہے:

تجزیہ دلائل یہ بات تو ایک اصولی درجہ رکھتی ہے کہ واجبات اور فرائض کسی نہ کسی حق کا عوض ضرور ہوتے ہیں۔ شوہر پر بیوی کے نفقہ کی ذمہ داری اس بنا پر ہے کہ عورت پر شوہر کے حقوق ہیں اور ان حقوق کے دائرہ میں وہ گھری ہوئی ہے، ایام عدت میں بھی چونکہ اس پر وہی پابندی بحال رہتی ہے جو شوہر پر اس کے نفقہ کا موجب بنی ہوئی تھی۔ اس لئے شریعت ایام عدت کا نفقہ شوہر سے دلاتی ہے۔

چنانچہ تفسیر مظہری میں ہے:

ان المرأۃ فی کلا الصورتین الموت والطلاق محبوسۃ لحقوق الزوج فیجب الانفاق فی مالہ الخ

(مظہری جلد اول ص ۲۴۰)

عورت ہر دو صورتوں یعنی موت اور طلاق میں شوہر کے حقوق کی وجہ سے گھری رہتی ہے اس لئے شوہر کے مال میں نفقہ کی ادائیگی واجب قرار پائی۔

عدت ختم ہوجانے کے بعد بھی از روئے تجویز شوہر کو مطلقہ کے نفقہ کا پابند قرار دیا گیا ہے تو اس کے عوض میں کونسے حقوق عورت سے وابستہ کئے گئے۔ کیا شوہر اس نفقہ کے عوض یہ مطالبہ کرسکتا ہے کہ تو دوسرا نکاح نہیں کرسکتی۔ اگر یہ اختیار دیا گیا تو اولاً تو اس کی کوئی قانونی بنیاد نہ ہوگی دوسرے یہ عورت پر سراسر ظلم ہوگا، اور اگر یہ یا اسی طرح کی کسی پابندی کا اختیار شوہر کو نہیں دیا جاتا تو بے وجہ اس کو نفقہ کا پابند قرار دینے میں اس پر ظلم نہیں تو اور کیا ہے۔

رہا متعین طور پر یہ کہنا کہ شوہر ہی طلاق دے کر مطلقہ کی زبوں حالی اور مصیبت کا موجب بنا ہے عقلاً بھی غلط ہے اور واقعہ کے خلاف بھی۔ کیا عورت کی بدمزاجی، بدکرداری، ضد اور سرکشی طلاق کا موجب نہیں بن سکتی۔ کسی عورت کے ان جرائم کی وجہ سے اگر شوہر طلاق دیکر اس سے نجات نہ حاصل کرے تو کیا اس ظالم کو ہی "مظلوم" سمجھکر گھر کو تباہ وبرباد کرتا رہے۔

انسان دونوں ہی ہیں اور مجرم بھی دونوں ہی ہوسکتے ہیں۔ بہرصورت تنہا مرد کو مجرم قرار دینا سراسر ناانصافی ہے۔

اگر ازدواجی تعلق قائم ہوئے بغیر طلاق کی نوبت آگئی تو اس صورت میں عدت ہی نہیں ہے۔

یا ایھا الذین آمنوا اذا نکحتم المؤمنات ثم طلقتموھن من قبل ان تمسوھن فمالکم علیھن من عدۃ

اے ایمان والو جب تم نکاح کرو ایمان والیوں سے پھر ان کو طلاق دیدو قبل اس کے کہ ان کو چھوؤ تو تمھارے لئے ان پر کچھ عدت نہیں ہے۔

(الاحزاب ۔ آیت ۹)

اور جن عورتوں کو بوجہ کم عمری ماہواری نہیں آتی یا بوجہ زیادتی عمر یہ سلسلہ بند ہوچکا ہے اور تین ماہواری کا تعین نہیں کیا جاسکتا ان کی عدت تین مہینے مقرر کی گئی ہے۔ قرآن حکیم میں ہے:

والّٰئی یئسن من المحیض من نسائکم ان ارتبتم فعدتھن ثلٰثۃ اشھر والّٰئی لم یحضن

اور تمھاری مطلقہ بیویوں میں جو بوجہ زیادتی عمر حیض آنے سے ناامید ہوچکی ہیں اگر تم کو ان کی عدت کے تعین میں شبہ ہے تو ان کی عدت تین مہینے ہے اور اسی طرح جن عورتوں کو بوجہ کم عمری حیض نہیں آتا۔

(الطلاق ۔ آیت ۴)

اور اگر عورت کو حمل ہے تو عدت خواہ طلاق کی ہو یا موت کی اس کی میعاد وضعِ حمل ہے خواہ مکمل ہو یا ناقص البتہ کوئی عضو ضرور بن گیا ہو خواہ ایک انگلی ہی سہی،

واولات الاحمال اجلھن ان یضعن حملھن۔

اور حاملہ عورتوں کی عدت ان کے اس حمل کا پیدا ہو جانا ہے۔

(الطلاق آیت ۴)

اور شوہر کی وفات ہو جائے تو اس صورت میں عدت چار مہینے دس دن ہوگی بشرطیکہ عورت کو حمل نہ ہو۔

ارشاد خداوندی ہے:

فاذا بلغن اجلھن فامسکوھن بمعروف او فارقوھن بمعروف (الطلاق)

سو جب یہ اپنی عدت پوری کرنے والی ہوں تو یا ان کو دستور کے موافق روک لو یا دستور کے مطابق جدا کر دو

اور

واذا طلقتم النساء فبلغن اجلھن فامسکوھن بمعروف او سرحوھن بمعروف ولا تمسکوھن ضرارا لتعتدوا ومن یفعل ذلک فقد ظلم نفسہ (البقرہ - آیت ۲۳۱)

اور جب تم نے عورتوں کو طلاق دی ہو پھر وہ اپنی عدت گذرنے کے قریب پہونچ جائیں تو تم ان کو قاعدہ کے موافق (رجعت کر کے) نکاح میں رہنے دو یا قاعدے کے موافق ان کو رہائی دو۔ اور ان کو تکلیف پہونچانے کی غرض سے نہ روکو اس ارادے سے کہ ان پر ظلم کیا جائے اور جو ایسا برتاؤ کرے گا وہ اپنا ہی نقصان کرے گا۔

اور بیوہ کے بارے میں ہدایت ہے:

فاذا بلغن اجلھن فلا جناح علیکم فیما فعلن فی انفسھن بالمعروف (البقرہ: آیت ۲۳۴)

پھر جب اپنی عدت کی میعاد پوری کرلیں تو تم کو بھی کچھ گناہ نہ ہوگا ایسی بات کے جائز رکھنے میں کہ وہ عورتیں اپنی ذات کے لئے کچھ کارروائی نکاح کی کریں قاعدہ کے موافق۔

عدت کے ختم ہو جانے کے بعد شوہر سے وابستہ تمام روابط و تعلقات ختم ہو جاتے ہیں، ایک طرف عورت کو یہ اختیار ہوتا ہے کہ وہ جہاں چاہے نکاح کر کے بس جائے اور لوگوں کے لئے بھی یہ بات جائز ہو جاتی ہے کہ اس کے ساتھ عقد نکاح کے لئے سلسلہ جنبانی کریں۔

فرمانِ خداوندی ہے:

ولا تعزموا عقدۃ النکاح حتی یبلغ الکتٰب اجلہ (البقرہ: آیت ۲۳۵)

اور نہ ارادہ کرو تم عقد نکاح کا یہاں تک کہ پہنچ جائے عدت مقررہ اپنی انتہا کو۔

میعادِ عدت کا فرق

اور طلاق اور موت ہر حالت میں عدت کی میعاد یکساں نہیں رکھی گئی ہے بلکہ شریعت نے اسباب عدت کے فرق کی بنا پر میعادِ عدت بھی مختلف رکھی ہے۔

حمل والی عورتوں کے نفقۂ عدت کی تو چونکہ آیت میں تصریح ہے، اس لئے شوہر کے ذمے بالاتفاق اس کا نفقہ واجب ہے، اسی طرح طلاق رجعی کی صورت میں بھی چونکہ نکاح ٹوٹتا نہیں ہے اس لئے تمام ائمہ فقہ کا اجماع ہے کہ اس کو نفقہ بھی دیا جائے گا اور رہائش کے لئے مکان بھی، البتہ جس عورت کو بائنہ یا مغلظہ طلاق دیدی جائے اور وہ حاملہ نہ ہو اس کے بارے میں ائمہ کا اختلاف ہے

عدت طلاق کے نفقہ میں ائمہ کا اختلاف

حضرت ابن عباسؓ سے مروی ہے کہ اس کو نہ نفقہ دیا جائے گا اور نہ سکنیٰ یعنی جائے قیام۔ یہی قول حضرت حسنؒ اور شعبی کا ہے اور یہی مسلک ہے امام شافعیؒ اور امام احمد بن حنبلؒ کا کہ اس کو نفقہ نہیں دیا جائے گا۔ ان کا کہنا ہے کہ نفقہ کے لئے شرط ہے کہ عورت حاملہ ہو، نیز حضرت فاطمہؓ بنت قیس کی یہ حدیث بھی ان کی دلیل ہے کہ ان کے شوہر ابوعمرو بن حفص نے ان کو قطعی طلاق دی جبکہ وہ شام میں تھے، انھوں نے فاطمہ کے پاس اپنے وکیل کے ذریعہ اس امر کی اطلاع بھیجی، انھوں نے اپنے نفقہ اور سکنیٰ کا مطالبہ کیا تو وکیل نے اس سے انکار کیا۔ اس پر حضرت فاطمہ بنت قیس نے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں یہ مقدمہ پیش کیا، آپؐ نے فرمایا کہ اس کے ذمے تیرا نفقہ نہیں ہے، اور آپ نے حکم دیا کہ ام شریک کے گھر میں عدت گذارو لیکن پھر آپ نے حضرت عبداللہ ابن ام مکتوم کے گھر میں عدت گزارنے کا حکم دیا۔ (تفسیر مظہری)

یہ حدیث مختلف طرق سے مسلم شریف میں موجود ہے۔

وجوب نفقہ کے دلائل

اور امام ابوحنیفہ کے نزدیک طلاق مغلظہ اور بائنہ کی صورت میں نفقۂ عدت اور سکنیٰ شوہر کے ذمے واجب ہے۔ ان کے نزدیک آیت محوّلہ بالا میں من وجدکم فعل محذوف انفقوا علیھنّ کا متعلق ہے کیونکہ سکنیٰ کی حیثیت اور قدر وقیمت کی وضاحت تو من حیث سکنتم اور ولا تضاروھن لتضیقوا علیھنّ سے ہوجاتی ہے۔ اب اگر من وجدکم کو بھی اسکنوھن کا ہی متعلق مان لیا جائے تو اس لفظ کا کوئی فائدہ ہی

والذین یتوفون منکم ویذرون ازواجًا یّتربصن بانفسہن اربعۃ اشھر وعشرا (البقرۃ)

اور جو لوگ تم میں سے وفات پا جاتے ہیں اور بیویاں چھوڑ جاتے ہیں وہ بیویاں خود کو (نکاح وغیرہ سے) چار مہینے دس دن روکے رکھیں۔

ان صورتوں کے علاوہ عام حالات[1] میں مطلّقہ عورت کی عدت تین ماہواری ہے۔

والمطلّقٰتُ یتربصن بانفسہن ثلٰثۃ قروء

اور طلاق والی عورتیں انتظار میں رکھیں اپنے آپ کو تین حیض تک[2]

(البقرہ آیت ۲۲۸)

نفقۂ عدت طلاق

بہرحال اس تفصیل کے مطابق جس عورت کی جس قدر بھی میعاد عدت ہو گی صرف اسی زمانہ کے نفقۃ وسکنیٰ (قیام وطعام) کا بندوبست شوہر کے ذمے واجب ہے۔

قرآن حکیم میں ارشاد فرمایا گیا ہے۔

اسکنوھن من حیث سکنتم من وُجدکم ولا تضآرّوھن لتضیّقوا علیھن وان کنّ اولات حمل فانفقوا علیھن حتی یضعن حملھنّ

(الطلاق آیت ۶)

تم ان مطلّقہ عورتوں کو اپنی وسعت کے موافق رہنے کا مکان دو جس طور کہ تم رہتے ہو اور ان کو ضیق میں ڈالنے کے لئے تکلیف مت پہونچاؤ اور اگر وہ مطلّقہ عورتیں حاملہ ہوں تو وضع حمل تک ان کو خرچہ دیتے رہو۔

---

[1] یعنی جبکہ اس سے صحبت یا خلوت صحیحہ ہو چکی ہو اور وہ حاملہ بھی نہ ہو، اور اس کو ماہواری آتی ہو

[2] قروء کا ترجمہ حنفیہ نے حیض سے اور شافعیہ نے حیض سے پہلے یا بعد کی پاکی سے کیا ہے۔ اس لئے شوافع کے نزدیک میعاد عدت تین طہر ہیں۔ تفصیل اور دلائل کا یہ موقع نہیں ہے، کتب فقہ میں ملاحظہ کی جا سکتی ہیں۔

يقول فى المبتوتة لها النفقة والسكنىٰ (تفسیر المراغی ۔ سورۃ الطلاق)

نے تطلی طلاق والی عورت کے بارے میں فرمایا کہ اس کے لئے نفقہ بھی ہے اور سکنیٰ بھی

حضرت عمرؓ کی اسی روایت کو طحاوی، دارقطنی اور طبرانی نے بھی روایت کیا ہے (معارف القرآن)

بہرحال مذکورہ بالا تصریحات سے مطلّقہ عورتوں کے نفقہ، وسکنیٰ کی تفصیلات سامنے آگئیں اور یہ بھی معلوم ہوگیا کہ نفقہ، وسکنیٰ کی سب سے زیادہ رعایت مسلک حنفیہ میں ہے۔

بیوہ کا نفقہ، عدت

اب بیوہ کے نفقہ عدت وسکنیٰ پر بھی نظر ڈال لی جائے۔ اس سلسلہ میں قرآن حکیم کا مطالعہ کیا جائے تو یہ آیت ملتی ہے:

والذين يتوفون منكم ويذرون ازواجًا وصية لازواجهم متاعًا الى الحول غير اخراج فان خرجن فلا جناح عليكم فيما فعلن فى انفسهن من معروف۔

(البقرہ : آیت ۲۴۰)

اور جو لوگ وفات پا جاتے ہیں تم میں سے اور چھوڑ جاتے ہیں بیویاں تو وصیت کر جایا کریں اپنی بیویوں کے واسطے ایک سال تک (نان نفقہ اور گھر میں سکونت) سے فائدہ اٹھانے کی اس طور پر کہ وہ گھر سے نہ نکالی جائیں۔ ہاں، اگر وہ خود ہی (بعد عدت) نکل جائیں تو تم کو کوئی گناہ نہیں ہے اس قاعدے کی بات میں جس کو وہ اپنے بارے میں (تجویز) کریں (جیسے نکاح وغیرہ)

نسخ آیت

لیکن جمہور مفسرین اور علماء امت کے نزدیک یہ آیت منسوخ ہوچکی۔ ان حضرات کا کہنا یہ ہے کہ زمانہ جاہلیت اور اسلام کے ابتدائی دور میں بھی بیوہ ایک سال تک سوگ مناتی تھی۔ چنانچہ اس آیت نے نازل ہوکر اسی طرح وصیت کا حکم دیا جیسے والدین ودیگر اعزاء کے حق میں وصیت کا حکم اس آیت کے ذریعہ دیا گیا تھا۔

كتب عليكم اذا حضر احدكم الموت ان ترك خيرا الوصية للوالدين

تم پر فرض کیا گیا کہ جب کسی کو (آثار سے) موت نزدیک معلوم ہونے لگے بشرطیکہ کچھ مال بھی ترکہ

نمایاں نہیں ہوتا اور اس کی تائید حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کی قرارت سے بھی ہوتی ہے۔ ان کی قرأت اس طرح ہے:

اسکنوھن من حیث سکنتم وانفقوا علیھن من وجدکم — ان مطلقہ عورتوں کو رہنے کا مکان دو جس طور کہ تم رہتے ہو اور ان پر خرچ کرو اپنی وسعت کے موافق

اور یہ بات مفسرین کے نزدیک مسلم ہے کہ ایک قرارت دوسری قرارت کے لئے مفسر ہوتی ہے۔ اس لئے اگرچہ مروجہ قرارت میں انفقوا علیھن نہیں ہے، تو بھی اس کو مقدر مانا جائے گا۔ اور حنفیہ کے نزدیک لفظ اسکنوھن میں چونکہ ضمیر کا مرجع سابقہ ضمیروں کے مطابق اذا طلقتم النساء میں مذکور عام مطلقہ عورتیں ہیں۔ اس لئے ہر طلاق کی عدت میں نفقہ واجب ہوگا، اور آیت میں حاملہ کا ذکر کرکے اس کو نفقہ دینے کی صراحت اس لئے نہیں کی گئی ہے کہ نفقہ کے لئے حمل شرط ہے، بلکہ صرف تاکید اور یہ وضاحت مقصود ہے کہ اس کا نفقہ تین ماہواری یا تین مہینے نہیں بلکہ تا وضع حمل ہے۔

باقی فاطمہؓ بنت قیس والی مذکورہ روایت کا جواب یہ ہے کہ اس کو خود حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے یہ کہہ کر رد فرما دیا تھا۔

لا نترک کتاب ربنا ولا سنۃ نبینا بقول امرأۃ لا ندری حفظت ام نسیت الخ (مسلم شریف) — ہم اپنے پروردگار کی کتاب میں مذکور اور پیغمبر صلے اللہ علیہ وسلم کی سنت سے ثابت حکم کو ایک عورت کے قول کی وجہ سے نہیں چھوڑیں گے۔ ہمیں پتہ نہیں کہ اس نے بات کو محفوظ بھی رکھا ہے یا وہ بھول گئی۔

اس سلسلہ میں خود حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے جو مرفوع حدیث مروی ہے وہ یہ ہے۔

سمعت رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم — میں نے رسول اکرم صلے اللہ علیہ وسلم سے سنا آپ

علم منطق ــــ ایک جائزہ

(۱)

مولانا بدر الزماں نیپالی مرکزی دارالعلوم بنارس

کسی علم کے پڑھنے پڑھانے کا مقصد عموماً یہ ہوا کرتا ہے کہ طالب علم اس فن کی انتہائی تعلیم حاصل کر لینے کے بعد کم از کم موٹے موٹے مسائل میں ژرف نگاہ بن جائے اور پھر ہو سکے تو تمام لوازم و مسائل میں درجۂ اجتہاد حاصل کر لے۔

ہر علم کی تاریخ اس علم کا لازمی جزء ہوا کرتی ہے۔ اس لئے کہ تجربات اس بات پر شاہد ہیں کہ تاریخ پر جب تک مکمل دسترس حاصل نہ ہو تو نہ تو ذہن کھلتا ہے، نہ یہ معلوم ہوتا ہے کہ علم کے یہ حقائق کس تہذیب و ماحول، کس عصر و مصر اور کس ذہن و دماغ کی کاوش کا نتیجہ ہیں، اور نہ تو اس علم کے مسائل سے کوئی استنباط ہی کر سکتے ہیں کیونکہ استنباطِ مسائل کے لئے جس طرح جمیع مسائل علم پر عبور ضروری ہے اسی طرح اس کے تمام خصوصی لوازمات پر بھی نظر رکھنی ناگزیر ہے، اور ہم عام طور پر دیکھتے ہیں کہ تاریخ سے ناواقفیت کی بنا پر بہت سے لوگ محض ظن و تخمین سے کام لیتے ہیں اور جو بسا اوقات انھیں حقائق سے کوسوں دور کر دیتا ہے، اور کبھی کبھار تو ایک اندھے کی طرح جہالت کی کھائی میں گرنا پڑتا ہے۔

ان وجوہ و علل کے پیش نظر یہ ناگزیر ہوا کہ جب ہم کسی علم کو شروع کریں تو اولاً اس علم کی تاریخ پر ایک سرسری نظر ڈال لیں پھر جوں جوں علمی معیار بلند ہوتا جائے اسی مقدار کے مطابق

والاقربین بالمعروف	میں چھوڑ رہا ہو تو (اپنے) والدین اور (دیگر)
(البقرہ : آیت ۱۸۰)	اقارب کے لئے معقول طور پر وصیت کردے۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ یہ آیت اس آیت سے منسوخ ہوگئی جس میں میراث کے ضوابط مذکور ہیں یعنی یوصیکم اللہ فی اولادکم الخ (سورۂ نسار) (ابن کثیر)

اور وصیت کی یہ منسوخی ان ورثار کے حق میں ہوئی ہے جن کے لئے ترکہ میں حصّے قرآن حکیم نے مقرر کردیئے ہیں اور جن کے حصّے مقرر نہیں ہیں۔ ان کے لئے وصیت کا حکم بحالہ باقی ہے، لیکن باجماع امت فرضیت وصیت ان کے حق میں بھی منسوخ ہے (معارف القرآن بحوالہ جصاص و قرطبی)

اسی طرح حضرت ابن عباس کے قول کے مطابق بیوہ کے بارے میں وصیت کا حکم آیت میراث نے منسوخ کردیا۔ اسی کے ساتھ یہ روایت بھی ناسخ ہے :

ان اللہ اعطی کل ذی حق حقہ فلا وصیۃ	اللہ تعالیٰ نے ہر حقدار کو اس کا حق دیدیا ہے۔
لوارث، اخرجہ الترمذی وقال ھذا	لہٰذا اب وارث کے لئے وصیت جائز نہیں ہے
حدیث حسن صحیح۔	

امام ابوبکر جصاص فرماتے ہیں کہ یہ روایت صحابہ کی ایک جماعت سے منقول ہے اور فقہار امت نے بالاتفاق اس کو قبول کیا ہے۔ اس لئے بحکم متواتر ہے اور اس سے آیت قرآن کا نسخ جائز ہے

(معارف القرآن)

اور عدت کے لئے ایک سال کی مدت کو چار ماہ دس دن والی آیت نے منسوخ کیا۔ اور وہ آیت جیسا کہ اسی مضمون میں پہلے بھی آچکی ہے یہ ہے :

والذین یتوفون منکم ویذرون ازواجًا	اور جو لوگ تم میں سے وفات پاجاتے ہیں اور
یتربصن بانفسھن اربعۃ اشھر وعشرا	بیویاں چھوڑ جاتے ہیں وہ بیویاں خود کو (نکاح
(البقرہ : آیت ۲۳۵)	وغیرہ سے) چار مہینے دس دن روکے رکھیں۔

(باقی)

اور علم منطق ایسا قانونی آلہ ہے جس کی رعایت غور و فکر کے وقت ذہن کو غلطی میں واقع ہونے سے بچاتی ہے۔

وجہ تسمیہ | ذہن سے تعلق رکھنے والے اس علم کو منطق اس وجہ سے کہتے ہیں کہ نطق، نطق خارجی تا ظاہری یعنی گفتگو اور نطق داخلی یا باطنی یعنی فہم و ادراک پر بالسویہ بولا جاتا ہے اور اس علم کا کام یہ ہے کہ نطق باطنی میں استحکام پیدا کرنے کے ساتھ ہی گویائی کی قوت عطا کرے اسی لئے اس علم کا نام منطق رکھا جانا اولیٰ ہے، چنانچہ پروفیسر مصطفیٰ عبدالرازق کہتے ہیں کہ "جو علم بطور آلہ ہوتا ہے" اس زمانہ میں اکثر ممالک کے اندر اسے عادۃً علم منطق کہا جاتا ہے لیکن شاید دوسری قوموں کے یہاں اس کا دوسرا نام ہو پھر بھی اسی مشہور نام کے ساتھ ہی اسے موسوم کرنے کو ہم ترجیح دیتے ہیں[1]۔ اس نام کے علاوہ مختلف زبانوں میں اس کے مختلف نام ہیں۔ ان میں سے چند یہ ہیں :

(الف) عربی، فارسی، اردو : میزان، معیار، علم اور تعلیمات وغیرہ

(ب) انگریزی : لاجک (Logic) ریزننگ (Reasoning)

(ج) سنسکرت : نیائے سکشا (न्यायशिक्षा) ترک ودیا (तर्क विद्या) ترک شاستر (तर्क शास्त्र)

موضوع | منطق کا موضوع معقولات ثانیہ ہیں۔

معقولات ثانیہ کو یوں سمجھا جاسکتا ہے کہ وجود کی دو قسمیں ہیں :

(۱) وجود خارجی (۲) وجود ذہنی

اور اشیاء جس طرح اپنے وجود خارجی کے وقت انہی اوصاف سے متصف ہوتی ہیں جو وجود خارجی کے لئے ہیں اور اس اتصاف کے اندر خارج کو دخل ہوتا ہے۔ مثلاً سواد اور بیاض، کہ یہ دونوں وجودِ خارجی کے لئے ہیں، اور جسم خارج میں پائے جانے کے وقت ہی ان صفات سے

مطالعہ تاریخ میں اضافہ کرتے چلے جائیں۔ مادۂ علم کی انتہائی کڑی حاصل ہوگی کہ ساتھ ہی ایک دوسری چیز بھی حاصل ہو جائے گی جو اس علم کی پوری، مفصل اور بصیرت افروز تاریخ ہوگی، یہ تاریخ بادی النظر میں دوسری شئے معلوم ہوگی لیکن حقیقت میں وہ پہلی چیز سے ملی جلی ہوگی، حتیٰ کہ علم کا بغیر تاریخ علم کے، کوئی کام ہی صحیح طور پر نہیں بن سکے گا۔

اس ضرورت کو سمجھ لینے کے فوراً بعد یہ سوال اٹھ کھڑا ہوتا ہے کہ کسی علم کی تاریخ معلوم کرنے کے لئے کن کن چیزوں پر نظر رکھنی ضروری ہے، اس فطری سوال کا جواب حاصل کرنے کے لئے علم کی آپ بیتی پر نظر ڈالنی ہوگی۔ اور یہ تو متعین ہے کہ کوئی بھی علم ہو بالضرورۃ کسی شخص نے اپنے ذہنی افکار سے اس کے مسائل کا استخراج کیا ہوگا اور پھر ان مسائل کو دوسروں نے سیکھا ہوگا اسی طرح "سلفاً عن خلف" (سینہ بسینہ یا بذریعہ سفینہ) یہ مسائل ہم تک پہنچے اور یہ سلسلۂ اسناد بھی، جو ہر دور کے ائمہ فن پر مشتمل ہے، اور یہ ظاہر ہے کہ تمام مجتہدین اس علم کے بارے میں اپنی ذاتی رائے رکھتے ہوں گے تو ہر دور کے فضلاء کی انہی خصوصی آراء پر خصوصاً اور مواد علمی کے عہد بہ عہد تغیرات پر عموماً نظر ڈالنے ہی سے علم کی تاریخ مکمل ہو سکتی ہے۔

اس وجہ سے علم منطق پر جو بحث آگے آرہی ہے اس میں انہی چیزوں کی رعایت کی جائے گی، بنیادی طور پر اس مقالے کے دو حصے ہوں گے ایک میں اس کی تاریخی اہمیت کا ذکر ہوگا اور دوسرے میں علماء کے نقد و تبصرہ پر نظر ڈالی جائے گی۔

منطق کا تعارف اللہ تعالیٰ نے تمام اشیاء کو وجود بخشا ہے اس وجود کے چار درجے ہیں۔

پہلا وجود نقشی، دوسرا وجود لفظی، تیسرا وجود ذہنی اور چوتھا وجود عینی یعنی خارجی، اور ان میں سے ہر ایک اپنے مابعد کو سمجھنے کے لئے راستہ ہموار کرتا ہے ان میں سے تیسرے یعنی وجود ذہنی کے ساتھ جو علوم متعلق ہوتے ہیں ان کو علوم ذہنیہ کہتے ہیں جیسے علم منطق وغیرہ۔

کو دیکھنے سے شبہ ہوا ہے وہ علم نہیں ہے بلکہ در اصل "تعلیم" ہے جو ایک "صنعت" ہے کیونکہ "صنعت" ہی کی طرح تعلیم کے اصطلاحات میں تفاوت ہوتا ہے اور تمام ائمۂ تعلیم کی اصطلاحات میں اختلاف اور تباین ہوتا ہے۔(۳)

علم اور فن کے درمیان علمار عرب کوئی فرق نہیں کرتے البتہ اہل یورپ اس میں فرق بتاتے ہیں ان کا خیال ہے کہ علم دلائل کے ذریعہ ثابت شدہ ادراک کو کہتے ہیں اور فن مخصوص قواعد کی رعایت کرتے ہوئے کسی چیز کی صنعت کی معرفت کا نام ہے۔ اس کی دو قسمیں ہیں: (۱) عقلی فن (۲) عملی فن۔ عقلی فن وہ ہے جو علوم سے بہت زیادہ قریب ہو جیسے نحو، منطق، شعر وغیرہ اور عملی فن: یہی معروف ومشہور پیشے اور حرفتیں ہیں(۴)۔ اسی کو دوسرے الفاظ میں یوں کہا جا سکتا ہے کہ علم کو واقعات وقوانین کے انکشاف سے دلچسپی ہوتی ہے بلالحاظ اس کے کہ اس علم سے کیا کام لیا جائے گا اس کے برعکس فنون کے ذریعہ سے کسی عملی راہ میں عملی رہبری اور رہنمائی ہوتی ہے۔(۵)

اس فرق کو سمجھ لینے کے بعد جب ہم کائنات اور موجودات میں غور وفکر کرنا چاہتے ہیں تو ضمنی طور پر یہ سوال اٹھ کھڑا ہوتا ہے کہ آیا اس کو بھی علم کہہ سکتے ہیں؟ اس سوال کا جواب اس وقت حاصل کیا جا سکے گا جب یہ جان لیا جائے کہ علم کا دائرۂ بحث کیا ہے اور فلسفہ کا کیا؟ اس بنیادی چیز کو ذہن میں رکھ کر دیکھا جائے تو معلوم ہوگا کہ علم (خواہ کوئی بھی ہو) کسی ایک چیز سے بحث کرتا ہے لیکن فلسفہ اس کے برخلاف کسی ایک شے کو اپنا موضوع بحث نہیں بناتا بلکہ اس کے مبحث میں تمام علوم (خواہ وہ عناصر سے متعلق ہوں یا مجردات سے) آجاتے ہیں۔(۶)

مثال کے طور پر علم ہیئت کو لے لیجئے، یہ اجرام فلکی اور اس کے متعلقات پر کلام کرے گا۔ لیکن فلسفہ تمام عناصر، ان کی ابتدار، فنا وبقار، انسان کے تمام احوال، اجرام سماوی کی تمام کیفیات ملائکہ کی خصوصیات اور الہیات تک سے بحثیں کرتا ہے اور یونہی نہیں بلکہ اس کا ہر ہر قضیہ مدلل ہوتا ہے لیکن علم میں نہ تو اتنے وسیع مباحث ہوتے ہیں نہ اپنی بات منوانے کے لئے دلیل ہی

متصف ہوگا۔ ذہنی وجود کے وقت نہیں ہوسکتا اسی طرح اشیاء جب ذہن میں پائی جائیں تو اس وقت انہیں وہی اوصاف لاحق ہوں گے جو ذہنی وجود کے لئے ہیں، اس اتصاف اور عروض کے اندر ذہن کو دخل ہوتا ہے۔ مثلاً جزئیت، کلیت اور جنسیت وغیرہ جن سے منطق میں بحث کی جاتی ہے۔ یہ محض ذہن میں پیش آنے والے اوصاف ہیں۔ انہی کو معقولات ثانیہ کہا جاتا ہے جو منطق کا موضوع ہیں[2]۔

مختلف علوم سے منطق کا تعلق

چند مسائل کے مجموعہ کے لئے جو نام متعین کرلیا جاتا ہے جیسے منطق، نحو وغیرہ، عام طور پر اس نام کے ذکر سے پہلے علم یا فن یا صنعت کا لفظ لگایا جاتا ہے جیسا کہ آگے کی بحثوں میں "ھذا ھو العلم الفلانی یا الفن الفلانی یا ھاذہ ھی الصناعۃ الفلانیہ" بار بار آئے گا۔ اس لئے مناسب یہ ہے کہ مختلف علوم سے منطق کا تعلق دکھانے سے پہلے علم اور صنعت اور علم اور فن کے بنیادی فرق کو سمجھ لیں۔

چنانچہ علم کو صنعت سے ممتاز کرنے کے لئے یہ ضروری ہے کہ دونوں کی حقیقت اور ماہیت کو ذہن نشین کرلیا جائے۔ علم کی حقیقت یہ ہے کہ وہ ہر جگہ اپنی ایک مستقل صورت میں پایا جائے گا اس کے اندر کسی تغیر اور تبدل کا امکان نہیں ہوتا۔ چنانچہ علامہ ابن خلدون (متوفی ۸۰۸ھ) فرماتے ہیں "والعلم واحد فی نفسہ[3]" کہ علم فی نفسہ واحد ہے گویا وہ ایک بسیط شے ہے جو ہر عالم کے پاس اپنی انفرادیت کو برقرار رکھتی ہے۔ یہ الگ بات ہے کہ اقوام وملل کی تبدیلی کے ساتھ ان کے نام رکھنے میں زبان کا فرق واقع ہو جائے لیکن اس سے جوہر علم پر کچھ اثر نہیں پڑتا۔ اور "صنعت" کی کوئی نا قابل تبدیل صورت نہیں ہوتی بلکہ "صنعت" کے اندر مختلف قسم کے اصطلاحات ہوتے ہیں چنانچہ ہر امام صنعت کے یہاں ایک الگ اصطلاح ہوتی ہے اگر علم کی طرح یہ بھی ہوتی تو اصطلاحات کے اندر بالکل اتحاد ہوتا۔

یہاں ایک شبہ ہوسکتا ہے کہ "علم" کے اندر بھی "صنعت" ہی کی طرح ہر امام کے پاس مختلف بلکہ کبھی کبھار متضاد اصطلاحات دیکھنے میں آتی ہیں۔ اس کا ازالہ اس طرح ہوسکے گا کہ جس چیز

سے حکمت کا اطلاق ان مجموعۂ مسائل پر، جو یونانی اور رومی ذہنوں کی ایجاد ہیں۔ بہرحال غیر مناسب ہے۔

(۱) فلسفہ: پہلے ضروری ہے کہ فلسفہ کے لفظی اشتقاق اور اس کے معنیٰ و مفہوم سے واقف ہو لیا جائے چنانچہ علامہ ابوالفتح محمد بن عبدالکریم شہرستانی (متوفی ۵۴۸ھ) رقمطراز ہیں: "الفلسفة باليونانية محبة الحكماء، "والفيلسوف" هو "فيلا" و"سوفا" هوالحكمة اى هو محب الحكمة"[۸] یعنی "فلسفہ" یونانی زبان میں حکماء کی محبوب شئی کو کہتے ہیں اور "فیلسوف" یہ "فیلا" اور "سوفا" سے مرکب ہے "فیلا" محب کو کہتے ہیں اور "سوفا" حکمت کو۔ یعنی "فیلسوف" حکمت سے الفت رکھنے والے کو کہتے ہیں۔

میر ولی الدین لکھتے ہیں کہ "ہری کلیس" نے فلسفہ کے لفظ کو حصول تہذیب کے معنی میں استعمال کیا ہے۔ پھر آگے کہتے ہیں کہ بہرحال اس لفظ کی ابتداء اعترافِ جہل اور اشتیاقِ علم کے معنی سے ہوئی۔[۹]

منطق تمام عقلی علوم کے لئے زینہ کی حیثیت رکھتی ہے جس طرح زینہ چھت سے بے نیاز رہ سکتا ہے۔ لیکن اس سے فائدہ اس وقت تک نہیں پہنچ سکتا جب تک کہ چھت نہ پائی جائے کیونکہ زینہ کی ضرورت کا احساس اسی وقت ہوگا جب چھت موجود ہو اور اس پر پہنچنے کی خواہش بھی ہو منطق کی بالکل یہی مثال ہے اس کے ذریعہ فلسفہ تک پہنچنے میں مدد ملتی ہے۔ اور مدد ہی نہیں ملتی بلکہ بغیر منطق کے فلسفہ تک پہنچا ہی نہیں جا سکتا۔ اور فلسفہ کی مثال ایک چھت سے نہیں دی جا سکتی کیونکہ چھت گرچہ اپنے وجود و بقا میں زینہ کی محتاج نہیں ہے بلکہ صرف اپنی ذات سے فائدہ پہنچانے میں زینہ کی محتاج ہے۔ پھر بھی فلسفہ کا وجود منطق کے بغیر محال ہے کیونکہ فلسفہ اپنے وجود و بقاء کے اندر منطق کی طرف اسی طرح سے محتاج ہے جس طرح چھت اپنے وجود و بقاء میں ستون کی محتاج ہوتی ہے۔

منطق، فلسفہ کی قسم ہے یا اس کی قسم نہیں ہے۔ بلکہ اس سے پہلے ہی ذہن میں حاصل ہونے والا

پیش کی جاتی ہے بلکہ ہوتا یہ ہے کہ "فلاں علم کا مسئلہ اس طرح سے ہے، اسے مان لیا جائے" گویا فلسفہ کے اندر دو خصوصیات پائی گئیں ایک تو یہ کہ اس کا مدارِ بحث، علم سے بہت کشادہ ہے اور دوسرے یہ کہ اس میں کوئی بات بغیر دلیل کے نہیں ہوتی اور نہ منوائی جاتی ہے اور علم میں ان دونوں خصوصیات کی کمی ہے اس وجہ سے فلسفہ کو علم کا لقب نہیں دیا جاسکتا ہے جس طرح سے فلسفہ کو حکمت نہیں کہا جاسکتا جیسا کہ ابن مسکویہ (متوفی ۴۲۱ھ) کی رائے ہے۔

اس کا قول علامہ محمد مصطفیٰ مصری نے نقل کیا ہے وہ لکھتے ہیں: "یمایز ابن مسکویہ بین الحکمۃ والفلسفۃ، فھو یری ان الحکمۃ ھی فضیلۃ النفس الناطقۃ الممیزۃ[۵]" کہ ابن مسکویہ حکمت اور فلسفہ کے درمیان فرق کرتا ہے۔ اس کا خیال ہے کہ حکمت امتیاز پیدا کرنے والے نفس ناطقہ کی خوبی ہے۔

پھر حکمت کی تعریف نقل کرتے ہیں: "وھی: ان تعلم الموجودات کلھا من حیث ھی موجودۃ وان شئت فقل: أن تعلم الامور الالٰھیۃ والامور الانسانیۃ، وثمر علمھا بذلک ان تعرف المعقولات ایھا یجب ان یفعل وایھا یجب ان یغفل[۶]" یعنی حکمت، تمام موجودات کو موجود ہونے کے اعتبار سے جاننے کا نام ہے۔ اور بالفاظ دیگر، حکمت الٰہی اور انسانی امور کے جاننے کو کہتے ہیں۔ اس علم کے نتیجہ میں اس چیز کی معرفت حاصل ہو جائے گی کہ معقولات میں کس کا کرنا مناسب ہے اور کس کا چھوڑنا۔

آگے فلسفہ کے بارے میں لکھتے ہیں: اما الفلسفۃ، فلم یضع لھا ابن مسکویہ تعریفا ولکنہ قسمھا قسمین (۱) الجزئی النظری، (۲) الجزئی العلمی[۷]" کہ ابن مسکویہ نے فلسفہ کی کوئی تعریف نہیں کی، البتہ اس کی نظری اور علمی دو قسمیں کر دی ہیں۔

ایک چیز جس کو کبھی بھی نظر انداز نہیں کیا جاسکتا اور خاص کر اس وقت جبکہ کسی کو بھی اس کا انکار نہیں کہ پوری دنیا میں رواج پانے والا فلسفہ، یونان و روم کا فلسفہ ہے اور ان کے یہاں حکمت کا کوئی مفہوم نہیں کیونکہ یہ عربی لفظ ہے جو دانش کے معنی کے لئے وضع کیا گیا ہے۔ اس وجہ

بجودة التمييز، وكانت جودة التمييز انما تحصل لنا بقوة الذهن على ادراك الصواب؛ كانت قوة الذهن حاصلة لنا قبل جميع هذه - وقوة الذهن انما تحصل متى كانت لنا قوة، بها نقف على الحق انه حق يقين فنعتقده، وبها نقف على الباطل انه باطل بيقين فنتجنبه، ونقف على الباطل الشبيه بالحق فلا نغلط فيه، و نقف على ما هو حق في ذاته وقد اشبه الباطل فلا نغلط فيه ولا ننخدع؛ والصناعة التي بها نستفيد هذه القوة تسمى صناعة المنطق۔ (۱۱)

ذہن کی اس قوت سے جو صواب کا ادراک کرے اور ذہن کی یہ قوت سب سے پہلے حاصل ہوتی ہے۔ لیکن اس شرط کے ساتھ کہ اپنے پاس ایسی قوت موجود ہو جس کے بل بوتے پر ہم حق کو حق یقین جان کر اس کا اعتقاد رکھیں۔ باطل کو یقینی طور پہ باطل جان کر اس سے بچیں، باطل مشابہ بحق کو جان لیں تاکہ مغالطہ میں نہ پڑیں اور خالص حق مشابہ بباطل کو جان لیں تاکہ دھوکہ نہ کھا جائیں؛ پس یہ قوت جس صنعت سے مستفاد ہے اسی کو صنعت منطق کہا جاتا ہے۔

یہاں "فارابی" نے فلسفہ کے حصول کو اس قوت کے اوپر موقوف قرار دیا ہے، جو چیزوں کو ایک دوسرے سے ممتاز کر دیا کرتی ہے۔ اور اس قوت کا موقوف علیہ وہ ذہنی قوت ہے جس سے درست چیزوں کا ادراک ہوتا ہے۔ اور اس مدرک کے لیئے بھی ایک ایسی زبردست قوت کی ضرورت ہوتی ہے جس کی وجہ سے حق و باطل میں صحیح طور پہ امتیاز کیا جا سکے۔ اس قوت ممیزہ کا حصول جس صنعت سے ہو وہی صنعت منطق ہے۔

فارابی کے نزدیک اس تعریف کے بموجب علم منطق تمام علوم عقلیہ سے بالا تر ہے۔ یہی وجہ ہے کہ وہ منطق کو رئیس العلوم قرار دیتا ہے۔ اس کے بعد بو علی سینا (متوفی ۴۲۸ھ مطابق ۱۰۸۷ء) ٹھیک فارابی کے طریق کار کی پیروی کرتا نظر آتا ہے۔ وہ فلسفہ کی دو قسمیں کرتا ہے (۱) حکمت نظری اور (۲) حکمت عملی، پھر تمام اصولی و فروعی اقسام کو بیان کر لینے کے بعد منطق کی تعریف اس طرح

ایک مستقل بالذات ملکہ ہے جو علوم عقلیہ کے لئے بطور آلہ استعمال کیا جاتا ہے۔

اس بارے میں علمائے منطق کے نظریات دو طرح کے ہیں۔ ایک گروہ کا کہنا ہے کہ منطق فلسفہ کی قسم نہیں بلکہ وہ علیحدہ ایک فن ہے۔ اس گروہ کا سرغنہ فارابی (محمد بن محمد بن طرخان ملقب بمعلم ثانی: متوفی ۳۳۹ھ، ۹۵۰ء) ہے۔ چنانچہ وہ کہتا ہے:

الصنائع صنفان، صنف مقصوده تحصيل الجميل وصنف مقصوده تحصيل النافع، والصناعة التي مقصودها تحصيل الجميل فقط هي التي تسمى الفلسفة وتسمى الحكمة على الاطلاق

صنائع کی دو قسمیں ہیں ایک کا مقصد جمیل کا حاصل کرنا ہے۔ اور دوسرے کا مقصد نافع کا حاصل کرنا، اور اول ہی کو علی الاطلاق فلسفہ اور حکمت کہا جاتا ہے۔

......

ولما كان الجميل صنفين: صنف به يحصل معرفة الموجودات التي ليس للانسان فعلها، وهذه تسمى النظرية؛ والثاني به تحصل معرفة الاشياء التي شأنها أن تفعل، والقوة على فعل الجميل منها وهذه تسمى الفلسفة العملية والفلسفة المدينة؛ والفلسفة النظرية: تشتمل على ثلاثة اصناف من العلوم: أحدها علم التعليم، والثاني العلم الطبيعي والثالث علم ما بعد الطبيعيات۔ (۱۰)

اور جمیل کی دو قسمیں ہیں: ان میں سے ایک کو نظری کہتے ہیں: جس سے ایسے موجودات کی معرفت حاصل ہوتی ہے جن میں تصرف کرنا انسان کے بس کا روگ نہیں۔ پھر نظری، تعلیمات، طبعیات اور مابعد الطبعیات میں منقسم ہو جاتی ہے اور دوسری نوع سے چونکہ ایسی چیزوں کی معرفت حاصل ہوتی ہے۔ جن کا کرنا انسان کے بس میں ہے اور ان میں سے بہتر کام کے کر لینے پر قدرت بھی حاصل ہوتی ہے۔ اس لئے اس کی بھی عملی اور مدنی دو قسمیں ہوئیں۔

فلسفہ کے ان جملہ اقسام مذکورہ کو بیان کر لینے کے بعد وہ منطق کو زیر بحث لاتا ہے۔

وأقول لما كانت الفلسفة إنما تحصل

فلسفہ حسن تمیز کے ذریعہ حاصل ہوتا ہے اور حسن تمیز

اس سے اتنی بات واضح ہو سکتی ہے کہ منطق ارسطو کے نزدیک فلسفۂ عملی کی ایک قسم اور سیاست مدینہ کی قسیم ہے جیسا کہ بحث کے آخر میں دئے گئے نقشے سے ظاہر ہے۔

"زینو" جس نے "مذہب رواقی" کی بنیاد ڈالی، منطق کو فلسفہ کی ایک شاخ بتاتا ہے۔ چنانچہ اس کا یہ نظریہ، عصر حاضر کے عظیم مورخ پروفیسر احمد امین مصری نے اس طرح لکھا ہے:

کان زینو یری ان المعرفة العلمیة شرط اساسی للحیاة الاخلاقیة و لذا افقد قسم فلسفتہ الی ابحاث ثلاثة: المنطق، والطبیعیة، والاخلاق[15] یعنی زینو کا خیال ہے کہ معرفت علمیہ حیات اخلاقیہ کے لئے بنیادی شرط ہے۔ اسی لئے اس نے اپنے فلسفہ کو منطق، طبعیات اور اخلاقیات کو تین حصوں میں بانٹ دیا۔

زینو نے ارسطو کے نظریہ کی پیروی سے انکار ہی نہیں کیا اس کی شدید مخالفت بھی کی۔ کیونکہ ارسطو نے منطق کو براہ راست فلسفہ کی قسم نہیں قرار دیا ہے جیسا کہ زینو نے کیا۔ بلکہ اس نے منطق کو فلسفہ کی قسم القسم قرار دیا ہے۔ یہیں سے دونوں کے منطقیانہ رجحانات کا اندازہ لگایا جا سکتا ہے۔

اخوان الصفا (جو چوتھی صدی ہجری کے نصف آخر میں سرگرم عمل تھے) لکھتے ہیں: والعلوم الفلسفیة اربعة انواع: أولها الریاضیات، والثانی المنطقیات، والثالث العلوم الطبیعیات، والرابع العلوم الالٰهیات۔[16]

فلسفیانہ علوم چار قسم کے ہیں: پہلی قسم: ریاضیات، دوسری منطقیات، تیسری طبعیات اور چوتھی الٰہیات ہے۔ دوسری جگہ اسی چیز کو ان الفاظ میں بیان کیا ہے: واما العلوم الفلسفیة فهی اربعة انواع، منها الریاضیات ومنها المنطقیات ومنها الطبیعیات ومنها الالٰهیات۔[17]

فلسفۂ تاریخ کے بانی علامہ ابن خلدون نے اپنی مشہور تاریخ کے مقدمہ کا چھٹا باب علوم کے بیان میں قائم کیا ہے۔ اس کی ایک بحث "العلوم العقلیة واصنافها" میں فرماتے ہیں: "وتسمی هذه العلوم (العلوم العقلیة) علوم الفلسفة والحکمة: وهی مشتملة علی اربعة علوم:

شروع کرتا ہے

وإذ قد أتی وصفنا علی الاقسام الاصلیة والفرعیة للحکمة، فقد حان لنا ان نعرف اقسام العلم الذی هو آلة للانسان، موصلة الی کسب الحکمة النظریة والعملیة، واقیة عن السهو والغلط فی البحث والروية، مرشدة الی الطریق الذی یجب ان یسلك فی کل بحث ومعرفة حقیقة الحد الصحیح ...... وهو صناعة المنطق۔(۱۲)

اور جب ہم حکمتوں کے اصلی اور فرعی اقسام بیان کر چکے، تو اب ہم اس علم کے اقسام ذکر کرتے ہیں جو تحصیل حکمتِ عملی و نظری میں انسان کے لئے آلہ ہے۔ جو آدمی کو بحث و مباحثہ میں خطا اور لغزش سے بچاتا ہے، اور وہ راستہ دکھاتا ہے جس پر ہر ایک مباحثہ میں اس کو چلنا مناسب ہے اور وہ علم منطق ہے۔(۱۳)

ابن سینا کی اس تعریف سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ منطق کو علوم عقلیہ کے لئے ایک آلہ کی حیثیت سے پیش کرتا ہے۔ اسی لئے اس نے منطق کو خادم العلوم بتایا ہے۔

دوسرا گروہ وہ ہے جو منطق کو فلسفہ کی ایک قسم قرار دیتا ہے اس جماعت کا قائد، منطق کا مدون اور مرتب ارسطو ہے۔ وہ منطق کو فلسفہ کی دو قسموں میں سے ایک قرار دیتا ہے۔ چنانچہ عبد اللہ آفندی نے اس کا نظریہ ان الفاظ میں نقل کیا ہے۔

قسم أرسطو الفلسفة علی قسمین "عملیة" و "نظریة" فالعملیة: هی التی تعلمنا قواعد بها تستقیم الترتیبات العقلیة کالمنطق أو تفید نا حکما وامثالا لترتیب معاشنا ومعادنا فهذا هو الحکمة العملیة والسیاسیة والنظریة: هی التی تظهر لنا الحقائق العقلیة الخالصة مثل علم الالهیات والطبیعیات(۱۴)

ارسطو نے فلسفہ کی دو قسمیں کی ہیں (۱) عملی اور (۲) نظری، عملی وہ ہے جو ہمیں یا تو ایسے قواعد سکھاتی ہے جن کے ذریعہ عقلی اشیاء ٹھیک طریقہ پر مترتب ہوتی ہیں۔ جیسے منطق۔ یا ہمارے معاش و معاد کو بہتر بنانے کے لئے ہمیں حکمتیں اور دلیلیں بتاتی ہے۔ یہی حکمت عملی وسیاسی ہے۔ اور نظری وہ ہے جو ہمارے لئے خالص عقلی ظاہر کرے جیسے الٰہیات اور طبیعیات۔

محشی "عین القضاۃ" (متوفی ۱۳۴۳ھ) نے بھی اس کی تائید کی ہے۔

میبذی لکھتے ہیں:

واختلفوا فی ان المنطق من الحکمۃ أم لا؟ فمن فسرھا بخروج النفس الی کمالھا الممکن فی جانبی العلم والعمل جعلہ منھا، بل جعل العمل ایضا منھا، وکذا من ترک الاعیان من تعریفھا جعلہ من أقسام الحکمۃ النظریۃ اذ لا یبحث فیہ الا عن المعقولات الثانیۃ التی لیس وجودھا بقدرتنا واختیارنا، وأما من فسرھا بما ذکرناہ وھو المشھور فیما بینھم فلم یعدہ منھا۔[۲۳]

فلاسفہ کا اس بارے میں اختلاف ہے کہ منطق حکمت میں داخل ہے یا نہیں؟ تو جن لوگوں نے حکمت کی تعریف اس طرح کی کہ علم و عمل کے دونوں جانب میں کمالِ ممکن حاصل کرنے کے لئے نفس کا نکل جانا، انھوں نے علم ہی کو نہیں بلکہ عمل کو بھی حکمت کی قسم مانا ہے اور ایسے ہی جنھوں نے حکمت کی تعریف سے "اعیان" کی قید ہٹادی انھوں نے منطق کو حکمت نظری کے اقسام سے گردانا ہے اس وجہ سے کہ منطق میں معقولات ثانیہ سے بحث ہوتی ہے۔ جن کا وجود ہماری قدرت و اختیار میں نہیں ہوتا۔ (جس طرح سے بہت سے امور حکمت میں داخل ہیں، باوجودیکہ ہم ان کے وجود پر قادر نہیں ہوتے) اور جنھوں نے ہماری تعریف کے مطابق، وہ تفسیر کی ہے جو فلاسفہ کے درمیان مشہور بھی ہے۔ انھوں نے منطق کو حکمت کی قسم نہیں شمار کیا ہے۔

سید شریف جرجانی (متوفی ۸۱۶ھ) اسی کے قائل ہیں۔ وہ کہتے ہیں:

الحق دخول العمل فی الحکمۃ، فتکون مرکبۃ من علم وعمل فان کان کمال الانسان

حق یہ ہے کہ عمل حکمت میں داخل ہے تو اس صورت میں فلسفہ، علم اور عمل سے مرکب ہوگا، کیونکہ

الاول : علم المنطق[۱۸] یعنی علوم عقلیہ کو علوم فلسفہ اور حکمت کہتے ہیں اور یہ چار علوم پر مشتمل ہے۔ پہلا علم منطق ہے۔

ان چاروں علوم کی تفصیل بیان کر لینے کے بعد لکھتے ہیں : فهذه اصول العلوم الفلسفية، وهي سبعة : المنطق وهو المقدم منها، وبعده التعاليم (فالارثماطيقي اولا، ثم الهندسة، ثم الهيئة، ثم الموسيقى)؛ ثم الطبيعيات، ثم الالهيات۔[۱۹]" یہ ہیں علوم فلسفہ کے اصول، اور یہ سات ہیں : منطق ان میں سب سے پہلی ہے، اس کے بعد تعلیمات (یعنی پہلا ارتھمیٹک، پھر ہندسہ، پھر ہیئت، پھر موسیقی، پھر طبعیات، پھر الہیات)

علامہ موصوف نے بھی ان عبارتوں میں منطق کو فلسفہ کی ایک قسم قرار دیا ہے۔

اس سلسلے میں جدید مغربی نظریات بھی قابل ملاحظہ ہیں۔ چنانچہ "آس والڈ کلپے" کہتا ہے کہ ہیگل کی تقسیم کے مطابق علم کی کل چھ منزلیں ہوتی ہیں۔ مطلقاً مبدأ علم سے بحث کرنے والے کو وہ "فینا مینالوجی آف مائنڈ" (علم آثار ذہن) قرار دیتا ہے۔ ان میں سب سے بالاتر علم، علم مطلق ہے۔ جس تک منطقی اسلوب (نہ کہ نفسیاتی اسلوب) کے ذریعہ آہستہ آہستہ رسائی ہوتی ہے۔[۲۰]

آگے چل کر کلپے اپنی رائے اس طرح ظاہر کرتا ہے کہ "فلسفہ کی عام تعلیمات میں ہم مابعد الطبیعیات، منطق اور علم معقولاتِ عامہ کو شامل کرتے ہیں۔[۲۱]"

منطق، فلسفہ کی ایک قسم ہے یا نہیں ؟ اسے جاننے کے لئے بہترین فیصلہ وہ ہے جو صاحب میبذی حسین ابن معین الدین (متوفی ۹۰۴ھ) نے کیا ہے۔ چنانچہ وہ فلسفہ کی تعریف ان الفاظ میں کرتے ہیں۔ "ان الحكمة علم باحوال اعيان الموجودات على ما هي عليه في نفس الامر بقدر الطاقة البشرية"[۲۲] حکمت : موجودات خارجیہ کے صحیح احوال کو بحد طاقت بشری جاننا ہے۔

اس سے اتنی بات واضح ہو گئی کہ علامہ میبذی منطق کو فلسفہ سے خارج مانتے ہیں۔ کیونکہ وہ اقسامِ فلسفہ کو بالتفصیل بیان کر لینے کے بعد منطق کے سلسلے میں اختلاف نقل کرتے ہوئے دونوں گروہوں کی تعریفات کا فرق بیان کرتے ہیں۔ جس سے منطق فلسفہ کی قسم نہیں قرار پاتی ۔ چنانچہ

(۲) ہندسہ : منطق کا تعلق ہندسہ سے اس طرح کا ہے کہ منطق اس سے مستفاد ہے۔
چنانچہ ابن تیمیہؒ (۶۶۱ھ - ۷۲۸ھ) فرماتے ہیں:

کان مبداء وضع "المنطق" من "الهندسة" فجعلوه اشکالاً کالاشکال الهندسية وسموا "حدودا" کحدود تلك الاشكال، لينتقلوا من الشكل المحسوس الى الشكل المعقول۔(۲۵)

منطق کو وضع کرنے کی ابتداء ہندسہ پر قیاس کرنے سے ہوئی۔ چنانچہ فلسفیوں نے اشکال ہندسیہ کی طرح سے اشکال متعین کئے، اوران اشکال کے حدود کی طرح اس کے لئے بھی حدود کا نام منتخب کیا، تاکہ شکل محسوس سے شکلِ معقول کی طرف منتقل ہوسکیں۔

(۳) نفسیات : انسان کو ایک ایسی قوت کا فیضان قدرت کی جانب سے ہوا ہے جس کی وجہ سے وہ بہت سے وقائع وحوادث اور رذائل ومحاسن کا ادراک کرتا ہے اور اس شعور کے نتیجے میں وہ آئندہ وجود میں آنے والے دوسرے واقعات کی خبریں معلوم کرلیا کرتا ہے۔ اگر وہ رذائل سے متعلق ہوتے ہیں تو ان سے کنارہ کش ہوجاتا ہے اور اگر خوبی کے جنس سے ہوتے ہیں تو ان کو عملی طور پر اختیار کرنے کے لئے آمادہ رہتا ہے۔

اس اجمال کی تفصیل اس وقت تک مکمل نہیں ہوسکتی جب تک کہ نفسیات، اخلاقیات اور سائنس کے اوپر اجمالی نظر ڈال کر یہ نہ دیکھ لیں کہ علم منطق سے ان کے کتنے گہرے تعلقات ہیں۔ اور منطق ہر ایک کے اندر کس حد تک جاری وساری ہے۔

انسان کو اللہ تعالیٰ نے ایک خاص قسم کی قوت ودیعت کر رکھی ہے جس کے ذریعہ وہ بے شمار اشیاء کے بارے میں بہت سی چیزوں کا احساس کرتا ہے۔ لیکن اس کی یہ قوت احساس جو حواس خمسہ ظاہرہ سے حاصل شدہ علم ہے۔ تمام حیوانوں (انسان وحیوان) کے درمیان مشترک ہوتی ہے۔

چنانچہ محمد سلیم شریف احساس کو بیان کرتے ہوئے کہتے ہیں۔

لا یحصل بمجرد العلم، ولذالک قیل: انسان کا کمال صرف علم سے نہیں حاصل ہوتا۔ اسی
الحکمۃ خروج الانسان الی کمالہ الممکن بنا پر کہا گیا ہے کہ علم و عمل کے دونوں جانب میں
فی جانبی العلم و العمل"(۲۴) انسان کا اپنے کمالِ ممکن کی تلاش میں نکل جانا
حکمت ہے۔

حقیقت یہ ہے کہ منطق، فلسفہ ہی کی ایک قسم ہے جو اس کے تمام انواع کے اندر جاری و ساری ہے۔ فلسفہ کو منطق کی اس حد تک ضرورت ہے کہ اس کا کوئی مسئلہ بغیر منطق کی مدد کے مکمل نہیں ہوسکتا۔ لیکن چونکہ امام رازی (متوفی ۶۰۶) اور پھر افضل الدین خونجی (متوفی ۶۰۰ غالباً) نے اسے فلسفہ سے الگ کر کے ایک مستقل فن کی حیثیت دے دی ہے۔ اس وجہ سے اگر منطق کو فلسفہ سے الگ ایک مرکزِ فکر اور مہذبِ آثارِ ذہن کہا جائے تو کوئی مضائقہ نہیں ہے۔

نقشے
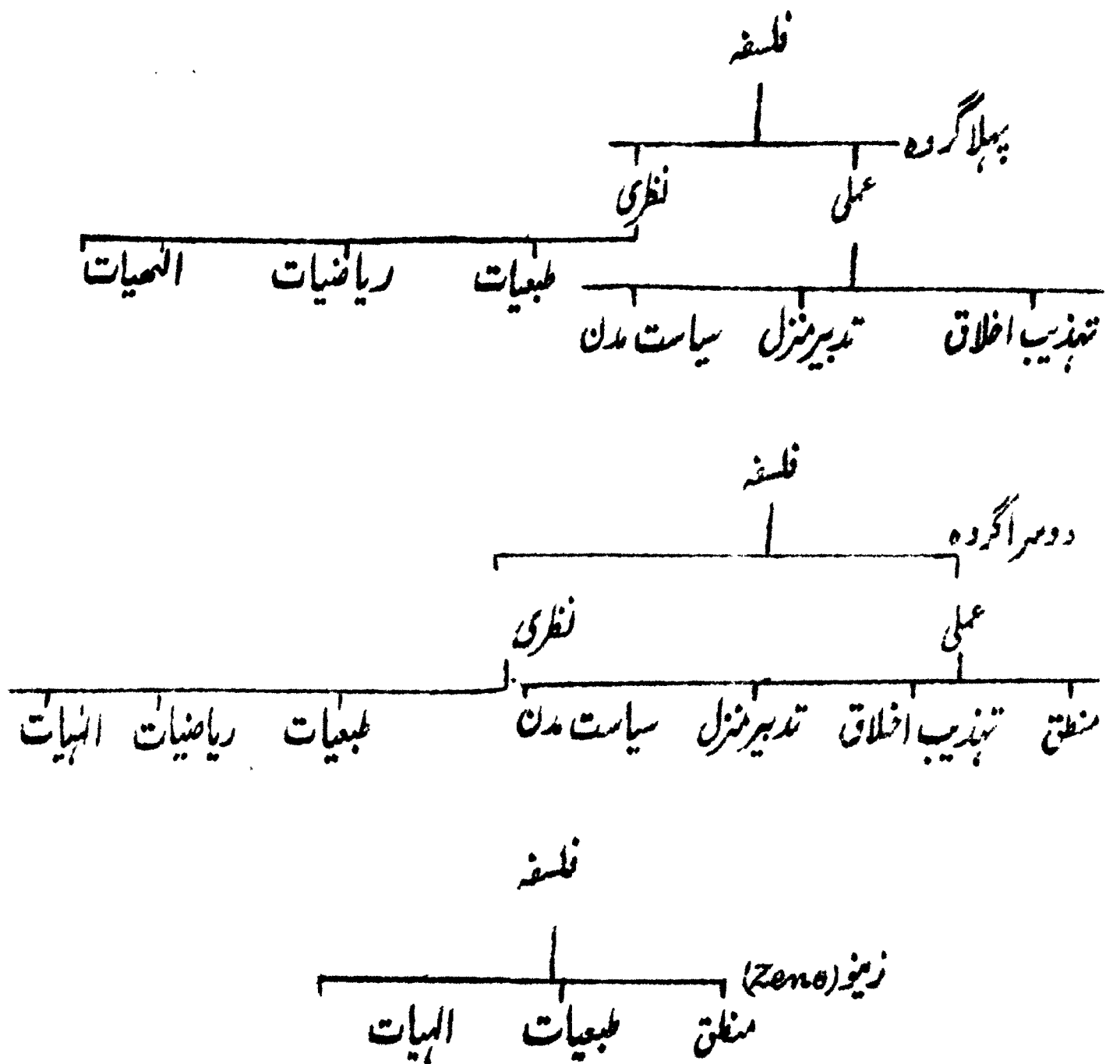
اشیاء حاصل ہوتی ہیں (۲) وجدان : جس سے فکری اثرات حاصل ہوتے ہیں اور فکر ہی کے ذریعہ استخدام عقل (عقل کی معاونت) کے ساتھ اس چیز پہ قدرت ہوجاتی ہے کہ معارف کو حاصل کر کے محفوظ رکھیں اور بوقت ضرورت پیش کرسکیں ۔ اور فکر، احساس و ارادہ سے متغایر بھی ہوتا ہے۔ کیونکہ فکر ایسی عرفانی قوت ہے جو احساس و ارادہ کے برعکس جہالت کے بعد علم حاصل کر لیتی ہے ۔ اور یہ دونوں فکر جیسی قوت نہ ہونے کے باعث علم بعد الجہل سے محروم رہ جاتی ہیں ۔ احساس تو اس وجہ سے کہ وہ ایسی میلانی قوت ہے جو حدوث لذت کے وقت اس کی رغبت کرتی اور حدوث الم کے وقت اس سے نفرت کرتی ہے ۔ اور ارادی اس لئے کہ وہ ایسی عزمی قوت ہے جو فعل کو عدم سے وجود میں لاتی اور وجود سے عدم میں لے جاتی ہے ۔ گویا کہ احساس، علم کا مبنیٰ، مخرج اور اصل قرار پایا، کیونکہ احساس، شعور اور ادراک پر مشتمل ہوتا ہے ۔ اور اس ترکیب سے حس اور وجدان کا ظہور ہوتا ہے ۔ اور وجدان ہی سے فکر حاصل ہوتا ہے جو عقل کی معیت میں علوم و معارف کے خزانوں پر قبضہ جما لیتا ہے ۔

یہ ہیں احساس باطنی کے کرشمے، جن کے بارے میں ابیقور (۳۴۲ ۔ ۱۷۱ یا ۲۷۲) کا خیال عبداللہ آفندی پیش کرتے ہیں :

ان القوی الباطنیه اکثر احساسا وتاثرا من القوی الظاهریة، وعلل ذلك بان الجسم لا یتأثر من الالم الا وقته بخلاف العقل فانه یتاثر بالحال والماضی والمستقبل (۲۹)۔

قوائے باطنیہ، قوائے ظاہرہ کے اعتبار سے بہت زیادہ احساس کرتی اور متاثر ہوتی ہیں۔ اس کی تعلیل وہ یوں کرتا ہے کہ اس وجہ سے کہ جسم الم کے آجانے پر ہی متاثر ہوتا ہے ۔ اس کے برخلاف عقل ماضی، حال اور مستقبل ہر زمانے میں اثر قبول کرتی رہتی ہے ۔

معقولات ثانیہ کی بحث میں یہ بتایا جا چکا ہے کہ علم منطق کے اندر جن چیزوں سے بحث ہوتی ہے وہ ایسے موجودات ہیں جو صرف اور صرف ذہن میں پائے جاتے ہیں ۔ یعنی علم منطق کا موضوع

الاحساس مشترك بين الانسان وبين سائر انواع الحيوان ويكون مصحوباً غالباً بالعلم النفسی اعنی الشعور والدرایة، وبادراك نوع اللذة والالم، وادراك الشیئ الذی تکون به اللذة، والشیئ الذی یکون به الالم[26]

احساس انسان اور تمام انواع حیوان کے درمیان مشترک ہے، اور یہ اکثر علم نفسی (یعنی شعور و درایت) اور نوع لذت والم کے ادراک اور اس شئی کے ادراک پر مشتمل ہوتا ہے جس سے لذت اور الم ہوتا ہے۔

یہ تو احساس کی بات ہے کہ وہ علم نفسی اور ادراک کے بالکل ساتھ ساتھ ہوتا ہے۔ لیکن جہاں تک نفس ادراک کا تعلق ہے تو وہ شعور کے بغیر پایا ہی نہیں جاتا کیونکہ شعور بالکلیہ مفقود نہیں ہوتا۔ اس لئے کہ وہ نفس کا ایک ایسا خاصہ ہے جو ادراک سے چمٹا ہوا رہتا ہے۔ اگر شعور بالکلیہ ختم ہوجائے تو ادراک بھی معطل ہوجائے گا۔[27]

ایک بات یہاں ذہن میں چبھتی ہوئی معلوم ہوتی ہے کہ انسان احساس کے معاملہ میں تمام حیوانات کی صف میں کھڑا کر دیا گیا ہے۔ یہ اتحاد دونوں کے درمیان صرف ابتدائی مراحل میں ہوتا ہے یا انتہائی مراحل تک بھی موافقت پائی جاتی ہے۔ اس کا جواب دیتے ہوئے وہ لکھتے ہیں:

والفرق بین احساس الحیوان واحساس الانسان هو ان احساس الحیوان دائماً موکول بالغریزة، واما احساس الانسان فانه یکون بادئ بدء بالغریزة ثم ینقاد الی سلطة القوة الفکریة والقوة الارادیة۔[28]

حیوان اور انسان کے احساس کے درمیان فرق یہ ہے کہ حیوان کا احساس ہمیشہ حکم طبع کے سپرد ہوتا ہے اور انسان کے احساس کا آغاز طبیعت سے ہوتا ہے پھر وہ قوت فکریہ اور قوت ارادیہ کے زیر اثر ہوجاتا ہے۔

احساس کی بنیادی طور پر دو قسمیں کی جاتی ہیں۔ (۱) حس: جس سے قوت طبعیہ کی ظاہری

(۴) سائنس : احساس سے لے کر افکار تک کی ساری بحثیں نفسیات کا وظیفہ ہیں۔ اور افکار سے تصور و تصدیق اور استدلال تک کے مباحث میں منطق کارفرما ہوتی ہے۔ ابھی یہ علم ذہنی کاوشوں سے فارغ ہوتا ہے کہ ان کو عملی جامہ پہنانے کے لئے ایک دوسرا علم آگے بڑھتا ہے۔ جسے ہم اصطلاح میں سائنس کہتے ہیں۔ سائنس : خارجی اشیاء یا مادی عناصر کے اندر تگ و دو کرتی ہے۔ لیکن یہی سائنس جو مختلف قسم کے حوادث کی تشریح و ترتیب، عالم کے سامنے پیش کرتا ہے۔ اگر اس کی تشریح مطلوب ہو تو ہمیں منطق کا سہارا لینا ہوگا۔ اور اسی کے ذریعہ کائنات کی تشریح و توضیح ہو سکے گی۔ گویا متفرق واقعات کی ترتیب و تشریح سائنس کے ذریعہ ہوتی ہے۔ لیکن سائنس بھی انھیں منتشر امور کی طرح ایک دوسری چیز کا محتاج ہوتی ہے۔ جو اس کی توضیح کرے اور اس ضرورت کو پوری کرنے والی شئے کا نام منطق ہے، اسی چیز کو مولانا عبدالماجد دریابادی کے الفاظ میں یوں سمجھئے کہ "سائنس اگر معلوماتِ متفرق کی تعبیری پیش کرتی ہے تو کہہ سکتے ہیں کہ منطق اصنافِ سائنس کی تعبیری کا نام ہے"۔[۴۳]

(۵) اخلاقیات : اخلاق انسان کا ایک قیمتی سرمایۂ حیات ہے۔ آدمی کے اچھے اور برے ہونے پر استدلال اسی ایک خصلت کے واسطہ سے کیا جاتا ہے۔ اگر اخلاقی قوت کسی کے اندر بہت زیادہ مقدار میں ہو تو اسے اعلیٰ درجہ کے اخلاق پر فائز سمجھا جاتا ہے اور اگر بہت کم مقدار میں ہو تو اسے ادنیٰ درجہ اخلاق ملتا ہے۔ غرضیکہ جس مقدار میں اخلاقی قوت کی کارفرمائی قوائے انسانی پر ہوتی ہے اسی کے مطابق اعلیٰ اور اسفل درجات حاصل ہوتے ہیں۔ ان چیزوں کو سمجھنے کے لئے سب سے زیادہ ضرورت احساس کی پڑتی ہے کیونکہ اسی قوت کے ذریعہ ہم طیب اور خبیث کا ادراک کرتے ہیں۔ اور پھر ہوتے ہوتے جب اس چیز پر استدلال کر کے مطمئن ہو جاتے ہیں کہ فلاں چیز درحقیقت عقل کی رو سے قابل اخذ ہے اور فلاں چیز قابل ترک ہے۔ تب جا کر منطق کا وظیفہ ختم ہوتا ہے۔ لیکن حسن و قبح کی معرفت جب تک اخلاقی قوت کو حاصل نہ ہونے لگے۔ منطق اپنی فکری اور استدلالی سرگرمی سے باز نہیں آتی۔ چنانچہ زینو Zeno

موجودات ذہنیہ ہیں اور علم نفس کے اس مختصر سے تعارف میں یہ بات وضاحت سے بتائی گئی ہے کہ اس کے اندر جن چیزوں سے بحث ہوتی ہے اس کی ایک اہم کڑی "فکر" ہے۔ جس کے بارے میں عبدالحمید کاتب (متوفی ۱۳۲ھ) نے کہا ہے: الفکر بحر لؤلؤہ الحکمۃ، وفیہ ری العقول الظمیئۃ[۳۰] یعنی فکر ایک سمندر ہے جس کا موتی حکمت ہے اور اسی کے اندر پیاسی عقلوں کی سیرابی ہے۔ غرضیکہ منطق کا کام بغیر فکر کے کبھی چلنے والا نہیں ہے۔

ان چیزوں کو ذہن نشین کر لینے کے بعد یہ بات جان لینی دشوار نہ ہوگی کہ علم نفس اپنا وظیفہ ختم کرتا ہے کہ فوراً علم منطق اس کی گاڑی آگے بڑھاتا ہے۔ چنانچہ میر ولی الدین پروفیسر سلی کا قول اس طرح نقل کرتے ہیں کہ:

"وقوف کی نفسیات منطق کے علم کا مبنیٰ و اساس ہے جو ان قوانین و قواعد کو منضبط کرتی ہے جن کے ذریعہ سے ہم یہ معلوم کر سکتے ہیں کہ ہم صائب طریقہ سے فکر و استدلال کر رہے ہیں"[۳۱]۔

نفسیات اور منطق میں بہت ہی گہرا اور اہم ربط یہ ہے کہ اشیاء کا تعقل فکر ہی میں ہو جایا کرتا ہے۔ اس کے لئے الفاظ کی ضرورت پیش نہیں آتی۔ یا بالفاظ دیگر استدلال کا کام ذہن ہی میں ہو جایا کرتا ہے۔ اسی لئے الفاظ کی بحث کتب منطق میں محض ضمناً رکھی گئی ہے۔ کیونکہ منطقی امور کا افادہ اور اس سے استفادہ الفاظ ہی کے ذریعہ ہو سکتا تھا۔ ورنہ الفاظ کی بحث کے بغیر صرف فکر سے منطقی اعمال مکمل ہو جاتے۔ لیکن یہ نظریہ مسلّمہ جمہور نہیں ہے۔ چنانچہ میر صاحب اس اختلاف کی طرف اشارہ کرتے ہوئے رقمطراز ہیں کہ نفسیات اور منطق کے علماء کے نزدیک یہ ایک متنازعہ فیہ مسئلہ رہا ہے (کہ آیا تعقلات کا وجود بغیر الفاظ کے ممکن ہے) بعض کا خیال ہے کہ فکر بغیر زبان کی مدد کے ہو سکتا ہے۔ اور بعض کی رائے میں نہیں ہو سکتا۔ میکس مولر نے اس چیز کو بار بار دہرایا ہے۔ اور ایک حد تک ثابت کر دینے کی کوشش بھی کی ہے کہ فکر و زبان ایک ہیں..... گو اس کے نظریات بھی قابل تسلیم نہیں۔ تاہم اس قدر تو عملاً مان لیا گیا ہے کہ استدلال الفاظ کے ذریعہ کیا جاتا ہے[۳۲]۔

الفاظ سے یاد کیا ہے۔ یہ تو منطق کی صوری اور مادی اعتبار سے تقسیم ہوئی جو متقدمین کے یہاں نہیں پائی جاتی۔ اس "اعتبار" کی قید سے اگر آزاد ہو کر منطق پر نظر ڈالی جائے تو متقدمین کے نزدیک اس کی کل آٹھ قسمیں ہیں۔ بلکہ بعض کے نزدیک اس سے بھی کم، اور متاخرین کے نزدیک کل نو قسمیں دیکھنے میں آئیں گی۔ متقدمین سے میری مراد فرفریوس صوری (۲۳۲ - ۳۰۴ ء) سے پہلے کے منطقیین۔ اور متاخرین سے، اس کے بعد کے اکثر منطقیین ہیں۔ کیونکہ اسی نے منطق کا مقدمہ لکھا تھا۔ جسے ایساغوجی کے نام سے شہرت ملی۔ اور منطق کا ایک جز بن گئی۔

امام رازیؒ ف (۶۰۶ھ) کے زمانہ میں تو منطق کی صورت بالکل بدل گئی۔ کیونکہ اس میں بہت زیادہ ترمیم کر دی گئی۔ اور اب موجودہ منطق مفردات، قضایا، احکام قضایا، قیاس اور موادِ قیاس کے اندر محصور ہو کر رہ گئی۔

ان تمام کو ذیل کے نقشوں میں واضح طور پر دیکھا جا سکتا ہے۔

متقدمین

طبعی منطق — وضعی منطق

مقولات، عبارہ، تحلیل قیاس، برہان، جدل، سفسطہ، خطابت، شعر

یعنی بحث اجناس عالیہ — یعنی قضایا تصدیقیہ

وضعی منطق

متاخرین

تصور — تصدیق

مدخل یا ایساغوجی، مقولات، عبارہ، قیاس، برہان، جدل، سفسطہ، خطابت، شعر

مسمہ بہ "قول شارح"، قضایا، تناقض، عکس، قیاس کے مباحث پر مشتمل ہوتا ہے۔
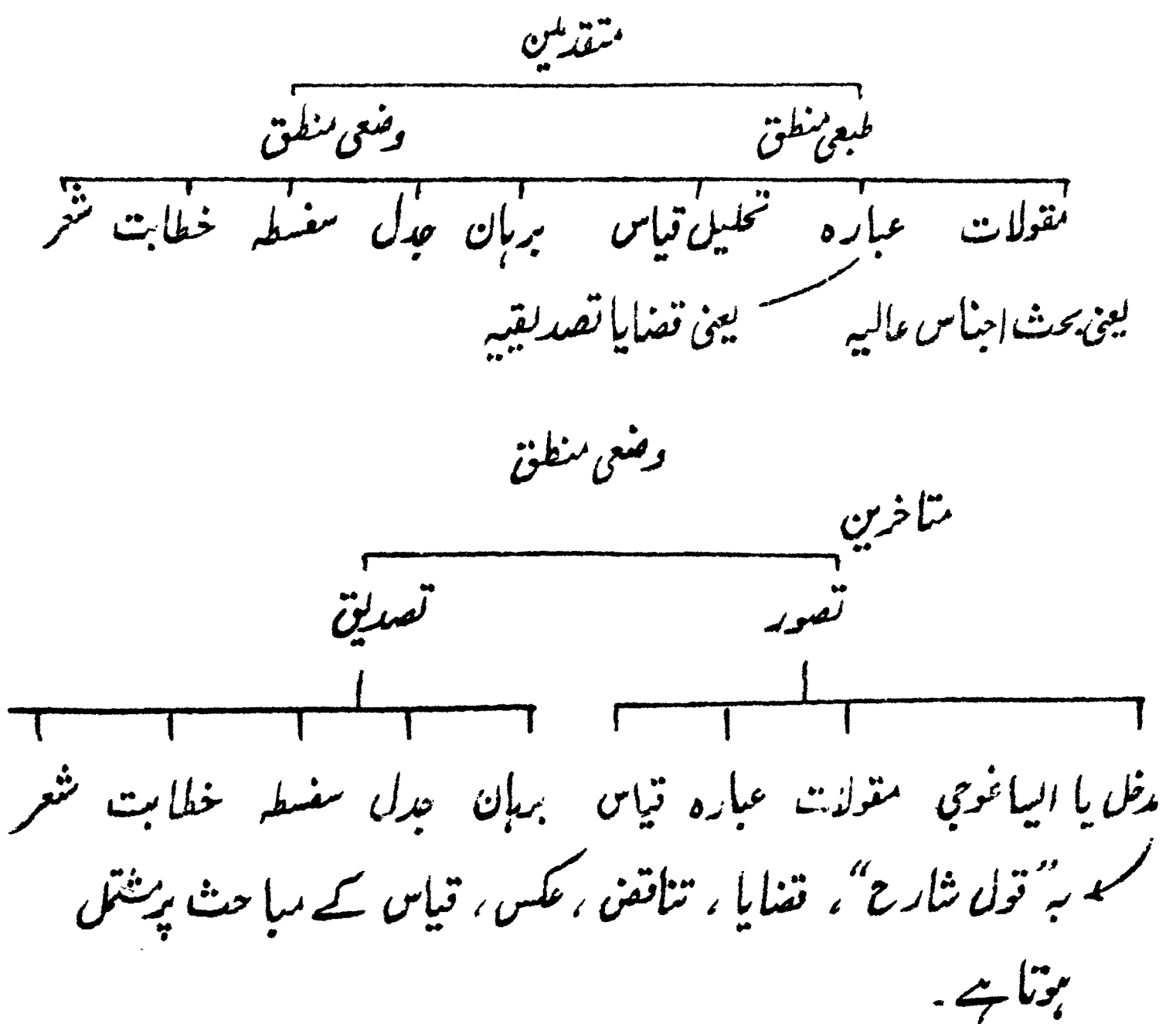
جو رواقیت کا مؤسس ہے) کا خیال ہے کہ منطق، طبعیات اور اخلاقیات کے لئے وسیلہ ہے۔ اس رائے کی ترجمانی ڈاکٹر احمد مصری اس طرح کرتے ہیں:

کان زینو یری ان المعرفة العلمیة شرط اساسی للحیاة الاخلاقیة، ولذا فقد قسم فلسفته الی ابحاث ثلاثة، المنطق، والطبیعیات والاخلاق، علی ان یکون الاولان وسیلتین تؤدیان الی الثالث وھو الغایة المنشودة۔ (۳۴)

زینو اخلاقی زندگی کے لئے علمی معرفت کو بنیادی شرط قرار دیتا ہے اسی لئے اس نے اپنے فلسفہ کی تقسیم تین مباحث (۱) منطق (۲) طبعیات (۳) اور اخلاقیات کی طرف اس بنا پر کی کہ پہلے کے دو تیسرے کے لئے وسیلہ ہوں جو غایت مطلوب یعنی اخلاق تک پہنچا دیں۔

منطق کی تقسیم اور اس کے مباحث

منطق کی بنیادی طور پر دو قسمیں کی جاسکتی ہیں۔ ایک تو وہ ہے جو ذہن و دماغ میں قدرتی طور پر رکھدی گئی ہے۔ اس سے ہر عاقل غور و فکر میں مدد لیتا، صحیح طریقے پر استدلال کرتا اور قیاسات کی صحت اور عدم صحت کو جان لیتا ہے۔ لیکن اس کو یہ شعور نہیں ہوتا کہ آیا ہم کسی قوت کی وجہ سے ایسا کر رہے ہیں جو ہماری عقل میں پیوست ہے یا کسی چیز کی معاونت کے بغیر یہ خوبی ہمارے اندر پیدا ہوگئی ہے۔ بہر حال یہی قوت جس کا ادراک عام طور پر نہیں ہوتا۔ دراصل منطق ہے جسے ہم طبعی منطق کا نام دے سکتے ہیں۔

دوسری قسم کی منطق وہ ہے جس کے لئے اصول وقوانین مرتب کر لئے گئے ہیں۔ ان کے ذریعہ تفکر و تدبر میں غلطی سے بچا جاتا ہے اور صحیح طریقے پر فکری اعمال انجام دینے کے لئے پوری قوت پیدا کی جاتی ہے۔ یہ اپنی قسیم کی طرح وہبی نہیں بلکہ کسبی ہے۔ اس میں ہر فعل و عمل کے ساتھ احساس اور شعور پایا جاتا ہے اس طرح کی منطق کو وضعی منطق کہا جاتا ہے۔

فارابی نے مبادی الفلسفة القدیمہ میں منطق کو دو حصوں میں تقسیم کر دیا ہے۔ وہ اول کو تصور اور ثانی کو تصدیق کا نام دیتا ہے۔ تصور میں افکار اور تعریفات کو اور تصدیق میں استدلال اور رائے کو داخل کرتا ہے۔ انھیں قسموں کو ابن خلدون نے منطق الصورة اور منطق المادہ کے

۵۔ منطق ابتدائی (از جیمس اڈون کرائیٹن مترجم احسان احمد بی اے جامعہ عثمانیہ) ب ا ص ۱

۶۔ ماخوذ از مقدمہ قصۃ الفلسفۃ الیونانیہ للدکتور احمد امین وزکی نجیب محمود، طبع مصر ۱۹۳۵ء

۷۔ تاریخ فلاسفۃ الاسلام ص ۳۱۱ طبع ....

۸۔ ملل ونحل ج ۱ ص ۲۲۹ طبع مصر ۱۲۶۳ھ

۹۔ فلسفہ کی پہلی کتاب ص ۴

۱۰۔ التنبیہ علی سبیل السعادۃ ص ۲۰ طبع حیدر آباد بحوالہ تمہید لدراستۃ الفلسفۃ الاسلامیہ ص ۵۲

۱۱۔ نفس حوالہ ص ۲۱ بحوالہ تمہید ص ۵۳

۱۲۔ رسالہ اقسام العلوم العقلیہ بحوالہ تمہید ص ۶۱

۱۳۔ رسالہ اقسام العلوم العقلیۃ مع جامع العلوم وحدائق الانوار (امام رازی) اردو ترجمہ ص ۳۳۱

۱۴۔ تاریخ الفلاسفہ عربی ترجمہ از فرنچ (مصنف نامعلوم) ص ۱۰۴ طبع قسطنطنیہ ۱۳۰۲ھ
وزبدۃ الصحائف فی اصول المعارف ص ۱۹

۱۵۔ قصۃ الفلسفۃ الیونانیہ ص ۲۸۲

۱۶۔ رسائل اخوان الصفا ج ۱ ص ۲۳ طبع مصر ۱۹۲۸ء بحوالہ تمہید ص ۵۵

۱۷۔ نفس حوالہ ص ۲۰۳ بحوالہ تمہید ص ۵۵

۱۸۔ مقدمہ ابن خلدون ص ۱۲۱۹

۱۹۔ ایضاً ص ۱۲۲۰

۲۰۔ مفتاح الفلسفہ ص ۲۲ از آس والڈ کلپے مترجم مرزا محمد ہادی

۲۱۔ ایضاً ص ۲۴

۲۲۔ میبذی ص ۸

۲۳۔ ایضاً ص ۱۳، ۱۲

۲۴۔ حاشیہ علین القضاۃ بر میبذی ص ۱۳

امام رازی کے بعد

وضعی منطق

تصور — تصدیق

مفردات

قضایا — احکام قضایا — قیاس — مواد قیاس

کانٹ (۱۷۲۴ء — ۱۸۰۴ء) نے منطق سے علمیات کی بحث کو خارج کردیا اور منطق کی تقسیم "خاص" اور "عام" میں کردی۔ پھر "عام" کی دو قسمیں "خالص" اور "عملی" اور پھر عملی کو بھی دو حصوں میں تقسیم کرکے اول کو "مسئلہ ارکان" اور ثانی کو "بحثِ اسلوب" کا نام دے دیا۔ اس کی تقسیم اس شجرہ سے بخوبی واضح ہوتی ہے۔

منطق

عام — خاص

خالص — عملی

مسئلہ ارکان — بحث اسلوب (۳۵)

یہ منطق کے اقسام اور اس کے مباحث کا ایک اجمالی خاکہ ہے۔ ان کی مفصل بحثیں آگے آئیں گی۔

(باقی)

حوالجات

۱۔ تمہید لدراسۃ الفلسفۃ الاسلامیۃ ص ۶۲ طبع مصر ۱۹۴۴ء

۲۔ حاشیہ عین القضاۃ (متوفی ۱۳۴۳ھ) بر میبذی ص ۱۳ طبع دیوبند ۱۳۸۵ھ

۳۔ مقدمہ ابن خلدون مع تعلیق ڈاکٹر علی عبدالواحد وانی ص ۱۱۱۹-۲۰ طبع ثانی ۱۹۶۷ء

۴۔ زبدۃ الصحائف فی اصول المعارف از نوفل آفندی نعمۃ اللہ نوفل طرابلسی، ص ۲۱۷-۱۸ طبع بمبئی ۱۳۲۳ھ

تبصرے

سائنس کی دنیا اڈیٹر جناب گلزار زتشی، تقطیع کلاں، ضخامت ۱۴۴ صفحات، کتابت وطباعت بہتر، قیمت سالانہ: ڈیڑھ روپیہ۔ پتہ: کاؤنسل آف سائنٹیفک وانڈسٹریل ریسرچ، رفیع احمد مارگ، نئی دہلی۔ ا

آج کوئی زبان محض شعروشاعری اور افسانہ وتنقید کے سہارے زندہ نہیں رہ سکتی۔ اس بنا پر سخت ضرورت ہے کہ اردو زبان میں بھی سائنس اور ٹکنالوجی کے مسائل ومباحث پر زیادہ سے زیادہ کتابیں اور مقالات لکھے جائیں تاکہ اردو داں طبقہ بھی عصرِ حاضر کے سائنٹیفک معلومات سے فائدہ اٹھا سکے اور اردو لٹریچر کا دامن وسیع ہو۔ بڑی خوشی کی بات ہے کہ جہاں ملک کی علاقائی زبانیں ان معلومات سے مالامال ہو رہی ہیں اب اسی غرض سے کاؤنسل آف سائنٹیفک انڈسٹریل ریسرچ کی طرف سے اردو میں بھی ایک سہ ماہی رسالہ شائع ہونا شروع ہوا ہے۔ امید ہے کہ یہ جلد ماہانہ ہو جائے گا۔ یہ پہلا پرچہ ہے، اس میں پیغامات کے علاوہ جو بڑی کثرت سے ہیں۔ سائنٹیفک موضوعات پر سات مضامین ہیں، کچھ نظمیں بھی ہیں، سب دلچسپ اور پڑھنے کے لائق رسالہ کی قیمت نہ ہونے کے برابر ہے، جناب گلزار زتشی نہایت مستعد، نامور ادیب وشاعر اور س سے بڑھکر یہ کہ اردو کے لئے نہایت جوش اور سرگرمی سے کام کرنے والے ہیں، امید ہے کہ رسالہ ان کی ادارت میں خوب پھلے پھولے اور ترقی کرے گا۔ مگر شرط یہ ہے کہ اردو والے س برائے نام قیمت کے ضخیم رسالے کے ہزاروں کی تعداد میں خریدار بن کر کونسل کی حوصلہ افزائی ریں، یہ اُن کا فرض ہے۔ ورنہ اگر رسالہ اپنا خرچ بھی پورا نہ کر سکا تو کونسل کب تک اس بیل

۲۵۔ الردعلی المنطقیین ص۱۳۷ طبع بمبئی ۱۹۴۹ء
۲۶۔ کتاب علم النفس ص۳
۲۷۔ ایضاً ص۸۷
۲۸۔ ایضاً ص۶۸
۲۹۔ تاریخ الفلاسفہ ص۱۴۱
۳۰۔ الفہرست لابن ندیم (متوفی ۳۸۵ھ) طبع مصر ۱۳۴۸ھ ص۳۵۱
۳۱۔ فلسفہ کی پہلی کتاب ص۵
۳۲۔ ایضاً ص۲۳
۳۳۔ فلسفیانہ مضامین ص۱۳۴
۳۴۔ قصۃ الفلسفۃ الیونانیہ ص۲۸۲
۳۵۔ مفتاح الفلسفہ ص۵۲

گگن ہندوستانی مسلمان نمبر اڈیٹر جناب شمس کنول ، تقطیع کلاں ، ضخامت ۶۰۰ صفحات ، کتابت و طباعت بہتر قیمت ۵/ ۔ پتہ : پانچواں فلور ، سوب پیلس ، 133 کاما کراسٹریٹ بمبئی ۔ ۳

گگن اردو کا پرانا ادبی ماہنامہ ہے اس کا یہ خاص نمبر ہندوستان کے مسلمانوں کے معاملات و مسائل سے متعلق ہے ۔ جیسا کہ معلوم ہے اس بارہ میں مسلمانوں کے اندر مختلف پارٹیاں اور جماعتیں ہیں ، مختلف الخیال اشخاص و افراد ہیں جن کے نقطہائے نظر گوناگوں اور چند در چند ہیں ۔ اس بنا پر ہر پارٹی اور ہر جماعت اور ہر شخص اپنے ہی نقطہ نظر سے ان مسائل پر غور و خوض کرتا ہے ، اور یہ بات آج نئی نہیں بلکہ سرسید کے زمانہ سے ہی یہ ہوتا چلا آیا ہے ، اور اس میں حیرت و استعجاب کی کوئی بات بھی نہیں ، کیونکہ جو ایک عظیم تاریخ اور روایات رکھنے والی قوم ایک صدی کے اندر دو نہایت شدید اور سنگین انقلابوں (۱۸۵۷ء و ۱۹۴۷ء) سے گذری ہو اور اس کے ایک دو نہیں بلکہ سینکڑوں مذہبی ، سیاسی ، سماجی ، اقتصادی اور تعلیمی و تہذیبی معاملات و مسائل ہوں اس کے ارباب فکر میں انتشار خیال اور پراگندگی افکار طبعی اور لازمی ہے ۔ اس نمبر میں لائق مرتب نے کوشش کی ہے کہ ان تمام افکار کو یکجا کر دیا جائے ، اس بنا پر اس میں جن حضرات کے مضامین شامل ہیں ان میں بڑا تنوع ہے ، چنانچہ ان میں کمیونسٹ بھی ہیں اور جماعت اسلامی (اب ممنوع) کے ارباب قلم بھی ، کانگرسی بھی ہیں اور لیگی بھی ، آزاد خیال بھی ہیں اور کٹر مذہبی بھی ، مضامین میں بھی تنوع کا یہی عالم ہے ، مسلم پرسنل لا سے لے کر فرقہ وارانہ فسادات تک ہر مسئلہ پر اظہار خیال کیا گیا ہے ، اس سلسلہ میں ایک مقالہ اڈیٹر برہان کا بھی ہے جو برہان کی کسی اشاعت سے نقل کیا گیا ہے ۔ ان مضامین کے علاوہ ہندوستان میں مسلمانوں کی تاریخ ، تہذیب و زبان اور ان کی تعلیم و سیاست سے متعلق بہت مفید اور معلومات افزا مضامین اور متعلقہ اعداد و شمار کی الگ الگ فہرستیں مع حوالہ سنین و شہور اور ہندوستانی مسلمانوں میں جو اصحاب زیادہ مشہور رہیں ، خواہ ان کا تعلق کسی طبقہ اور جماعت سے ہو ان کے سوانحی خاکے یہ سب اس نمبر کی خاص چیزیں ہیں جو مفید

کو اپنے سر منڈھے رہے گی

الفرقان لکھنؤ کا دوسرا انتخاب نمبر مرتبہ مولانا محمد منظور نعمانی، ضخامت ۱۹۶ صفحات، کتابت وطباعت اعلیٰ، قیمت: پانچ روپیہ، پتہ: دفتر الفرقان، نمبر ۳۱، مغربی گاؤں، لکھنؤ۔

اس ماہانہ کے پہلے انتخاب نمبر پر ان صفحات میں تبصرہ ہوچکا ہے۔ یہ اسی سلسلہ کا دوسرا نمبر ہے جو دس برس (۱۹۴۸ء سے تا ۱۹۵۸ء) کے منتخب مضامین پر مشتمل ہے، پورا نمبر ۶ ابواب پر تقسیم ہے جو یہ ہیں: (۱) دعوت ایمان واصلاح، (۲) پیام انسانیت، (۳) اسلامی دنیا میں تجدد و الحاد کے اثرات، (۴) صراط مستقیم، (۵) حکمت وموعظت، (۶) مردان حق آگاہ۔ ان ابواب کے ماتحت جو مضامین درج ہیں ان کی تعداد ۲۳ ہے، سب مضامین مفید اور سبق آموز ہیں، ان کا مطالعہ عام مسلمانوں کے لئے دلچسپ بھی ہوگا اور دینی شعور پیدا کرنے کا ذریعہ بھی۔

الفرقان کے انتخاب کا انگریزی اڈیشن دو جلد مرتبہ مولانا عتیق الرحمن سنبھلی و ڈاکٹر محمد آصف قدوائی، ضخامت جلد اول ۱۴۰ صفحات قیمت -/۱۵ و ضخامت جلد ثانی ضخامت ۱۱۰ صفحات ۵۰/۵، طباعت بہتر، ٹائپ جلی اور روشن۔ پتہ: دفتر الفرقان نمبر ۳۱۔ مغربی گاؤں، لکھنؤ۔

یہ بڑی خوشی کی بات ہے کہ مولانا محمد منظور نعمانی نے الفرقان کے منتخب مضامین کے انگریزی تراجم کا بھی سلسلہ الفرقان ڈائجسٹ کے نام سے شروع کردیا ہے اور اس کام کے لئے ڈاکٹر محمد آصف قدوائی کی خدمات حاصل کی ہیں جن کی انگریزی زبان کو خود انگریزوں میں سندِ اعتبار حاصل ہے، ہمیں اس وقت تک تبصرہ کے لئے یہی دو حصے موصول ہوئے۔ پہلے حصہ میں انیس[19] اور دوسرے حصہ میں تیرہ[13] مضامین (جن میں ایک مضمون "انسان قرآن میں" اڈیٹر برہان کا بھی ہے) شامل ہیں، سب مضامین دینی اور اصلاحی اعتبار سے بہت مفید دلچسپ اور معلومات افزا ہیں، امید ہے کہ یہ مفید سلسلہ جاری رہے گا اور انگریزی داں مسلمان خصوصاً نوجوان طبقہ اس کے مطالعہ سے شادکام ہوں گے۔

بھی ہیں اور دلچسپ بھی، حصۂ نظم جس میں مولانا حالی اور ڈاکٹر اقبال بھی شریک ہیں وہ بھی معیاری اور خاصہ کی چیز ہے علاوہ ازیں استفسارات کا باب جو بہت طویل ہے وہ بھی مختلف امور ومسائل کے متعلق عمدہ اور مفید معلومات کا خزانہ ہے، یہ ظاہر ہے کہ ایک ماہنامہ جو خاص نمبر اس درجہ ضخیم ہو کہ انسائیکلوپیڈیا کا حکم رکھتا ہو اور جس میں ہر قسم کی معلومات کے ساتھ مختلف افکار و آرا بھی یکجا کر دئے گئے ہوں اس کے سب مضامین سے کوئی ایک شخص بھی متفق نہیں ہوسکتا، لیکن اس میں شک نہیں کہ یہ نمبر بڑی محنت وعرق ریزی، تلاش وجستجو اور دیدہ وری سے حسن و خوبی اور خوش مذاقی سے مرتب کیا گیا ہے اور اس لئے یہ صرف پڑھنے کے لئے نہیں بلکہ حفاظت سے رکھنے کی چیز ہے تاکہ آیندہ وقت ضرورت کام آسکے، اس کے لئے جناب مرتب اور ان کی رفیقۂ حیات جو ترتیب میں شریک ہیں لائق مبارکباد ہیں۔ اس نمبر میں پہلی مرتبہ یہ عجیب بات دیکھنے میں آئی کہ آج کل اردو املا میں جن اصلاحات کا غلغلہ بلند ہے، گگن نے اُن پر عمل کرنا بھی شروع کر دیا ہے، مثلاً "عبدالحق" کو "عبدل حق" "ابوالکلام آزاد" "ابول کلام آزاد" کو "خوش پوش" "خش پوش" لکھا ہے، ہم اس سلسلے میں کچھ کہنا نہیں چاہتے، اردو املا کی اصلاح کے متعلق خود ہمارے مخصوص خیالات ہیں اور ان پر ایک مستقل مقالہ درکار ہے، اس بحث کو چھیڑنے کا یہاں موقع نہیں ہے۔

ندوۃ المصنفین دہلی کا علمی و دینی ماہنامہ

مرتب

سعید احمد اکبرآبادی

Regd. No. D. (D) 231 Phone 262815 NOVEMBER 1975

Subs. Rs. 15-00 Per Copi Rs. 1-50

حکیم مولوی محمد ظفر احمد خاں پرنٹر پبلشر نے یونین پرنٹنگ پریس دہلی میں طبع کرا کر
دفتر برہان اردو بازار جامع مسجد دہلی ۶ سے شائع کیا۔

برہان

جلد ۷۵	ماہ ذی الحجہ ۱۳۹۵ھ مطابق ماہ دسمبر ۱۹۷۵ء	شمارہ ۶

فہرست مضامین

۱۔ نظرات	سعید احمد اکبر آبادی	۳۲۲
مقالات		
۲۔ عہد نبوی کے غزوات وسرایا اور ان کے مآخذ پر ایک نظر	" "	۳۲۶
۳۔ حدیث کا درایتی معیار داخلی فہم حدیث	مولانا محمد تقی امینی ناظم دینیات مسلم یونیورسٹی علی گڑھ	۳۳۴
۴۔ نفقۂ مطلقہ سرکاری بل کا جائزہ اور مسئلہ کا حل	مولانا محمد عبداللہ سلیم استاذ دارالعلوم دیوبند	۳۴۵
۵۔ علم منطق — ایک جائزہ منطق کا تدوینی پس منظر	مولوی بدرالزماں نیپالی مرکزی دارالعلوم بنارس	۳۶۸

مطبوعات ندوۃ المصنفین دہلی

سنہ ۱۹۳۹ء اسلام میں غلامی کی حقیقت - اسلام کا اقتصادی نظام - قانونِ شریعت کے نفاذ کا مسئلہ -
تعلیماتِ اسلام اور مسیحی اقوام - سوشلزم کی بنیادی حقیقت -

سنہ ۱۹۴۰ء غلامانِ اسلام - اخلاق و فلسفۂ اخلاق - فہم قرآن - تاریخِ ملت حصہ اول ' نبی عربی صلعم ' - صراطِ مستقیم (انگریزی)

سنہ ۱۹۴۱ء قصص القرآن جلد اول - وحی الٰہی - جدید بین الاقوامی سیاسی معلومات حصہ اول -

سنہ ۱۹۴۲ء قصص القرآن جلد دوم - اسلام کا اقتصادی نظام (طبع دوم بڑی تقطیع مع ضروری اضافات)
مسلمانوں کا عروج و زوال - تاریخِ ملت حصہ دوم ' خلافتِ راشدہ ' -

سنہ ۱۹۴۳ء مکمل لغات القرآن مع فہرستِ الفاظ جلد اول - اسلام کا نظامِ حکومت - سرمایہ - تاریخِ ملت حصہ سوم ' خلافتِ بنی امیہ '

سنہ ۱۹۴۴ء قصص القرآن جلد سوم - لغات القرآن جلد دوم - مسلمانوں کا نظامِ تعلیم و تربیت (کامل)

سنہ ۱۹۴۵ء قصص القرآن جلد چہارم - قرآن اور تصوف - اسلام کا اقتصادی نظام (طبع سوم جس میں غیر معمولی اضافے کئے گئے)

سنہ ۱۹۴۶ء ترجمان السنہ جلد اول - خلاصہ سفرنامہ ابن بطوطہ - جمہوریہ یوگوسلاویہ اور مارشل ٹیٹو -

سنہ ۱۹۴۷ء مسلمانوں کا نظمِ مملکت - مسلمانوں کا عروج و زوال (طبع دوم جس میں سیکڑوں صفحات کا اضافہ کیا گیا ہے
اور متعدد ابواب بڑھائے گئے ہیں) لغات القرآن جلد سوم - حضرت شاہ کلیم اللہ دہلویؒ -

سنہ ۱۹۴۸ء ترجمان السنہ جلد دوم - تاریخِ ملت حصہ چہارم ' خلافتِ ہسپانیہ ' تاریخِ ملت حصہ پنجم ' خلافتِ عباسیہ اول '

سنہ ۱۹۴۹ء قرونِ وسطیٰ کے مسلمانوں کی علمی خدمات (حکمائے اسلام کے شاندار کارنامے (کامل)
تاریخِ ملت حصہ ششم ' خلافتِ عباسیہ دوم ' بصائر -

سنہ ۱۹۵۰ء تاریخِ ملت حصہ ہفتم ' تاریخِ مصر و مغربِ اقصیٰ ' تدوینِ قرآن - اسلام کا نظامِ مساجد -
اشاعتِ اسلام ، یعنی دنیا میں اسلام کیونکر پھیلا -

سنہ ۱۹۵۱ء لغات القرآن جلد چہارم - عرب اور اسلام - تاریخِ ملت حصہ ہشتم ' خلافتِ عثمانیہ ' جارج برنارڈ شا -

سنہ ۱۹۵۲ء تاریخِ اسلام پر ایک طائرانہ نظر - فلسفہ کیا ہے ؟ جدید بین الاقوامی سیاسی معلومات جلد اول (جس کو
از سرِ نو مرتب اور سیکڑوں صفحوں کا اضافہ کیا گیا ہے - کتابتِ حدیث -

سنہ ۱۹۵۳ء تاریخِ مشائخِ چشت - قرآن اور تعمیرِ سیرت - مسلمانوں کی فرقہ بندیوں کا افسانہ -

عربی میں تحریر و تقریر کی مشق کا خاص اہتمام ہے۔ تعلیم کے ساتھ طلبار کی تربیت اور ان کی اخلاقی و معاشرتی نگرانی پر پوری توجہ کی جاتی ہے، چھوٹے بڑے سب طلبار کی تعداد تین سو کے لگ بھگ ہے، ان میں سے پچھتر طلبار اپنا خرچ خود اٹھاتے ہیں۔ باقی طلبار کی کفالت مدرسہ کرتا ہے، اساتذہ کی تعداد بھی کافی ہے، سب اساتذہ اپنے اپنے فن میں پختہ استعداد کے مالک، مخلص، متدین اور خلیق و متواضع ہیں، مدرسہ میں اگرچہ بڑی تعداد گجراتی و افریقی طلبار کی ہے مگر دوسرے صوبوں اور بعض ممالک غیر کے طلبار بھی تعلیم پاتے ہیں۔ مدرسہ کے مہتمم پہلے غلام محمد صاحب نورگت تھے جو دیرینہ قومی کارکن ہیں، آج کل مولانا عبداللہ صاحب ہیں جو سنجیدہ مخلص اور عالم و فاضل شخص ہیں، مدرسہ کا سالانہ بجٹ سوا دو لاکھ روپیہ ہے، لیکن اس کے باوجود صرف ایک گھرانہ ہے جو اس کا متکفل ہے اور اسی وجہ سے یہاں چندہ وغیرہ قسم کی کسی چیز کا گذر نہیں۔

---

۱۸ کو عشار کی نماز کے بعد مدرسہ کی اللجنة العربية کا جلسہ ہوا جس میں سب اساتذہ اور طلبہ شریک تھے۔ جلسہ میں پہلے طلبار نے عربی میں تقریریں کیں، ایک مکالمہ کیا، اور عربی نظمیں پڑھیں اس کے بعد پہلے مولانا عبدالحلیم صاحب ندوی نے اور پھر میں نے نصف نصف گھنٹہ عربی میں تقریریں کیں، دوسرے دن مولانا عبداللہ کی دعوت پر مدارس گجرات کے نمائندہ حضرات آچکے تھے، اس لئے آج عشار کے بعد انجمن دارالاصلاح کا جو جلسہ ہوا اس میں یہ سب حضرات بھی شریک تھے علاوہ ازیں قصبہ کے مسلمان بھی موجود تھے، اس جلسہ میں دو طلبا کی اردو اور انگریزی تقریروں کے بعد "مدارس اور علمار کی اہمیت و ضرورت" پر ڈیڑھ گھنٹہ کے قریب میری تقریر ہوئی، ۲۰ تاریخ کو مدارس کے نمائندہ حضرات کا ایک اجتماع دفتر اہتمام میں صبح کے اوقات میں ہوا۔ اس میں نصاب تعلیم اور دیگر امور متعلقہ پر کھلے دل سے تبادلۂ خیال ہوا اور چند تجاویز بھی منظور کی گئیں۔

شام کو عصر کی نماز سے قبل مولانا غلام محمد صاحب نورگت کی رہنمائی میں ہم لوگ یہاں سے

نظرات

ضلع سورت (گجرات) میں ایک چھوٹا سا قصبہ ہے جس کا نام ترکیشور ہے، اس کی تاریخی حیثیت یہ ہے کہ مولانا عین القضاۃ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے پیرو مرشد حضرت موسیٰ جی یہیں رہتے تھے اور اسی تقریب سے خود مولانا کا اس جگہ قیام مہینوں رہا ہے، اس قصبہ میں ۱۹۳۵ء سے ایک مدرسہ دار العلوم فلاح دارین کے نام سے قائم ہے، ۱۹۶۵ء سے اس نے نئے انتظامات کے ساتھ غیر معمولی ترقی کی ہے۔ چند سال سے نصاب تعلیم وغیرہ پر گفتگو کے لئے ارباب مدرسہ کی طرف سے وہاں آنے کی دعوت تھی مگر بعض مجبوریوں اور مصروفیتوں کے باعث معاملہ امروز فردا پر ٹلتا رہا۔ آخر جب اصرار زیادہ ہوا تو حسب قرارداد مولانا عبد الحلیم الندوی صدر شعبۂ عربی جامعہ ملیہ اور خاکسار ۷ ر نومبر کو دہلی سے روانہ ہوئے اور ساڑھے بارہ بجے دن کے سورت اسٹیشن پہونچے۔ اسٹیشن پر مولانا عبد اللہ صاحب مہتمم مدرسہ مع اپنے چند رفیقوں کے موجود تھے، ان کے ہمراہ ترکیشور آئے جو سورت سے پچیس میل کی مسافت پر ہے، مدرسہ کی عمارت دیکھتے ہی آنکھیں کھلی کی کھلی رہ گئیں، نہایت شاندار ماڈرن طرز کی کالج نما صاف ستھری خوبصورت اور وسیع عمارت ہے جس میں درس گاہیں، ہوسٹل، کتب خانہ، دفاتر، مسجد وغیرہ سب کچھ ہے، جگہ جگہ چمن بندی نے پوری فضا کو حسین اور خوشنما بنادیا ہے، قیام مدرسہ کے ایک وسیع کمرہ میں ہوا جو حسب ضرورت آسائش اور راحت کے ساز و سامان سے آراستہ تھا۔ اس مدرسہ میں پرائمری سے لے کر دورۂ حدیث تک کی پرائمری میں لڑکوں کے ساتھ لڑکیوں کی بھی تعلیم ہوتی ہے۔ لیکن دونوں کے شفٹ الگ الگ ہیں۔ نصاب میں علوم دینیہ وعربیہ کے ساتھ اردو، گجراتی، انگریزی، حساب، تاریخ وجغرافیہ سب شامل ہیں۔ علاوہ ازیں حفظ قرآن وتجوید اور

ایک بلند پایہ صوفی تھے۔ ایک مرتبہ کلکتہ میں ایک ہفتہ تک وہ راقم الحروف کے مہمان رہے تو اس مدت میں کوئی ایک دن بھی ایسا نہیں تھا جبکہ وہ تہجد کے لئے بیدار نہ ہوئے ہوں اور نماز کے بعد صلاۃ فجر تک اوراد و وظائف میں مشغول نہ رہے ہوں انھوں نے انگریزی اور اردو تصنیفات وتالیفات کا ایک عظیم ذخیرہ چھوڑا ہے۔ ان میں سے ہر تصنیف ایک سے ایک بڑھ کر ہے۔ ندوۃ المصنفین اور اس کے ارکان کے ساتھ ان کو بڑا مخلصانہ اور مشفقانہ تعلق تھا چنانچہ اس ادارے میں ان کی متعدد کتابیں چھپی ہیں اور مقبول عام وخاص ہوئی ہیں۔ ادھر کئی سال سے وہ بیحد کمزور اور ضعیف ہوکر خانہ نشین ہوگئے تھے مگر تصنیف وتالیف کا مشغلہ پھر بھی جاری تھا، اللہ تعالیٰ ان کے مراتب و مدارج بڑھائے اور ان کو جنت الفردوس نصیب ہو۔

افسوس ہے کہ مولانا محمد اسمٰعیل سنبھلی بھی ہم سے رخصت ہوگئے، مولانا دیوبند کے فارغ التحصیل تھے اور بڑے جوش اور جذبہ کے انسان تھے اسی وجہ سے وہ ہمیشہ جمعیۃ علماء کے ساتھ وابستہ رہے اور اس سلسلہ میں قید ومحن کی تکالیف بھی برداشت کیں۔ وہ نہایت پرجوش خطیب ومقرر تھے، ان کی تقریر کی خصوصیت یہ تھی کہ شروع سے لے کر آخیر تک ایک سکنڈ کے وقفہ کے بغیر اور ایک ہی لب ولہجہ سے تقریر کرتے تھے، تقسیم کے بعد دوسرے حضرات کی طرح انھوں نے بھی عملی سیاسیات سے ترک تعلق کرلیا تھا اور یوپی اور گجرات کے مختلف مدارس میں درس وتدریس کا کام کرتے رہے، نہایت مخلص بے لوث اور متواضع بزرگ تھے۔ اللہ تعالیٰ ان کو مغفرت ورحمت کی نوازشوں سے سرفراز فرمائے۔

پچیس میل دور ضلع بھروچ میں ایک گاؤں ہے جس کا نام "زرنا" ہے روانہ ہوئے، اس مقام پر مسلمان بچوں اور بچیوں کے لئے ایک ہوسٹل ہے جن کے والدین اطراف اکناف کے غیر مسلم دیہاتوں میں اِکّا دکّا رہتے ہیں اور غریب بھی ہیں، ہوسٹل نہایت پر فضا جگہ پر ہے، اس وقت اس ہوسٹل میں ۵۵ بچپن لڑکے اور لڑکیاں ہیں جن کے کھانے پینے کا، رہن سہن کا اور تعلیم و تربیت کا معقول انتظام ہے، یہ بچے اور بچیاں گاؤں کے پرائمری اسکول میں بھی تعلیم پاتے ہیں۔ ہوسٹل اور اس سے متعلقہ عمارات یعنی مدرسہ و مسجد کی تعمیر ابھی تک مکمل نہیں ہوئی ہے اب تک دو لاکھ سے زیادہ اس پر خرچ ہو چکے ہیں، مولانا غلام محمد صاحب نور گت کی نگرانی اور رہنمائی میں یہ سب کام ہو رہے ہیں اس میں کوئی شک نہیں کہ یہ نہایت اہم اور مفید ملّی کام ہے کیونکہ ان بچوں کے ماں باپ جو غیر مسلم آبادیوں میں اِکّا دکّا رہتے ہیں اور غریب بھی ہیں ان کے ضائع ہو جانے کا قوی اندیشہ تھا۔ یہ ہوسٹل قائم کرکے اور اس کے ماتحت بچوں کی دینی و تعلیمی تربیت کرکے ان بچوں کو خطرات سے محفوظ کر دیا گیا یہ کارنامہ درحقیقت ایسا عظیم ہے کہ دوسری ریاستوں کے مسلمانوں کو اس کی پیروی کرنا چاہیئے۔ پھر بڑی خوشی کی بات یہ ہے کہ اس ہوسٹل کی تعمیر اور اس کے اخراجات کا تکفل صرف ایک مخیر مسلمان نے کر رکھا ہے اس بنا پر مدرسہ فلاح دارین کی طرح اس کے لئے بھی چندے کا کوئی سوال ہی نہیں پیدا ہوتا ہے۔ اللہ تعالیٰ گجرات کے ان متمول اور مخیر مسلمانوں کو اجرِ عظیم عطا فرمائے کہ وہ مسلمانوں کی بہت ٹھوس اور اہم خدمات انجام دے رہے ہیں۔

حیدر آباد کی ایک اطلاع سے یہ معلوم کرکے بہت افسوس ہوا کہ ڈاکٹر میر ولی الدین صاحب کا انتقال ہو گیا مرحوم کی عمر ۸۰ کے لگ بھگ ہوگی۔ ان کا مرتبہ انڈو پاک کے مصنفین میں بہت بلند تھا در اصل ان کا مضمون فلسفہ تھا جس کے پروفیسر اور صدر شعبہ وہ ایک عرصہ تک جامعہ عثمانیہ میں رہے اور وہیں سے سبکدوش ہوئے لیکن تصوف کے ساتھ ان کو بڑا گہرا لگاؤ تھا علمی اور نظری اعتبار سے نہایت وسیع المطالعہ ہونے کے ساتھ وہ عملاً بھی

فساد انگیزی کا سلسلہ شروع کر دیا، چنانچہ ارباب سیر کی اصطلاح کے مطابق غزوۂ احد کے بعد کے جن واقعات کو سریہ یا غزوہ کہا جاتا ہے۔ مثلاً سریہ ابی سلمہ (یکم محرم الحرام ۴ھ) سریۂ ابن انیس (محرم ۴ھ) سریۂ بیر معونہ (صفر ۴ھ) اور سریۂ الرجیع یہ سب اسی کے شاخسانے ہیں[1]۔

ادھر یہ سب کچھ ہو رہا تھا کہ اچانک ایک ایسا واقعہ پیش آگیا جس نے بنو نضیر کو بالکل عریاں کر دیا اور اب ان کی طرف سے چشم پوشی کرنا ناممکن ہو گیا ہوا یہ کہ "صفر ۴ھ میں ابو براء کلابی، جو قبیلۂ کلاب کا رئیس تھا، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا اور درخواست کی کہ چند لوگوں کو میرے ساتھ کر دیجئے کہ قوم کو اسلام کی دعوت دیں، آپ نے فرمایا: "مجھکو نجد کی طرف سے ڈر ہے" ابو براء نے کہا: "ان کا میں ضامن ہوں" آپ نے منظور فرمایا اور ستر[2] انصار ساتھ کر دیئے۔ یہ لوگ نہایت مقدس اور درویش تھے اور اکثر اصحاب صفہ میں سے تھے، ان کا معمول تھا کہ دن بھر لکڑیاں چنتے، شام کو فروخت کر کے کچھ اصحاب صفہ کے نذر کرتے، کچھ اپنے لئے رکھتے۔

ان لوگوں نے بیر معونہ پہنچ کر قیام کیا اور حرام بن ملحان کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا خط دیکر عامر بن طفیل (بن مالک بن جعفر کلابی عامری) کے پاس بھیجا جو قبیلہ کا رئیس تھا، عامر نے حرام کو قتل کر دیا اور آس پاس کے جو قبائل تھے، یعنی عصیہ، رعل اور ذکوان، سب کے پاس

---

[1] ان سرایا کا ذکر سب ہی ارباب سیر نے کیا ہے، لیکن واقعہ یہ ہے کہ جس وضاحت اور خوبی سے ان سرایا کے اسباب و علل کے ساتھ ان کا ذکر مولانا شبلی نے کیا ہے، کسی نے بھی نہیں کیا۔ چونکہ ان سرایا کا جوڑ بنی نضیر کے واقعہ کے ساتھ مل جاتا ہے اس لئے ہم سفارش کرتے ہیں کہ اس موقع پر قارئین کرام سیرت النبی حصہ اول از ص ۳۸۸ تا ص ۴۰۸ کا مطالعہ ضرور کرلیں، حقیقت بالکل واضح ہو جائے گی۔

[2] روایات میں تعداد چالیس بھی ہے اور ستر بھی، لیکن صحیح بخاری میں تعداد ستر ہی ہے (باب غزوۃ الرجیع و رعل و ذکوان و بئر معونۃ)

عہدِ نبوی کے غزوات و سرایا

اور

ان کے مآخذ پر ایک نظر

(۱۵)

سعید احمد اکبر آبادی

بنو نضیر کی جلاوطنی جہاں تک یہود کے معاملات کا تعلق ہے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے بنو قینقاع کے بعد قبیلۂ بنو نضیر کی طرف توجہ کی، یہ لوگ جو مدینہ کے شمال میں رہتے اور املاک وجائیداد اور نفوذ و اقتدار کے مالک تھے اپنے ہم مذہبوں کی طرح اسلام اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے شدید دشمن اور سخت فتنہ پرداز تھے، ایک طرف، جیسا کہ گذر چکا ہے، قریش اور دوسرے دشمنِ اسلام قبائل کے ساتھ ان کو ربطِ خاص تھا اور دوسری جانب خود مدینہ میں منافقین سے ساز باز رکھتے اور ان کے ذریعہ اسلام کو نقصان پہونچانے کی جو تدبیر اور کوشش بھی وہ کر سکتے تھے اس میں کوئی دقیقہ فروگذاشت نہیں کرتے تھے۔

ان کی یہ طبیعت اور فطرت تھی ہی کہ ادھر صورت حال یہ پیش آگئی کہ جنگ بدر نے قبائلِ عرب پر مسلمانوں کی طاقت وقوت اور ان کے رعب وداب کی جو ڈھاک بٹھادی تھی وہ جنگِ احد کے نتیجہ سے مجروح ہوگئی اور اب ان کو مسلمانوں کے خلاف عملاً سر اٹھانے کی پھر ہمت وجسارت ہوئی، گویا وقتی طور پر ان پر جو سہم طاری ہوگیا تھا وہ جاتا رہا اور انھوں نے پھر ریشہ دوانی، چھیڑ چھاڑ، اور

ان لوگوں کا یہ عندیہ بھانپ لیا اور چپکے سے یہاں سے نکل کھڑے ہوئے، صحابہ نے کچھ دیر راہ دیکھی، جب آپ نہ آئے تو صحابہ بھی واپس ہو گئے۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم دیت کے سلسلے میں بنو نضیر کے پاس جو تشریف لے گئے تھے تو کیوں؟ اس میں روایات مختلف ہیں اور ارباب سیر نے اس کی مختلف توجیہات کی ہیں۔ عام روایت یہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم میں اور بنو نضیر میں معاہدہ تھا کہ "مسلمانوں پر کسی کا خونبہا قسم کی کوئی چیز واجب ہوگی تو بنو نضیر اس کی ادائیگی میں مسلمانوں کے شریک ہوں گے اور علی ہذا القیاس اس کے برعکس بھی! آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اسی معاہدہ کے ماتحت اس معاملہ میں بنو نضیر کے حصہ کا مطالبہ کرنے گئے تھے" (تاریخ العرب قبل الاسلام ج ۶ ص ۱۴۸) اور مولانا شبلی نے بھی اسی توجیہ کو اختیار کیا ہے، لیکن ایک دوسری توجیہ یہ ہے کہ چونکہ بنو عامر اور بنو نضیر آپس میں ایک دوسرے کے حلیف تھے اسی بنا پر خونبہا تو ادا کرنا تھا صرف آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو، لیکن آپ بنو نضیر کے پاس اس معاملہ میں باہم مشورہ اور رائے کے لئے گئے تھے کہ قبیلہ بنو عامر کو دیت کس طرح ادا کی جائے اور ان کے یہاں اس کا کیا دستور ہے۔ مولانا سید سلیمان ندوی نے سیرت حلبیہ کے حوالہ سے اس توجیہ کو نقل کیا ہے اور اپنا رجحان اسی کی طرف ظاہر ہے، (دیکھئے سیرت النبی حصہ اول حاشیہ ص ۴۰۹) اور ہمارا رجحان بھی اسی طرف ہے، کیونکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے یہود کے مختلف قبائل سے جو معاہدہ کیا تھا اس میں بھی بنو نضیر کا شریک ہونا مشتبہ ہے، چنانچہ ایک روایت ہے کہ ایک مرتبہ بنو نضیر نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس پیغام بھیجا کہ آپ اپنے تیس آدمی لیکر آئیں، ہم بھی اپنے علماء (احبار) لے کر آئیں گے، اگر آپ کا کلام سن کر احبار نے اس کی تصدیق کی تو ہمیں بھی اس کے قبول کر لینے میں عذر نہ ہوگا، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو ان کی طرف سے غدر و خیانت کا اندیشہ پہلے سے تھا اس لئے آپ نے جواب میں کہلا بھیجا کہ جب تک تم مجھ سے معاہدہ نہیں کرو گے میں تم پر اعتماد نہیں کر سکتا، لیکن بنو نضیر اس پر راضی نہیں ہوئے، یہاں تک کہ جب آپ یہود

آدمی دوڑا دیے کہ تیار ہوکر آئیں، ایک بڑا لشکر تیار ہوگیا، اور عامر کی سرداری میں آگے بڑھا صحابہ حرام کی واپسی کے منتظر تھے، جب دیر لگی تو خود روانہ ہوئے، راستہ میں عامر کی فوج کا سامنا ہوا، کفار نے ان کو گھیر لیا اور سب کو قتل کر دیا، صرف عمرو بن امیہ کو یہ کہکر چھوڑ دیا کہ میری ماں نے ایک غلام آزاد کرنے کی منت مانی تھی، میں تجھکو آزاد کرتا ہوں، یہ کہہ کر ان کی چوٹی کاٹی اور چھوڑ دیا،

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو اس واقعہ کی خبر ہوئی تو اس قدر صدمہ ہوا کہ تمام عمر کبھی نہیں ہوا۔ مہینہ بھر نماز فجر میں ان ظالموں کے حق میں بددعا کی۔ (سیرت النبی حصہ اول ص ۳۹۰)

حضرت عمرو بن امیہ ضمری جب مدینہ واپس جانے کے لئے روانہ ہوئے اور مقام قرقرہ پہونچے تو یہاں ان کو قبیلہ بنو عامر کے دو شخص ملے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو پناہ دی تھی۔ حضرت عمرو بن امیہ کو اس کا علم نہیں تھا۔ عامر بن طفیل نے جو ستم ڈھایا تھا انھوں نے اس کے غصہ میں ان دونوں کو قتل کر دیا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو اس کا علم ہوا تو سخت افسوس کیا اور فرمایا: "میں ان دونوں مقتولین کا خون بہا ادا کروں گا۔"[۱]

بنو نضیر اور بنو عامر دونوں ایک دوسرے کے حلیف تھے اس بنا پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم صحابہ کی ایک جماعت کے ساتھ مقتولین کی دیت کے بارہ میں گفتگو فرمانے کی غرض سے بنو نضیر کی آبادی میں تشریف لے گئے اور آنے کی غرض بیان کی، بنو نضیر نے بظاہر بڑی آؤ بھگت کی۔ آپ سے بولے: "تشریف رکھئے، کھانا تیار ہو رہا ہے اسے کھا کر جائیے۔" آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ ایک مکان کی دیوار سے ٹیک لگا کر بیٹھ گئے۔ اب بنو نضیر نے آپس میں کہا ایسا موقع کہاں ملتا ہے، اس سے فائدہ اٹھانا چاہیئے، ایک شخص اس پر رضامند ہوگیا کہ مذکورہ مکان کی چھت پر چڑھ کر نصیب دشمناں اوپر سے بھاری پتھر حضور پر پھینک دے گا، حضور نے

---

[۱] الدرر ص ۱۷۲ و سیرت ابن ہشام ج ۳ ص ۱۹۷

انتظام کرلیں ۔ بنونضیر کو اپنی طاقت و قوت کا گھمنڈ تھا، منافقین سے بھی ان کا ساز باز تھا اور بنو قریظہ تو ان کے ہم مذہب اور ہم مسلک تھے ہی، انھوں نے ان کو یقین دلایا تھا کہ وہ آخر وقت تک ان کا ساتھ دیں گے اور اگر ان کو مدینہ چھوڑنا ہی پڑا تو وہ بھی ان کے ساتھ مدینہ چھوڑ دیں گے ۔ اس بنا پر بنونضیر کے سردار حیی بن اخطب نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو کہلا بھیجا کہ ہم اپنے گھروں سے باہر نہیں آئیں گے، آپ جو جی میں آئے کیجئے، قرآن مجید کی سورۂ حشر میں اس کا ذکر اس طرح ہے :

اَلَمْ تَرَ اِلَی الَّذِیْنَ نَافَقُوْا یَقُوْلُوْنَ لِاِخْوَانِھِمُ الَّذِیْنَ کَفَرُوْا مِنْ اَھْلِ الْکِتَابِ لَئِنْ اُخْرِجْتُمْ لَنَخْرُجَنَّ مَعَکُمْ وَلَا نُطِیْعُ فِیْکُمْ اَحَدًا اَبَدًا وَّاِنْ قُوْتِلْتُمْ لَنَنْصُرَنَّکُمْ

اے محمد! آپ نے دیکھا! منافق اپنے بھائیوں سے جو اہل کتاب میں سے کفر کرنے والے ہیں کہتے ہیں : اگر (مدینہ سے) تم نکالے گئے تو ہم بھی تمھارے ساتھ نکلیں گے، اور ہم تمھارے معاملہ میں کسی ایک شخص کی بھی اطاعت کبھی قبول نہیں کریں گے، اور اگر تم سے جنگ کی گئی تو ہم یقیناً تمھاری مدد کریں گے ۔

جب مدت معینہ یعنی دس روز اور بعض روایات کے مطابق پندرہ دن ختم ہو گئے تو بنونضیر قلعہ بند ہو گئے اور اسلامی لشکر نے ان کا محاصرہ کرلیا، حافظ ابن عبد البر کے بیان کے مطابق محاصرہ چھ دن رہا، نخلستان کا ایک حصہ جو بنونضیر کے قلعہ اور اسلامی لشکر کے درمیان حائل ہوتا تھا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم سے کاٹ دیا گیا، یہ بات بظاہر قابل اعتراض تھی، چنانچہ خود بنونضیر نے اس پر احتجاج کیا، اس بنا پر قرآن مجید میں اس کی صفائی میں فرمایا گیا :

مَا قَطَعْتُمْ مِنْ لِیْنَۃٍ اَوْ تَرَکْتُمُوْھَا قَائِمَۃً عَلٰی اُصُوْلِھَا فَبِاِذْنِ اللّٰہِ

تم نے لینہ کے جو درخت کاٹے اور جن کو علی حالہا قائم رہنے دیا، یہ سب اللہ کی اجازت

بنی قریظہ کے پاس تشریف لے گئے اور ان سے تجدید معاہدہ کی درخواست کی تو انھوں نے تعمیل کی، لیکن بنو نضیر کسی طرح معاہدہ کرنے پر رضامند نہیں ہوئے اور انجام کار آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو پیغام بھیجا کہ "اچھا! آپ تین آدمی ساتھ لے کر آئیں، ہم بھی تین عالم ساتھ لائیں گے، اگر یہ آپ پر ایمان لے آئے تو ہم بھی لے آئیں گے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے منظور فرمایا، لیکن راہ میں ایک صحیح ذریعہ سے معلوم ہوا کہ وہاں بنو نضیر تلواریں باندھے کھڑے ہیں کہ آپ وہاں پہونچیں تو اچانک حملہ کر کے ہلاک کر دیں۔ (سیرت النبی حصۂ اول ص ۱۰۴ بحوالۂ سنن ابی داؤد و فتح الباری)

علاوہ ازیں اس روایت میں اس امر کا ذکر کہ "بنو عامر اور بنو نضیر میں عقد و حلف تھا" تقریباً ہر کتاب میں ہے اور ظاہر ہے بنو نضیر کا حلیف بنی عامر ہونا ہرگز اس بات کا موجب نہیں ہو سکتا کہ بنو نضیر سے بنی عامر کے دو مقتولین کے خونبہا کی ادائیگی میں حصہ دار بننے کا مطالبہ کیا جائے، اس بنا پر صحیح بات یہی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم بنو نضیر کے پاس جو گئے تھے تو دیت کے بارہ میں مشورہ کرنے گئے تھے نہ کہ کسی چیز کا مطالبہ کرنے کی غرض سے۔

اس موقع پر دنیا کو یہ بات خاص طور سے نوٹ کر لینی چاہیئے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اڑسٹھ (۶۸) نہایت غریب و مسکین ساتھی ناحق بہدردی و بے رحمی سے قتل کئے گئے ہیں، ان کا آپ کو نہایت شدید صدمہ اور غم ہے، لیکن اس کے باوجود اپنے قول و قرار کا اس درجہ پاس اور لحاظ ہے کہ بنو عامر کے دو خطاءً مقتولین کی دیت کو فوراً ادا کر دینے کا اہتمام فرما رہے ہیں، دل اور دماغ کا صحیح توازن اس سے بڑھ کر اور کیا ہو سکتا ہے!

ایسا کہاں سے لاؤں کہ تجھ سا کہیں جسے

بہرحال اب مزید اغماض اور چشم پوشی کرنا ممکن نہ تھا، اس لئے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے محمد بن مسلمہ کو بھیجکر ان کو مطلع کیا کہ ان کے متعلق جلاوطنی کا فیصلہ کر لیا گیا ہے اور ان کے لئے دس روز کی مدت مقرر کر دی گئی کہ اس کے اندر اندر وہ مدینہ سے رخصت ہونے کا

پیچھے لڑکیاں گاتی بجاتی چل رہی تھیں ، مدینہ سے نکل کر یہ دو حصوں میں بٹ گئے ، کچھ شام چلے گئے اور بعض خیبر میں جا بسے ، موخر الذکر گروہ میں رؤسائے قبیلہ سلّام بن ابی الحقیق ، حی بن اخطب ، کنانہ بن الربیع بن ابی الحقیق بھی شامل تھے ۔ یہ لوگ جب خیبر پہونچے تو وہاں کی آبادی نے ان کا اس درجہ ادب و احترام کیا کہ ان کو اپنا لیڈر تسلیم کرلیا اور ان کی اطاعت قبول کرلی ۔ سیرت ابن ہشام میں ہے ”دان اھلہا لھم“ یہ لوگ آنحضرت اور اسلام کے شدید دشمن تھے ، یہاں کس طرح چین سے بیٹھ سکتے تھے ، انھوں نے ایک طرف بنو قریظہ سے اتصال پیدا کیا اور دوسری جانب قریش کو ابھارا اور اپنے وفد بھیجکر غطفان اور سُلیم قبائل کو مدینہ پر حملہ کے لئے برانگیختہ کیا اور ان کو طرح طرح کے لالچ دیے چنانچہ غزوۂ احزاب جس کا دوسرا نام جنگ خندق ہے (ذو القعدہ ۵ھ) اور اس کے بعد غزوۂ خیبر (۷ھ) یہ دونوں انھیں لوگوں کی کوششوں اور جد وجہد کا نتیجہ تھے ، طبری اور فتح الباری اور دوسری کتب سیرت و مغازی میں اس کی تصریح موجود ہے ۔

قبیلہ بنو نضیر کی صحیح تعداد کیا تھی اس کا پتہ نہیں چلتا ہے لیکن اندازہ یہ ہے کہ ان کی تعداد بنو قینقاع سے کم تھی کیونکہ جو ہتھیار یہ چھوڑ کر گئے ہیں ان کی تعداد زیادہ نہیں ہے ۔ اب رہی یہ بات یہ واقعہ کب ہوا تھا ، امام بخاریؒ نے ترجمۃ الباب میں دونوں روایتیں نقل کی ہیں ، غزوۂ احد سے پہلے کی اور اس کے بعد کی بھی لیکن اغلب یہی ہے کہ غزوۂ احد کے پانچ چھ مہینے کے بعد یہ واقعہ پیش آیا تھا چنانچہ کتب سیرت و مغازی سب میں یہی تاریخ مذکور ہے ۔

لِيُخْزِيَ الْفَاسِقِيْنَ ○ (الحشر) سے تھا اور اس لئے تھا کہ اللہ تعالیٰ سرکشوں کو رسوا کرے

عرب میں بہترین کھجور عجوہ سمجھی جاتی ہے چنانچہ حضور کو بھی یہی پسند تھی۔ ابن ہشام نے لکھا ہے کہ لینہ اس کھجور کو کہتے ہیں جو عجوہ کی ضد ہو، یعنی ردی قسم کی ہو، اس بنا پر اس آیت سے دو باتیں معلوم ہوئیں، ایک یہ کہ نخلستان کے سب درخت نہیں کاٹے گئے اور دوسرے یہ کہ جو درخت کاٹے بھی گئے تھے وہ اچھی قسم کی کھجوروں کے نہیں تھے۔

آخر کار بنو نضیر کو جب کہیں سے مدد نہ ملی اور خود ان میں مقابلہ کی طاقت نہ تھی تو وہ جلا وطنی پر راضی ہو گئے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو اجازت دی تھی کہ ہتیاروں کو مستثنیٰ کر کے وہ اپنا مال و متاع سب کچھ لے جا سکتے ہیں، چنانچہ بنو نضیر مدینہ سے اس طرح روانہ ہوئے کہ کسی ایک شخص کی نکسیر بھی نہیں پھوٹی تھی۔ ان کے اونٹ ساز و سامان سے لدے ہوئے تھے۔ گھر کے دروازوں کے چوکھٹے تک ان کے ساتھ تھے، قافلہ میں مرد، عورتیں اور بچے سب ہی تھے، بنو نضیر میں اور انصار میں ازدواجی تعلقات تھے، اس بنا پر انصار کی اولاد میں سے بعض نے یہودی مذہب اختیار کر لیا تھا۔ اس موقع پر بنو نضیر نے ان کو بھی اپنے ساتھ لے جانا چاہا۔ انصار نے کو روکا۔ جب جھگڑا بڑھا تو قرآن مجید کی یہ آیت نازل ہوئی: [1]

لَآ اِكْرَاهَ فِي الدِّيْنِ (البقرہ) مذہب میں کوئی زبردستی نہیں ہے۔

بنو نضیر ترک وطن کر کے جا رہے تھے، لیکن ان کے تزک و احتشام پر جشن کا دھوکہ ہوتا تھا، ابن ہشام میں ہے کہ ان کے ساتھ دف اور آلات موسیقی بھی تھے اور قافلہ کے

---

[1] تفسیر ابن جوزی ج ۱ ص ۳۰۵، یہ قول حضرت عبداللہ بن عباس کا ہے اور یہ روایت ابو داؤد، نسائی اور سنن البیہقی سب میں ہے۔

دونوں کے امتزاج سے جوہر انسانیت کا وجود "خاکی وجود" نہایت مکدر و کثیف ہے جبکہ نوری وجود نہایت مقدس و منور ہے۔ خلافت و نیابت کی صلاحیت نہ تنہا اس میں ہے اور نہ اُس میں ہے۔ لیکن جس طرح نظریۂ اضداد کے تحت دو متضاد وصف کے ملنے سے ایک تیسرا وصف وجود میں آتا ہے جو خواص و اثرات میں دونوں سے مختلف ہوتا ہے اسی طرح خاکی اور نوری کے ملنے سے جوہر انسانیت وجود میں آیا جو خالص نوری و خاکی وصف سے مختلف ہے۔ دراصل اسی "جوہر" میں نیابت و خلافت کی اہلیت ودیعت ہے جس کے باعث انسان مسجودِ ملائک بنا اور دوسری تمام سرفرازیوں سے اس کو نوازا گیا۔

ہمہ جہتی ترقی کے لئے مستقل پروگرام کی تجویز لیکن اس "جوہر" میں دونوں کے امتزاج کے باوجود "خاکی" کے اثرات زیادہ نمایاں اور سہل الحصول ہیں کیونکہ وہ اجزائے ترکیبی کے خواص سے ابھرنے والے اور بقائے حیات کے لئے ہمہ وقت ان کو غذا و قوت پہونچانا ناگزیر ہے۔ "نوری" کے اثرات نہ اس قدر نمایاں اور سہل الحصول ہیں اور نہ بقائے حیات کے لئے ہر وقت ان کو غذا و قوت پہونچانے کے لئے مجبوری ہے کیونکہ نوری وجود محض قدرتی عطیہ ہے جس کی نزاکت و باریکی کو سمجھنا اس سے نکلنے والے تاروں کے زیر و بم سے واقفیت حاصل کرنا اور پھر ان کے مناسب غذا و قوت کا انتظام کرنا حددرجہ مشکل ہے۔ یہ انتظام نہ ہو تو جوہر انسانیت کی ہمہ جہتی ترقی نہ ہوگی اور پھر زندگی کی طلب و رسد میں توازن نہ برقرار رہ سکے گا۔ اس کے لئے اختیاری اور عملی پروگرام نہ ہو تو "خاکی" کے اثرات سے نوری کا خاکی رنگ اختیار کرلینا یقینی ہے۔ پروگرام کی تجویز انسان کے سپرد ہو تو اس کی عدم واقفیت ہر موڑ پر سنگ گراں بن کر حائل ہوگی اور مستقل لائحۂ عمل نہ ترتیب پاسکے گا۔ غرض ان وجوہات کی بنا پر قدرت نے اپنے عطیہ کے مناسب پروگرام کی تجویز اپنے ذمہ لی۔ اور بقائے انسانیت کے لئے جوہر انسانیت کی کارکردگی کو پامال ہونے سے محفوظ رکھا جیسا کہ درج ذیل تفصیل سے ظاہر ہے۔

عقاید

عقیدہ و ایمان عقاید، عقیدہ کی جمع ہے اس سے فکر و عمل کی وہ پختہ بنیاد مراد ہے جس پر

حدیث کا درایتی معیار

(داخلی فہم حدیث)

(۵)

مولانا محمد تقی امینی صاحب ناظم دینیات علی گڈھ مسلم یونیورسٹی

سلسلہ کے لئے ملاحظہ فرمائیے برہان اکتوبر ۷۵ء

بطور خلاصہ انسانی وجود کے دو پہلو

ان قوتوں میں نورانی بنیاد تسلیم کر لینے کے بعد بطور خلاصہ انسانی وجود کے دو پہلو نمایاں ہوئے۔

(۱) خاکی وجود اور

(۲) نوری وجود

"خاکی" کی بہترین ترجمانی فرشتوں نے ان الفاظ میں کی ہے:

أَتَجْعَلُ فِيهَا مَنْ يُفْسِدُ فِيهَا وَيَسْفِكُ الدِّمَاءَ[1] — کیا آپ اس کو خلیفہ بنائیں گے جو زمین میں فساد اور خونریزی کرے گا۔

"نوری" کی بہترین ترجمانی اس جواب میں ہے:

قَالَ إِنِّي أَعْلَمُ مَا لَا تَعْلَمُونَ[2] — اللہ نے فرمایا میں وہ جانتا ہوں جو تم نہیں جانتے

[1، 2] البقرہ ع ۴

(۳) ایمان بالکتب

(۴) ایمان بالرسل

(۵) ایمان بالیوم الآخر

ثبوت میں یہ آیتیں ہیں:

ان الذین قالوا ربنا اللہ ثم استقاموا تتنزل علیھم الملٰئکۃ الا تخافوا ولا تحزنوا وابشروا بالجنۃ التی کنتم توعدون[1]

بیشک جن لوگوں نے کہا کہ ہمارا رب اللہ ہے پھر اس پر مضبوطی کے ساتھ جمے رہے ان پر فرشتے اترتے ہیں کہ تم مت خوف کرو نہ غم کھاؤ اور خوشخبری سنو بہشت کی جس کا تم سے وعدہ ہے۔

ومن یکفر باللہ وملٰئکتہ وکتبہ ورسلہ والیوم الاخر فقد ضل ضللاً بعیداً[2]

جس شخص نے اللہ، اس کے فرشتوں، اس کی کتابوں، اس کے رسولوں اور آخرت کے دن کا انکار کیا (ان پر ایمان نہ لایا) تو وہ ... سخت گمراہی میں مبتلا ہوا۔

والمؤمنون یؤمنون بما انزل الیک وما انزل من قبلک[3]

مومن ایمان لاتے ہیں اس کتاب پر جو آپ پر نازل ہوئی اور ان کتابوں پر جو آپ سے پہلے نازل ہوئیں۔

انما المومنون الذین آمنوا باللہ ورسولہ[4]

یقیناً مومن وہ ہیں جو اللہ اور اس کے رسول پر ایمان لائے

من آمن باللہ والیوم الاخر وعمل صالحاً

جو اللہ اور آخرت کے دن پر ایمان لائے اور

---

[1] حم السجدہ ع ۴
[2] النساء ع ۲۲
[3] النساء ع ۲۲
[4] النور ع ۹

زندگی کی پوری عمارت تعمیر ہوتی ہے۔ قرآن حکیم نے اس بنیاد کی تعبیر "ایمان" کے ساتھ کی ہے جس کی اصل مضبوطی طمانینت اور بے خوفی ہے۔

الایمان الثقة[1]	ایمان مضبوطی ہے۔
اصل الایمان طمانینة النفس وزوال الخوف[2]	ایمان کی اصل نفس کا اطمینان اور خوف کا زوال ہے۔

قرآن حکیم میں ایمان سے مراد تصدیق ہے۔

وما انت بمؤمن لنا[3] ای بمصدق[4]	اور آپ ہمارے تصدیق کرنے والے نہیں ہیں
ولما یدخل الایمان فی قلوبکم[5] ای لم تصدقوا[6]	اور ایمان ابھی تمہارے دلوں میں نہیں داخل ہوا یعنی تم نے تصدیق نہیں کی۔

"تصدیق" ایک ذہنی فیصلہ (الحکم الذهنی[7]) ہے جو پوری قوت کے ساتھ ذہن میں راسخ ہو اور فکر و عمل کی ساری قوتیں اسی کے زیر اثر رہ کر کام کریں۔ اس قسم کے فیصلہ میں مضبوطی، طمانینت اور بے خوفی تینوں پائی جاتی ہیں۔

ایمان کے لئے منتخبات | اصول موضوعہ کے طور پر ایمان کے لئے جن کو منتخب کیا گیا یہ ہیں:

(۱) ایمان باللہ

(۲) ایمان بالملئکۃ

---

[1] ابوالبقاء الحسینی۔ کلیات ابی البقاء فصل الالف والیاء

[2] راغب اصفہانی۔ المفردات فی غریب القرآن [3] یوسف ع ۲

[4] ابن منظور۔ لسان العرب الجزء الخامس عشر [5] الحجرات ع ۲

[6] لسان العرب [7] کلیات ابی البقاء

کو اس سے غذا و قوت پہونچتی ہے۔ قرآن حکیم میں ہے:

الا بذکر اللہ تطمئن القلوب [1] — غور سے سن لو اللہ ہی کی یاد سے دلوں کو اطمینان ہوتا ہے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے معنویت حاصل کر کے فرمایا:

ذاق طعم الایمان من رضی باللہ ربًّا وبالاسلام دینًا وبمحمدٍ نبیًّا [2] — اس شخص نے ایمان کا مزہ چکھا جو اللہ کے رب ہونے، اسلام کے دین ہونے اور محمدؐ کے نبیؐ ہونے پر راضی ہوا۔

ثلث من کن فیہ وجد بھن حلاوۃ الایمان من کان اللہ ورسولہ احب الیہ مما سواھما ومن احب عبداً لا یحبہ الا للہ ومن یکرہ ان یعود فی الکفر بعد ان انقذہ اللہ منہ کما یکرہ ان یلقی فی النار [3] — تین چیزیں جس میں ہوں ان کی وجہ سے اس کو ایمان کی حلاوت (مٹھاس) نصیب ہوگی۔ (۱) جس کو اللہ و رسولؐ ماسوا سے زیادہ محبوب ہوں (۲) جو اللہ کے بندوں سے محبت محض اللہ کے لئے کرتا ہے (۳) جس کو کفر کی طرف لوٹنا ایسا ہی ناگوار ہو جیسا کہ آگ میں ڈالا جانا ناگوار ہوتا ہے۔

ایک شخص نے رسول اللہ سے سوال کیا:

ما الایمان — ایمان کیا ہے

آپ نے جواب میں فرمایا:

اذا سرتك حسنتك وساءتك — جب تجھ کو نیکی سے مسرت اور برائی سے اذیت

---

[1] الرعد ع ۴

[2] مسلم ومشکوۃ کتاب الایمان

[3] بخاری ومسلم ومشکوۃ کتاب الایمان

فلھم اجرھم عند ربھم[1] عمل صالح کرے تو ان کے لئے ان کا اجر ان کے رب کے پاس ہے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث میں مذکورہ ایمانیات کا ذکر اس طرح ہے:

ان تؤمن باللہ وملئکتہ وکتبہ ورسلہ والیوم الآخر وتؤمن بالقدر خیرہ وشرہ[2] اللہ اس کے فرشتوں، کتابوں، رسولوں اور آخرت کے دن پر ایمان لائے اور تقدیر کی خیر و شر پر ایمان لائے۔

ایمان بالقدر کا ذکر قرآن حکیم میں صراحۃً نہیں ہے کیونکہ یہ ایمان باللہ ہی کا جزء ہے لیکن "قدر" کا ذکر بار بار جس انداز سے کیا گیا ہے، اس کی معنوی دلالت سے رسول اللہ نے اس کو "ایمانیات" میں شامل کیا ہے اس طرح ایمانیات کی کل تعداد چھ ہو جاتی ہے۔

ایمان باللہ اصل ہے

ایمان باللہ اصل ہے باقی اسی سے متعلق ہیں یہ سب مل کر ناقابل تجزیہ کل بناتے ہیں ان میں کسی ایک کو دوسرے سے جدا نہیں کیا جا سکتا اور کسی ایک کا انکار کل کے انکار کے مرادف ہے۔ جیسا کہ آگے تفصیل سے واضح ہوگا۔

ایمان باللہ کے ذریعہ جوہر انسانیت کا رشتہ سرچشمۂ نور (اللہ) سے جوڑا جاتا جس کے بعد ہر قوت سے خود بخود رشتہ قائم ہو جاتا اور ہر قوت بقدر ظرف کسب نور کرتی رہتی ہے، اس طرح شعور و تحت الشعور کے ہر گوشہ میں اس کی نمود ہوتی اور ہر خیال و رجحان، جذبہ و خواہش نیز تصرف میں اس کی کارفرمائی ہوتی ہے اسی بنا پر قرآن و حدیث میں اس کے درج ذیل اثرات بیان کئے گئے ہیں مثلاً

اس کے ذریعہ نورانی بنیاد کو غذا و قوت پہونچتی ہے

اس رشتہ کی یاد تازہ رکھنے سے سکون و اطمینان حاصل ہوتا اور لذت و سرور کی کیفیت محسوس ہوتی ہے کہ نورانی بنیاد اور نورانی وجود

---

[1] البقرہ ع ۸ [2] بخاری و مسلم و مشکوۃ کتاب الایمان

ویطعمون الطعام علی حبہ مسکینا ویتیماً و اسیرًا [1]	اللہ کی محبت پر وہ مسکین یتیم اور قیدی کو کھانا کھلاتے ہیں۔
واتی المال علی حبہ ذوی القربیٰ والیتمیٰ والمساکین وابن السبیل والسائلین وفی الرقاب [2]	اللہ کی محبت پر رشتہ داروں یتیموں مسکینوں مسافروں اور (ضرورتمند) سوال کرنے والوں اور گردن چھڑانے میں مال دے۔

ایک مرتبہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے وضو فرمایا آپ کے اصحاب وضو کے پانی کو اپنے جسم پر ملنے لگے۔ آپ نے ان سے سوال کیا:

مایحملکم علی ھذا	کیا چیز تمھیں اس پر آمادہ کر رہی ہے۔

انھوں نے جواب دیا:

حب اللہ ورسولہ	اللہ اور اس کے رسول کی محبت۔

آپ نے فرمایا:

من سرہ ان یحب اللہ ورسولہ اویحبہ اللہ ورسولہ فلیصدق حدیثہ اذا حدث ولیود امانتہ اذا ائتمن ولیحسن جوار من جاورہ [3]	جو شخص اللہ اور اس کے رسول سے محبت کرنا چاہے، یا یہ فرمایا کہ جو شخص چاہے کہ اللہ اور اس کا رسول اس سے محبت کرے تو جب بات کرے تو سچ بولے، امین بنایا جائے تو امانت ادا کرے جو اس کا پڑوسی (جس حیثیت سے بھی) ہو اس کے ساتھ حسن سلوک کرے۔

---

[1] الدہر ع ۱

[2] البقرہ ع ۲۲

[3] مشکوۃ باب الشفقۃ والرحمۃ علی الخلق الفصل الثالث

سیئتک فانت مومن [1] محسوس ہو تو مومن ہے۔

تحت الشعور کے جذبۂ محبت سے ربط قائم ہوتا ہے | یہ رشتہ نہایت پُر کیف و پُر کشش ہوتا ہے کہ نور اعظم (اللہ) سے محبت کا جذبہ نورانی بنیاد کی وجہ سے تحت الشعور میں پہلے سے موجود ہے۔

والذین آمنوا اشد حبا للہ [2] اور ایمان والوں کو اللہ کی محبت زیادہ ہوتی ہے۔

یا ایھا الذین آمنوا من یرتد منکم عن دینہ فسوف یاتی اللہ بقوم یحبھم ویحبونہ [3] اے ایمان والو جو تم میں اپنے دین سے پھر جائے گا تو اللہ ایسی قوم لائے گا جن سے وہ محبت کرے گا وہ اللہ سے محبت کرے گی۔

محبت کے چند اثرات | اس محبت میں کوئی مادّی غرض و جنسی خواہش نہیں ہوتی اس لئے اثرات دنیوی محبت سے مختلف اور عجیب و غریب قسم کے ظاہر ہوتے ہیں مثلاً اللہ کی محبت کا اثر رسول اللہ نے اس طرح فرمایا:

ان اللہ اذا احب عبداً دعا جبرئیل فقال انی احب فلانا فاحبہ قال فیحبہ جبرئیل ثم ینادی فی السماء فیقول ان اللہ یحب فلانا فاحبوہ فیحبہ اھل السماء ثم یوضع لہ القبول فی الارض [4]

اللہ جب بندہ سے محبت کرتا ہے تو جبریلؑ کو بلا کر کہتا ہے کہ میں فلاں بندہ سے محبت کرتا ہوں تم بھی اس سے محبت کرو جبریلؑ اس سے محبت کرنے لگتے ہیں پھر آسمان میں اس کا اعلان کیا جاتا ہے جس سے اہل آسمان اس سے محبت کرنے لگتے ہیں پھر اہل زمین میں اس کو قبولیت حاصل ہوتی ہے۔

اللہ سے بندوں کی محبت کے یہ اثرات بیان کئے گئے ہیں:

---

[1] احمد و مشکوٰۃ کتاب الایمان
[2] البقرہ ع ۲۰
[3] المائدہ ع ۸
[4] مسلم و مشکوٰۃ باب الحب فی اللہ و من اللہ

(کفر) کی مثال ایک خراب و گندے درخت کی ہے جو زمین کے اوپر سے اکھیڑ دیا جاتا ہے کوئی جماؤ اور مضبوطی نہیں رکھتا۔

فادعوا اللہ مخلصین لہ الدین[1]

اللہ کو اس حالت میں پکارو کہ دین کو اس کے لئے خالص کرنے والے ہو۔

وفیہا ما تشتھیہ الانفس وتلذ الاعین وانتم فیہا خالدون[2]

اور جنت میں تمام وہ چیزیں ہیں جن کا تمہارا دل چاہے اور جن سے تمہاری آنکھوں کو ٹھنڈک حاصل ہو۔

پھر اس کے بعد ہے:

وتلک الجنة التی اورثتموھا بما کنتم تعملون[3]

یہ وہ جنت ہے جس کے تم اپنے اعمال کی بنا پر وارث بنائے گئے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس قسم کی آیتوں سے معنویت حاصل کرکے فرمایا:

انما الاعمال بالنیات وانما لامرئ ما نوی[4]

حسن عمل کا مدار نیتوں پر ہے انسان کے لئے وہی کچھ ہے جس کی اس نے نیت کی۔

ان اللہ لا ینظر الی صورکم و اموالکم ولکن ینظر الی قلوبکم واعمالکم[5]

اللہ تمہاری صورتوں اور مال کو نہیں دیکھتا لیکن تمہارے دلوں اور اعمال کو دیکھتا ہے

حسن عمل کی ایک تعبیر رسول اللہ نے مرنے کے بعد حسن عمل کی ایک تعبیر اس طرح کی ہے:

ویاتیہ رجل احسن الوجہ حسن الثیاب

انسان کے پاس ایک مرد آئے گا جو اچھی صورت

---

[1] غافر ع ۲

[2,3] الزخرف ع ۷

[4] بخاری ج ۱ باب کیف کان بدء الوحی

[5] مسلم ومشکوۃ باب الریاء والسمعة

محبت و محبوبیت کا یہ رشتہ زندگی کی گرہیں کھولتا نفسیاتی الجھنیں دور کرتا اور ابتلاء و آزمائش کے تاریخی واقعات کی توجیہ کرتا ہے جن کی تفصیل کا یہ موقع نہیں ہے بخلاف اس کے تحت الشعور کی تمام تر نوعیت و کیفیت میں جنسی خواہش یا غلبۂ و اقتدار کا جذبہ تسلیم کرنے کے بعد بہت سے نفسیاتی مسائل و تجربات ایسے سامنے آتے ہیں جن کا جواب نہیں دیا جاسکتا۔

انسان کے حسن عمل کو بقاء و دوام کی سعادت سے نوازتا ہے

اس رشتہ سے انسان کے حسن عمل کو بقاء و دوام کی سعادت حاصل ہوتی اور دائمی اجر و انعام کا استحقاق قائم ہوتا ہے۔ انسان کے اعمال و افعال اگرچہ فانی ہیں لیکن ان کے اثرات و خواص باقی ہیں۔ سرچشمۂ نور (اللہ) سے تعلق کے بعد جو حسن عمل صادر ہوتے ہیں ان میں اس قدر نورانیت و بلندی پیدا ہو جاتی ہے کہ ان کے خواص و اثرات مادی دنیا تک محدود نہیں رہتے بلکہ ان کی پرواز نورانی دنیا تک وسیع ہوتی اور وہاں دائمی اجر و انعام کا مستحق بناتی ہے۔ اور اگر انسان کے حسن عمل سرچشمۂ نور سے تعلق قائم کئے بغیر صادر ہوتے ہیں تو خاکی کثافتوں میں ملوث ہونے کی وجہ سے ان کے خواص و اثرات اسی مادی دنیا تک محدود رہتے ہیں نورانی دنیا سے نہ ان کو مناسبت پیدا ہوتی اور نہ وہاں دائمی اجر و انعام کا مستحق بناتے ہیں، اسی بناء پر اس رشتہ اور ہر عمل کو شرک ریاء، نمود وغیرہ مادی کثافتوں سے خالص رکھنے کا حکم دیا گیا۔ قرآن حکیم میں ہے:

الم تر کیف ضرب اللہ مثلاً کلمۃ طیبۃ	کیا آپ نے نہیں دیکھا کہ اللہ نے کلمۂ طیبہ (ایمان)
کشجرۃ طیبۃ اصلھا ثابت وفرعھا فی السماء	کی کیسی مثال دی ہے وہ گویا ایک اچھا درخت ہے
تؤتی اکلھا کل حین باذن ربھا ویضرب	جس کی جڑ خوب جمی ہوئی ہے اور شاخیں آسمان
اللہ الامثال للناس لعلھم یتذکرون	تک بلند ہیں وہ اپنے پروردگار کی اجازت سے
ومثل کلمۃ خبیثۃ کشجرۃ خبیثۃ اجتثت من فوق	ہر وقت پھل لاتا رہتا ہے اللہ لوگوں کے لئے مثالیں
الارض مالھا من قرار[1]	بیان کرتا ہے تاکہ وہ سبق حاصل کریں اور کلمہ خبیثہ

[1] ابراہیم ع ۴

نفقۂ مطلّقہ

سرکاری بل کا جائزہ اور مسئلہ کا حل

(۲)

مولانا محمد عبداللہ سلیم استاذ دارالعلوم دیوبند

تفصیل مسلک و دلائل نسخ روح المعانی کی درج ذیل تفسیری عبارت سے ان امور کی مزید وضاحت ہو جاتی ہے۔ علامہ محمود آلوسیؒ تحریر فرماتے ہیں۔

والمعنیٰ یجب علی الذین یتوفون ان یوصوا قبل ان یحتضروا لازواجھم بان یمتعن بعدھم حولاً بالنفقۃ والسکنی وکان ذلك علی الصحیح فی اول الاسلام ثم نسخت المدۃ بقولہ تعالیٰ اربعۃ اشھر وعشرا وھو وان کان متقدما فی التلاوۃ فھو متاخر فی النزول وکذا النفقۃ بتوریثھن الربع او الثمن واختلف فی سقوط السکنی وعدمہ والذی علیہ سادا تنا الحنفیۃ الاول وحجتھم ان مال الزوج صار میراثاً

اور آیت کے معنیٰ یہ ہیں کہ وفات پانے والوں کے لئے واجب ہے کہ وہ اپنی وفات سے پہلے اپنی بیویوں کے لئے اس بات کی وصیت کر دیا کریں کہ وہ ان کے بعد سال بھر نفقہ اور سکنیٰ سے فائدہ اٹھاتی رہیں اور صحیح روایت کے مطابق یہ ہدایت اسلام کے ابتدائی دور میں بھی تھی، پھر سال بھر کی مدت کو ارشاد خداوندی اربعۃ اشھر وعشرا (چار ماہ دس دن) نے منسوخ کر دیا اور یہ آیت ناسخ اگرچہ تلاوت کی ترتیب میں مقدم ہے لیکن نزولی ترتیب کے اعتبار سے مؤخر ہے، اور اسی طرح نفقہ کا حکم بھی ترکہ میں آٹھویں اور

طیب الریح فیقول ابشر بالذی یسرک هذا یومك الذی کنت توعد فیقول له من انت فوجهك الوجه یجئ بالخیر فیقول انا عملك الصالح[1]

عمدہ لباس اور پاکیزہ خوشبو میں ہوگا اور کہے گا کہ خوشخبری ہو اس کی جو تجھے خوش کرے یہ وہ دن ہے جس کا تجھ سے وعدہ کیا جاتا تھا وہ پوچھے گا کہ تو کون ہے تیرے چہرہ سے خیر و بھلائی ظاہر ہوتی ہے وہ جواب دے گا میں تیرا عمل صالح ہوں۔

دوسری روایت میں ہے:

قال الله تعالیٰ اعددت لعبادی الصالحین مالا عین رأت ولا اذن سمعت ولا خطر علی قلب بشر[2]

اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ میں نے صالح بندوں کے لئے وہ تیار کر رکھا ہے جس کو نہ کسی آنکھ نے دیکھا نہ کسی کان نے سنا اور نہ کسی انسان کے دل پر خطرہ گزرا۔

ایمان باللہ کے بعد کس قسم کے اعمال و افعال صادر ہوتے ہیں اور ان کے ذریعہ زندگی کی طلب و رسد میں کس قدر توازن برقرار رہتا ہے ان کی تفصیل عبادات و اخلاق وغیرہ مباحث میں آئے گی

(باقی آئندہ)

---

[1] احمد و مشکوۃ باب مایقال عند من حضرہ الموت

[2] بخاری و مسلم و مشکوۃ باب صفۃ الجنۃ واہلہا۔

وآخرج الشافعی وعبد الرزاق عن جابر بن عبد اللہ قال لیس للمتوفی عنہا زوجہا نفقۃ حسبہا المیراث واخرج ابوداؤد فی ناسخہ والنسائی عن عکرمۃ قال نسختہا والذین یتوفون منکم ویذرون ازواجا یتربصن بانفسہن اربعۃ اشہر وعشرا

(تفسیر فتح القدیر ص ۲۳۳ جلد اول)

آٹھواں حصہ (اولاد ہونے کی حالت میں) مقرر کردیا۔ ابن جریر نے بھی حضرت عطاء سے ایسا ہی قول نقل کیا ہے اور اسی کے مطابق دوسری وجوہ سے حضرت ابن عباس کے قول کو ابوداؤد اور نسائی نے بھی نقل کیا ہے اور امام شافعیؒ اور عبدالرزاق نے حضرت جابر بن عبداللہؓ کا قول نقل کیا ہے کہ بیوہ کیلئے نفقہ نہیں ہے اس کے لیے میراث کافی ہے اور ابوداؤد نے اپنی کتاب ناسخ اور منسوخ میں اور نسائی نے حضرت عکرمہؓ سے نقل کیا ہے کہ وصیت کے حکم کو اس آیت نے منسوخ کیا ہے والذین یتوفون منکم ویذرون ازواجا یتربصن الخ

جمہور کی رائے

بہرحال جمہور کی رائے یہی ہے کہ آیت وصیت منسوخ ہوچکی ہے۔ لیکن ایک قول یہ بھی ہے کہ آیت منسوخ نہیں ہوئی۔ قاضی شوکانی تفسیر فتح القدیر میں لکھتے ہیں:

وقد اختلف السلف ومن تبعہم من المفسرین فی ہذہ الآیۃ ہل ہی محکمۃ او منسوخۃ فذہب الجمہور الی انہا منسوخۃ بالاربعۃ الاشہر والعشر کما تقدم وان الوصیۃ المذکورۃ فیہا منسوخۃ بما فرض اللہ لہن من المیراث وحکی ابن جریر عن مجاہد ان ہذہ الآیۃ محکمۃ لا نسخ فیہ وان العدۃ اربعۃ اشہر وعشر، ثم جعل اللہ لہن وصیۃ منہ سکنی سبعۃ اشہر

سلف اور بعد کے مفسرین نے اس آیت کے بارے میں اختلاف کیا ہے کہ آیا یہ منسوخ ہے یا ثابت ہے۔ جمہور اس طرف گئے ہیں کہ چار مہینے دس دن والی آیت سے منسوخ ہوچکی ہے۔ اور اس آیت میں مذکور وصیت کا حکم میراث میں حصوں کے تعین نے کردیا ہے۔ لیکن ابن جریر نے مجاہد کی یہ رائے نقل کی ہے کہ یہ آیت ثابت ہے اس میں نسخ نہیں ہوا۔ اور یہ کہ عدت چار ماہ دس دن ہی کی مقرر تھی، پھر اللہ تعالےٰ نے (اس آیت کے ذریعہ سے مزید) سات ماہ بیس یوم کے سکنیٰ

للوارث وانقطع ملكه بالموت ۔ و ذهب الشافعية الى الثانى لقوله صلى الله تعالے عليه وسلم امكثى فى بيتك حتى يبلغ الكتاب اجله الخ

(روح المعانی ص ۱۵۹ جزء ۲)

چوتھائی حصہ کے مقرر ہو جانے کی وجہ سے منسوخ ہو گیا البتہ سکنٰی کے سقوط اور عدم سقوط میں اختلاف ہوا، حنفیہ کے نزدیک سکنٰی بھی ساقط ہو گیا۔ ان کی دلیل یہ ہے کہ شوہر کا کل مال وارثوں کی ملک ہو گیا اور اس کی ملکیت موت کی وجہ سے منقطع ہو گئی۔ اور شافعیہ اس طرف گئے ہیں کہ سکنٰی ساقط نہیں ہوا کیونکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ایک عورت کے لئے حکم تھا کہ اپنے گھر میں ٹھہری رہو یہاں تک کہ مدت مقررہ (عدت) پوری ہو جائے۔

مسلک حنفیہ حنفیہ کے نزدیک ترکہ میں مکان کا جو حصہ ملے گا وہ اگر قابل رہائش ہو تو اسی میں رہے گی اور ترکہ میں جو اور مال ملے اس سے اپنی ضروریات پوری کرے گی۔ اس مسئلہ میں امام شافعیؒ اور امام اعظمؒ کے مسلک کی تفاصیل "لامع الدراری"[1] میں شرح و بسط سے موجود ہے۔

اسی طرح قاضی شوکانی اس آیت کے ذیل میں اپنی تفسیر فتح القدیر میں لکھتے ہیں:

واخرج بن ابی حاتم عن ابن عباس فى الآية قال كان للمتوفى عنها زوجها نفقتها وسكناها فى الدار سنة فنسختها آية المواريث فجعل لهن الربع والثمن مما ترك الزوج واخرج ابن جرير نحوه عن عطاء، واخرج نحوه ايضاً ابوداؤد والنسائى عن ابن عباس من وجه

ابن ابی حاتم نے آیت کے ذیل میں حضرت ابن عباسؓ کا یہ قول نقل کیا ہے کہ ایک سال تک بیوہ کے نفقہ اور گھر میں اس کی رہائش متوفی شوہر سے ہی متعلق تھی۔ لیکن میراث والی آیت نے اس معمول کو منسوخ کر دیا اور ان کے لئے شوہر کے ترکہ میں سے چوتھائی (لاولد ہونے کی صورت میں) اور

---

[1] لامع الدراری علی جامع البخاری مؤلفہ حضرت مولانا زکریا صاحب مدظلہٗ شیخ الحدیث سہارنپور

جناح علیکم فالعدۃ کما ھی واجب علیہا زعم ذلك عن مجاھد۔

(بخاری کتاب التفسیر)

پورے سال شوہر کے گھر میں سکونت اختیار کرے اور چاہے تو وہاں سے چلی جائے۔ اور یہ (نکل جانا) مطابق ہوگا اللہ تعالیٰ کے ارشاد فان خرجن الخ کے یعنی اگر وہ خود نکل جائیں بغیر نکالے ہوئے تو تم پر کوئی گناہ نہیں ہے۔ تو عدت تو پہلے ہی کی طرح عورت پر واجب ہے راوی نے مجاہد سے یہی سمجھا ہے۔

حضرت ابن عباسؓ کا ارشاد قاضی شوکانی اور دوسرے بعض مفسرین اور شراح حدیث آیت کے منسوخ نہ ہونے کے قول کو صرف مجاہد کی طرف منسوب کرتے ہیں، فتح القدیر کے حوالہ میں قاضی شوکانی کی تحقیق ملاحظہ کی جا چکی ہے۔ مگر میں سمجھتا ہوں کہ بخاری میں مجاہد کے قول کے بعد ...... ہی عطاء سے مروی حضرت ابن عباسؓ کا قول نقل کیا گیا ہے۔ اس کا حاصل یہی معلوم ہوتا ہے کہ ان کے نزدیک بھی آیت منسوخ نہیں ہے۔ بخاری کی عبارت اس طرح ہے:

وقال عطاء قال ابن عباس نسخت ھذہ الآیۃ عدتھا عند اھلھا فتعتد حیث شاءت وھو قول اللہ تعالیٰ غیر اخراج۔ قال عطاء ان شاءت اعتدت عند اھلہ وسکنت فی وصیتھا وان شاءت خرجت لقول اللہ تعالیٰ فلا جناح علیکم فیما فعلن قال عطاء ثم جاء المیراث فنسخ السکنیٰ فتعتد حیث شاءت ولا سکنیٰ لھا وعن محمد بن یوسف حدثنا ورقاء عن ابن ابی نجیح عن مجاھد بھذا وعن ابن ابی نجیح عن عطاء عن ابن عباس

عطاء نے کہا، حضرت ابن عباس نے فرمایا ہے کہ اس آیت نے عورت کا اپنے ہی گھر میں عدت گزارنے کے حکم کو منسوخ کر دیا ہے اب وہ جہاں چاہے عدت گزارے اور یہی حاصل ہے ارشاد خداوندی غیر اخراج کا۔ عطاء کہتے ہیں کہ عورت چاہے تو شوہر کے گھر والوں کے پاس شوہر کی وصیت کے مطابق عدت گزارے اور چاہے تو وہاں سے چلی جائے بمطابق فرمان خداوندی فلا جناح علیکم فیما فعلن۔ عطاء کہتے ہیں کہ پھر میراث کا قانون آیا تو شوہر کے ذمے سے سکنیٰ (کے وجوب) کا حکم منسوخ ہوگیا۔ سو اب جہاں چاہے

وعشرين ليلة فان شاءت المرأة سكنت
فى وصيتها و ان شاءت خرجت و قد حكى
ابن عطية و القاضى عياض ان الاجماع
منعقد على ان الحول منسوخ وان عدتها
اربعة اشهر وعشر وقد اخرج عن مجاهد
ما اخرجه ابن جرير عنه البخارى فى صحيحه۔
(تفسير فتح القدير ص ۲۳۲ جلد اول)

کی وصیت کا ایماء فرمایا۔ پس اگر عورت چاہے تو
اس وصیت سے استفادہ کرتے ہوئے سکونت
اختیار کرے اور چاہے تو وہاں سے چلی جائے۔ ابن
عطیہ اور قاضی عیاض کا بیان یہ ہے کہ آیت میں
مذکور سال بھر کی مدت تو منسوخ ہو چکی ہے اور اب
عدت چار ماہ دس دن ہی ہے۔ مجاہد کا جو قول ابن
جریر نے نقل کیا ہے۔ اسی کے مطابق امام بخاری
نے اپنی صحیح میں ان کا قول نقل کیا ہے۔

حضرت مجاہدؒ کا قول

قاضی شوکانی نے صحیح بخاری میں منقول قول مجاہد کا جو حوالہ دیا ہے اس کو ذیل میں ملاحظہ کر لیا جائے۔

حدثنا اسحق حدثنا روح حدثنا شبل عن ابن ابی
نجيح عن مجاهد والذين يتوفون منكم ويذرون
ازواجا قال كانت هذه العدة تعتد عند
اهل زوجها واجب فانزل الله والذين يتوفون
منكم ويذرون ازواجا وصية لازواجهم
متاعا الى الحول غير اخراج فان خرجن فلا
جناح عليكم فيما فعلن فى انفسهن من معروف
قال جعل الله لها تمام السنة سبعة
اشهر وعشرين ليلة وصية ان شاءت
سكنت فى وصيتها وان شاءت خرجت وهو
قول الله تعالى غير اخراج فان خرجن فلا

ہم سے اسحٰق نے اور ان سے روح نے، ان سے شبل
نے بحوالہ ابن ابی نجیح مجاہد سے مروی حدیث آیت
والذین یتوفون منکم ویذرون ازواجا کے بارے
میں بیان کی کہ یہی (چار مہینے دس دن کی) عدت واجب
تھی جو شوہر کے یہاں اس کی مطلقہ بیوی گذارا کرتی
تھی۔ پھر اللہ تعالیٰ نے آیت نازل کی والذین یتوفون
منکم ویذرون ازواجا وصیۃ لازواجہم
متاعا الی الحول غیر اخراج الخ۔ مجاہد کہتے ہیں
کہ اللہ تعالیٰ نے پورے سال کی وصیت کا ذکر کر کے سات
مہینے بیس دن کا اور اضافہ کر دیا اس طرح اگر سال
مکمل ہو گیا اب اگر عورت چاہے تو وصیت کے مطابق

لئے ہے۔

رفع تعارض آیات

اگر نسخ نہ مانا جائے تو دیکھنا چاہیے کہ آیتوں میں کوئی تضاد تو نہیں ہے۔ اگر تطبیق ہو جاتی ہے تو پھر نسخ ماننے کی ضرورت ہی نہیں ہے۔ نسخ تو اس وقت ماننا ضروری ہے جبکہ جمع اور تطبیق نہ ہو سکے، پھر جو آیت زماناً مؤخر ہو گی اس کو ناسخ قرار دیا جائے گا یہی اصول احادیث کے سلسلہ میں بھی متعین ہے۔ چنانچہ نخبۃ الفکر میں ہے۔

ان سلم من المعاوضۃ فہو المحکم وان عورض بمثلہ فان امکن الجمع فہو مختلف الحدیث والا فان ثبت المتاخر بہ فہو الناسخ والآخر المنسوخ	اگر معارضہ سے محفوظ ہو تو وہ محکم ہے اور اگر اپنے مثل سے معارض ہو اور جمع ممکن ہو تو اس کا نام مختلف الحدیث ہے ورنہ (یہ جمع ممکن نہ ہو تو) متاخر ناسخ اور متقدم منسوخ ہوگا۔

اور یہاں چار مہینے دس دن والی آیت کو جمہور بخاری میں مذکور حضرت ابن زبیر رضی اللہ عنہما کی روایت کے مطابق اگر متاخر النزول اور آیت وصیت کے لئے ناسخ مانتے ہیں تو بخاری میں مذکور مجاہد اور عطار اور حضرت ابن عباس کے قول کے مطابق چار مہینے دس دن والی آیت نہ نزولاً مؤخر ہے اور نہ ناسخ۔ بلکہ اس کا نزول تلاوت کی ترتیب کے مطابق ہی ہے۔

اور آیتوں میں تطبیق و جمع بھی ہو جاتی ہے، اس کے لئے مبحوث عنہا میں غور کرنے کی ضرورت ہے۔

آیت کے تین ترجمے

علامہ سید رشید رضا مصری مرحوم مرتب تفسیر المنار نے اس آیت کی تین طرح تشریح کی ہے جن کا حاصل یہ ہے:

(۱) تم میں سے جو لوگ وفات پائیں اور بیویاں چھوڑیں اور اپنی بیویوں کے لئے ایک سال کے مصارف کی وصیت کی ہو بغیر نکالے تو اگر یہ بعد عدت خود ہی نکل جائیں تو تمہارے لئے اس میں ناگواری نہیں ہونی چاہئے جو وہ اپنے لئے بہتر سمجھ کر کریں۔ اس صورت میں وصیۃً سے پہلے فلیوصوا مقدر ماننا ہوگا، اور جملہ والذین یتوفون سے غیر اخراج تک شرط ہوگا اور فان خرجن سے اس کی

قال نسخت هذه الآیۃ عدتها فی اهلها فتعتد حیث شاءت لقول الله غیر اخراج نحوہٗ۔

عدت گزارے۔ اس کے لیے سکنیٰ نہیں رہا، محمد بن یوسف سے مروی ہے کہ ہم سے ورقاء، بحوالہ ابن ابی نجیح مجاہد کی بھی اسی کے مطابق حد بیان کی ہے اور ابن ابی نجیح نے بحوالہ عطاء حضرت ابن عباس سے روایت کیا ہے کہ اس آیۃ نے عورت کے اپنے گھر میں عدت گزارنے کے دستور کو منسوخ کیا ہے۔ اس لئے وہ جہاں چاہے عدت گزارے ارشاد خداوندی غیر اخراج۔

تطبیق بین الاقوال عطاء سے مروی حضرت ابن عباس کے قول کا حاصل یہ ہے کہ چار مہینے دس دن والی آیت نے اس آیت کو منسوخ نہیں کیا وہ آیت پہلے نازل ہو چکی تھی اس کے مطابق عدت چار ماہ دس دن ہی واجب تھی، البتہ اس آیت نے یہ لزوم منسوخ کر دیا کہ عدت شوہر ہی کے گھر میں گزارے گی۔ جیسا کہ آیت میراث نے بوضاحت سکنیٰ کے لزوم کو منسوخ کر دیا ہے۔

بظاہر مجاہد اور عطاء دونوں کے قول میں تضاد معلوم ہوتا ہے۔ اور امام بخاری نے ابن ابی نجیح کے حوالہ سے آخر میں مجاہد اور عطاء کے قول کو نقل کر کے تطبیق دینی چاہی ہے۔

انکار نسخ لیکن غور کیا جائے تو مجاہد کے قول کا یہ حاصل نہیں ہے کہ وہ سکنیٰ کو منسوخ نہیں سمجھتے بلکہ ان کے نزدیک بھی سکنیٰ کا لزوم تو ختم ہو گیا البتہ آیت نے یہ سفارش بھی کی ہے کہ اگر عورت ایک سال تک شوہر کے گھر رہنا چاہے اور ورثاء شوہر کی وصیت کے مطابق اس کو رہنے دیں اور نہ نکالیں تو وہ رہ سکتی ہے ہاں وہ خود ہی چلی جائے اور شوہر کی وصیت سے استفادہ نہ کرے تو تم پر کوئی ذمہ داری اس کی نہیں رہتی۔

اور بہرحال اس میں تو کوئی گنجائش نہیں ہے کہ مجاہد اور عطاء اور حضرت ابن عباسؓ کے نزدیک چار ماہ دس دن والی آیت بعد میں نازل ہو کر اس آیت کے لئے ناسخ نہیں بنی ہے جیسا کہ جمہور کی

ویمکن ان یقال یستحب او یجوز للمیت الوصیۃ ولا یجب علی المرأۃ ان تسکن فی وصیتہ وعلیہ ابن عباس وھذا التوجیہ ظاہر من الآیۃ

(الفوز الکبیر)

نزدیک باقی ہے اور دوسری جماعت کے نزدیک لاسکنیٰ کی حدیث سے منسوخ ہے۔ میں کہتا ہوں کہ جمہور مفسرین کے نزدیک تو منسوخ ہے۔ لیکن یہ مطلب ممکن ہے کہ متاعاً الی الحول کی آیت میں میت کے لئے وصیت واجب نہیں ہے بلکہ استحباب اور جواز کے درجہ میں ہے اور عورت کے لئے بھی وصیت شدہ مکان میں رہنا وجوب کے درجہ میں نہیں ہے اور یہی ابن عباسؓ کا مسلک ہے اور یہ توجیہ آیت سے ظاہر ہے۔

آیت میراث و آیت وصیت کا رفع تعارض اس بحث کے شروع میں جمہور کا قول کرتے ہوئے یہ تحریر کیا جاچکا ہے کہ کتب علیکم اذا حضر احدکم الموت، اور آیت مبحوث عنہا والذین یتوفون منکم ویذرون ازواجاً وصیۃ الخ ان ہر دو آیات وصیت کو روایت لا وصیۃ لوارث نے بھی منسوخ کیا ہے، اس پر قاضی ثناء اللہ صاحبؒ پانی پتی اپنی تفسیر مظہری میں تحریر فرماتے ہیں:

قالوا نسخت ھذہ الآیۃ آیۃ المواریث وقولہ صلی اللہ علیہ وسلم ان اللہ قد اعطی کل ذی حق حقہ الا لا وصیۃ لوارث وفیہ نظر لان آیۃ المواریث لا یعارضہ بل یؤکدہ فانہا تدل علی تقدیم الوصیۃ علی المیراث فکیف تکون ناسخۃ والحدیث حدیث الآحاد لا یجوز بہ نسخ الکتاب والتحقیق ان الآیۃ منسوخۃ الحکم للاجماع علی عدم جواز الوصیۃ

جمہور نے کہا ہے کہ اس آیت کو آیت میراث نے اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے اس ارشاد نے منسوخ کردیا کہ اللہ تعالیٰ نے ہر حقدار کو اس کا حق دیدیا ہے یاد رکھو کسی وارث کے لئے وصیت نہیں ہے اور اس میں اشکال ہے اس لئے کہ آیت میراث اس آیت کے معارض نہیں بلکہ اس کی تاکید کرتی ہے، کیونکہ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ میراث پر وصیت مقدم ہے تو یہ ناسخ کیسے ہوسکتی ہے اور حدیث احاد میں سے

جزار ہو جائے گی۔

(۲) چونکہ عرب کے رواج کے مطابق بیوہ ایک سال تک اپنے شوہر کے گھر میں رہنے کی پابند تھی، پھر قرآن حکیم نے اس کی عدت چار مہینے دس دن مقرر کردی تو اس کا اثر یہ مرتب ہونا ممکن تھا کہ اولیاء میت بعد عدت عورت کو بالجبر نکال دیں جبکہ اپنے مزاج کے اعتبار سے وہ غمزدہ بھی ہوتی ہے اور دوسری جگہ شادی کے لئے ابھی وہ تیار نہیں رہتی۔ علاوہ ازیں اس کا بھی امکان ہے کہ یہ واضح نہ ہو کہ یہ حاملہ ہے یا نہیں۔ اس لئے فرمایا گیا کہ شوہروں کو چاہیئے کہ اپنی بیویوں کے لئے ایک سال کے مصارف کی وصیت کر دیا کریں۔ اس صورت میں وصیۃ سے پہلے فلیوصوا مقدر ماننا ہوگا۔

(۳) عبارت اس طرح مانی جائے۔ فاللہ یوصی وصیۃ لازواجھم ان یمتعن متاعاً الی الحول غیر اخراج ای غیر مخرجات ۔ یا ۔ وصیۃ لازواجھم من اللہ ان یمتعن الخ یعنی عورتوں کے لئے اللہ تعالیٰ کی وصیت ہے کہ ایک سال تک شوہر کے گھر میں ٹھہری رہیں سو اگر وہ خود ہی نکل جائیں تو اے مخاطبین تم پر کوئی حرج نہیں ہے کیونکہ اب تمہاری ولایت کا تعلق نہیں رہا۔

(تفسیر المنار جلد ۲ ص ۴۴۹)

ان تشریحات کی صورت میں دوسری آیتوں سے تعارض اور ٹکراؤ نہیں ہوتا۔

حضرت شاہ ولی اللہؒ اور تطبیق آیات — اب اس کے بعد حضرت شاہ ولی اللہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کا ارشاد اس آیت کی تطبیق کے سلسلہ میں ملاحظہ ہو۔

قولہ تعالیٰ والذین یتوفون (الیٰ قولہ) متاعاً الی الحول منسوخۃ بآیۃ اربعۃ اشہر وعشرا والوصیۃ منسوخۃ بالمیراث والسکنیٰ باقیۃ عند قوم منسوخۃ عند آخرین بحدیث لاسکنیٰ قلت ھی کما قال منسوخۃ عند جمھور المفسرین

آیت والذین یتوفون منکم ویذرون ازواجا وصیۃ لازواجھم الخ کو اس کے قبل کی آیت یتربصن بانفسھن اربعۃ اشھر وعشرا سے منسوخ کہا گیا ہے اور وصیت کو آیت میراث سے منسوخ سمجھا گیا ہے اور سکنیٰ کا حکم ایک جماعت کے

آیت و روایت میں تطبیق پھر چونکہ حدیث میں کسی وارث کے لئے وصیت کے بلاشرط عدم نفاذ کو نہیں بتلایا گیا بلکہ ورثار کی عدم اجازت سے اس کو مقید کیا ہے یعنی دیگر ورثار اگر اجازت دیدیں تو ایک وارث کے حق میں بھی وصیت نافذ ہو سکتی ہے۔ پوری حدیث اس طرح ہے :

ان اللہ اعطی کل ذی حق حقہ فلا وصیۃ لوارث الا ان یجیزھا الورثۃ (نصب الرایہ ص۴۰۳ جلد ۴ بحوالہ دارقطنی)	بلاشبہ اللہ تعالیٰ نے ہر حقدار کو اس کا حق دیدیا ہے اس لئے وارث کے لئے وصیت جائز نہیں الّا یہ کہ ورثہ اس کی اجازت دیدیں۔

جواز وصیت برائے نفقۂ زوجہ اس لئے اگر اس مسئلہ میں یہ کہا جائے کہ شوہر سال بھر تک کے نفقہ و سکنی کی وصیت کر سکتا ہے اور آیت کو ایجاب وصیت پر نہیں بلکہ استحباب وصیت پر محمول کیا جائے جیسا کہ شاہ ولی اللہ صاحب کی منقولہ بالا تحریر میں بھی یہی مفہوم لیا گیا ہے۔ ادھر ورثہ اس وصیت کے نفاذ پر راضی ہوں تو عورت سال بھر تک شوہر کے گھر میں عدت بھی گزار سکتی ہے، اور نفقہ بھی لے سکتی ہے۔ اس سلسلہ میں تفسیر المنار سے نقل کردہ آیت کے ترجموں کو بغور دیکھ لیا جائے۔

لیکن ظاہر ہے کہ شوہر یا ورثار کے لئے یہ بات محض استحباب کے درجہ کی ہے، آیتوں کی مذکورۂ بالا تطبیق کی صورت میں زیادہ سے زیادہ یہ کہا جا سکتا ہے کہ قرآن حکیم اس وصیت کے لئے مشورہ دے رہا ہے۔ وصیت کرنے کا حکم یا اس کو لازم و واجب قرار نہیں دے رہا ہے ....

...... لہٰذا یہ گنجائش قطعاً نہیں مل سکتی کہ اس وصیت کے لئے یا اس کے نفاذ کے لئے شوہر یا ورثار کو مجبور کیا جائے۔ یا شوہر کی وصیت اور ورثار کی رضامندی سے بھی صرف نظر کر کے از خود شوہر کے متروکہ مال سے اس کو نفقہ دیا جاتا ہے اور حصہ سے زائد مکان میں سکونت رکھی جائے یا اس طرح کا کوئی قانون بنایا جائے، لزوم اور جبر کے لئے کوئی گنجائش نہیں ملتی۔

اس مضمون میں یہ کوشش کی گئی ہے کہ جتنی گنجائش آیت و روایت سے مل سکتی ہے اس سے دریغ نہ کیا جائے۔ اسی طرح یہ کوشش بھی ہے کہ کوئی آیت و روایت ایسی نہ رہ جائے جس سے غلط طور پر کوئی گنجائش نکالنے کی جد وجہد کرے۔ اس لئے یہاں یہ وضاحت ضروری معلوم ہوتی ہے کہ تفسیر بغوی میں ایک روایت ہے جو درج ذیل ہے۔ جس کا حاصل یہ ہے کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک بیوہ کو شوہر کے

لا وصية لوارث الا عند رضاء الورثة وبالاتفاق الائمة الاربعة وجمهور العلماء على عدم وجوب الوصية لغير الوارث من الاقارب

(مظہری ص ۱۸۶ جلد اول)

ہے، اس سے کتاب اللہ کا نسخ جائز نہیں ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ آیت کا حکم اس اجماع کی وجہ سے منسوخ ہوگیا ہے کہ کسی وارث کے لئے وصیت جائز نہیں الا یہ کہ دیگر ورثاء اس کے لئے راضی ہوں نیز ائمہ اربعہ اور جمہور علماء کے اس اتفاق کی وجہ سے کہ غیر وارث رشتہ دار کے لئے وصیت واجب نہیں ہے

لا وصية لوارث کے ناسخ ہونے کا رد

قاضی صاحبؒ کی اس عبارت سے آیت میراث اور روایت لا وصية لوارث کو آیت وصیت کے لئے ناسخ ماننے کا رد ہوتا ہے۔ قاضی صاحب کے نزدیک بربنائے اجماع اس آیت کا حکم منسوخ ہوگیا۔ سوال یہ ہوسکتا ہے کہ جمہور اسی روایت کو ناسخ مانتے تھے اور اسی نسخ پر ان کا اجماع تھا، جب ان دونوں کو ناسخ ماننا صحیح نہ رہا تو پھر آخر اجماع کس آیت و روایت پر مانا جائے گا؟ تاہم یہ بات مسلم ہے کہ اجماع کسی آیت و روایت ہی پر ہوگا۔

لیکن بہرحال قاضی صاحب نے آیت میراث اور آیت وصیت میں بڑی عجیب تطبیق دی ہے کہ اس آیت سے میراث پر وصیت کے مقدم ہونے کی دلالت ہوتی ہے۔ حاصل اس کا یہ ہے کہ جن آیتوں میں قانون میراث مذکور ہے وہاں یہ ہدایت بھی ہے من بعد وصية توصون بها او دين یعنی یہ ترکہ کی تقسیم تمہاری وصیت اور قرضہ کی ادائیگی کے بعد ہوگی۔ معلوم ہوا کہ میراث پر وصیت مقدم ہے۔

اور آیت وصیت کے معنیٰ یہ ہوں گے کہ اللہ تعالیٰ نے تمہارے والدین اور اقرباء کی میراث کے متعلق یوصیکم اللہ فی اولادکم میں جو وصیت تم کو کی ہے وہ تم پر فرض ہے۔

آیت کے یہ معنیٰ بحر محیط، تفسیر کبیر، اور کشاف کے حوالہ سے "قرآن محکم"[1] میں نقل کئے گئے ہیں۔

---

[1] مؤلفہ حضرت مولانا عبدالصمد رحمانی مرحوم۔ شائع کردہ مجلس معارف القرآن دارالعلوم دیوبند

واللہ اعلم۔
(مظہری ص ۳۴ جلد اول)

نے عمل کرایا ہوگا، اس کے علاوہ یہ حدیث اصحابات کی مقتضی ہے کہ یہ آیت وصیت یوصیکم اللہ فی اولادکم کے بعد اور ولہن الربع مما ترکتم سے پہلے نازل ہوئی ہے حالانکہ یوصیکم اللہ اور ولہن الربع وغیرہ میراث کی آیتیں بیکدم نازل ہوئی ہیں۔ واللہ اعلم۔

اس تفصیل سے یہ بات معلوم ہوگئی کہ بغوی کی روایت میں ایسا کلام ہے کہ جس کی وجہ سے یہ روایت قابل استدلال ہو ہی نہیں سکتی۔

بہرحال سال بھر تک بیوہ کے نفقہ وسکنیٰ کے لئے وصیت صرف مستحب ہوسکتی ہے اور اس کا نفاذ بھی ورثاء کی اجازت سے ہوسکے گا۔ لیکن اس استحبابی حکم کو امت نے معمول بہ نہیں بنایا۔ بالکل اسی طرح جیسے گھروں میں اور والدین کے کمروں میں بچوں کو بغیر اجازت داخل ہونے سے قرآن حکیم نے سورۂ نور میں منع کیا ہے۔ لیکن یہ حکم بھی استحبابی تھا اور امت میں معمول بہا نہیں رہا۔ (تفسیر المنار)

دلیل برائے ترمیم کا جائزہ اس تفصیل کے بعد اس آیت کو لیا جائے جس کو ترمیم کے خواستگاروں نے اپنا مستدل بنایا ہے یعنی وللمطلقت متاع بالمعروف حقا علی المتقین (اور طلاق دی ہوئی عورتوں کے لئے کچھ کچھ فائدہ پہونچانا (کسی درجہ میں مقرر ہے) قاعدہ کے موافق اور یہ مقرر ہوا ہے ان پر جو شرک وکفر سے پرہیز کرتے ہیں)

بعض حضرات کے نزدیک اس آیت میں مذکور حکم عام ہے یعنی ہر مطلقہ کے لئے متاع دینا مشروع کیا گیا ہے، یہی رائے حضرت ابن عباس، ابن عمر، عطاء، جابر بن زید، سعید بن جبیر، ابو العالیہ، حسن بصری اور امام احمد و اسحٰق کی ہے۔ امام شافعی کا ایک قول بھی اسی کے مطابق ہے۔ دلیل ان کی یہ ہے کہ اس آیت میں عموم ہے اور کسی قید کا نہ ہونا ہے، نیز سورۂ احزاب میں ہے۔

ترکہ سے ایک سال کا نفقہ دلایا تھا۔ اس حدیث سے جبر اور لزوم یا کسی قانون سازی کی گنجائش نہیں نکل سکتی اس لئے کہ تفسیر مظہری نے اس روایت کو نقل کرکے اس کا جواب بھی دیدیا ہے، جو درج ذیل ہے:

بغوی کی روایت پر کلام

قال البغوی نزلت الآیۃ فی رجل من الطائف یقال لہ حکیم بن الحارث ھاجر الی المدینۃ ولہ اولاد ومعہ ابواہ وامرأتہ ومات فانزل اللہ تعالیٰ ھذہ الآیۃ فاعطی النبی صلی اللہ علیہ وسلم والدیہ واولادہ من میراثہ ولم یعط امرأتہ شیئاً وامرھم ان ینفقوا علیھا من ترکۃ زوجھا حولاً وکذا اخرج اسحٰق بن راھویہ فی تفسیرہ عن مقاتل بن حیان ان رجلاً من اھل الطائف قدم المدینۃ الحدیث قلت لکن سیاق الآیۃ ینافی ھذا الحدیث لان الآیۃ تقتضی وجوب الوصیۃ والحدیث یقتضی وجوب نفقتھا من ترکۃ زوجھا من غیر وصیۃ ولعلہ مات بعد نزول الآیۃ واوصی بالانفاق حولاً علی حسب تلک الآیۃ فعمل النبی صلی اللہ علیہ وسلم کذلک وایضاً ھذا الحدیث یقتضی نزول ھذہ الآیۃ بعد قولہ تعالیٰ یوصیکم اللہ فی اولادکم وقبل قولہ تعالیٰ لھن الربع مما ترکتم ان لم یکن لھن ولد۔ الآیۃ۔

بغوی نے کہا ہے کہ یہ آیت طائف کے ایک شخص کے بارے میں نازل ہوئی ہے جس کو حکیم بن حارث کہا جاتا ہے، وہ ہجرت کرکے مدینہ آگئے تھے۔ ان کے بچے بھی تھے اور ساتھ ہی والدین اور بیوی بھی تھی۔ ان کا انتقال ہوا تو اللہ تعالیٰ نے یہ آیت والذین یتوفون الخ نازل فرمائی، اس پر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے متوفی کے والدین اور اولاد کو میراث سے حصہ دیدیا لیکن بیوی کو اس میں سے کچھ نہیں دیا اور ورثاء کو حکم دیا کہ وہ بیوہ پر شوہر کے ترکہ سے سال بھر تک خرچ کریں۔ اسی طرح اسحٰق بن راہویہ نے اپنی تفسیر میں مقاتل بن حیان سے روایت کیا ہے کہ طائف کا ایک شخص مدینہ آگیا تھا الخ۔ میں کہتا ہوں کہ آیت کی عبارت اس حدیث کے منافی ہے کیونکہ آیت مقتضی ہے شوہر کے ترکہ سے بغیر وصیت کے ادائیگی نفقہ کے وجوب کو۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ شاید وہ صحابی اس آیت وصیت کے نزول کے بعد فوت ہوئے ہوں گے، اور اس کے مطابق انھوں نے سال بھر تک نفقہ کی وصیت کردی ہوگی، اور اسی وصیت کے مطابق نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم

(۴) ازدواجی تعلق نہیں ہوا اور نہ ہی مہر متعین ہوا اس کے لئے متاع کا دیا جانا تجویز ہوا۔
اور یہ اس کے حق میں بدل ہے ان چیزوں کا جو دوسری تین مطلقات کے لئے واجب
کی گئی ہیں۔ یعنی اس متاع کا تذکرہ سابقہ آیت لاجناح علیکم ان طلقتم النساء
مالم تمسوھن او تفرضوا لھن فریضۃ ومتعوھن الخ۔ میں ہے اور اسی کا
اعادہ یہاں کیا گیا ہے۔

علامہ رشید رضا کا فیصلہ علامہ رشید رضا تفسیر المنار میں یہ ساری تفصیل بیان کر کے
لکھتے ہیں:۔

واحوط الاقوال واوسطھا قول من	زیادہ محتاط اور معتدل قول ان لوگوں کا ہے
جعل المتعۃ غیر المھر واوجبھا	جنھوں نے متاع کو مہر کے علاوہ قرار دے کر اس کے لئے واجب
لمن لاتستحق مھرا وندبھا لغیرھا۔	کیا ہے جو مہر کی مستحق نہیں اور اس کے علاوہ دوسروں کیلئے مستحب کیا ہے۔

علامہ سید رشید رضا کے نزدیک حنفیہ کا مسلک ہی محتاط اور معتدل ہے۔

متاع کے معنیٰ اصل میں بنائے اختلاف "متاع کے معنیٰ ہیں۔ کچھ حضرات نے متاع
کے معنیٰ "نفقۂ عدت" کہے ہیں۔ تفسیر مظہری میں ہے:۔

قیل المراد بہ متاع فی ھذہ الاٰیۃ نفقۃ	کہا گیا ہے کہ اس آیت میں مذکور متاع سے مراد
ایام العدۃ۔ (ص ۳۴۰ جلد اول)	نفقۂ عدت ہے۔

ان حضرات کے نزدیک تمام مطلقات کے لئے یہ حکم ہے۔ اس میں الف لام استغراق
کا مانا جائے گا یعنی ہر اس مطلقہ کے لئے متاع دینا واجب ہے جس پر عدت واجب ہے۔ وہ
مطلقات جن سے ازدواجی رشتہ قائم نہیں ہوا ان پر نہ عدت واجب ہے اور نہ ان کا نفقہ
شوہر کے ذمّے ہے۔ ان کے لئے مستقل حکم آیتوں میں مصرح ہے۔ اور بعض حضرات نے
متاع کے معنیٰ مہر کے کہے ہیں۔ ان کے نزدیک معنیٰ یہ ہوئے کہ دستور اور قانون شریعت
کے مطابق تمام مطلقہ عورتوں کو مہر دیئے جائیں جس کی تفصیل پہلے بھی آ چکی ہے۔

یاایھا النبی قل لازواجك ان كنتن	اے نبیؐ! آپ اپنی بیویوں سے کہہ دیجئے کہ اگر تم کو دنیا
تردن الحیاۃ الدنیا و زینتها فتعالین	کی زندگی اور اس کی زینت مطلوب ہے تو آؤ میں تم کو
امتعكن واسرحكن سراحاً جمیلاً۔	متاع و سامان دوں اور چھوڑ دوں تم کو اچھی طرح چھوڑنا۔

اوران سب ازدواج مطہراتؓ سے آپؐ کا ازدواجی تعلق قائم ہوچکا تھا اوران کے مہر بھی متعین تھے۔

پھران حضرات میں دو گروہ ہیں ایک گروہ کے نزدیک ہر مطلقہ کے لئے متاع دینا واجب ہے اور دوسرے گروہ کے نزدیک صرف اسی مطلقہ کے لئے واجب ہے جس سے صحبت ہوئی ہو اور نہ خلوتِ صحیحہ، اور مہر بھی متعین ہوا ہو۔ اور باقی مطلقات کے لئے مستحب ہے۔ یہی بات امام ابوحنیفہؒ کے مسلک کے مطابق ہے۔

مطلقہ عورتوں کی انواع

دوسرے حضرات اس حکم کے عموم کے قائل نہیں ہیں بلکہ حکم کو اسی مطلقہ کیلئے خاص مانتے ہیں جو غیر مدخول بہا ہو اور مہر بھی متعین نہ ہو۔ ان کا کہنا یہ ہے کہ مطلقہ عورتیں چار طرح کی ہیں اور چاروں کے لئے حکم جدا جدا ہے

(۱) ازدواجی تعلق ہوچکا ہو اور مہر بھی متعین ہو اس کو پورا مہر دیا جائے گا۔ اس کے لئے قرآن حکیم میں ارشاد ہے ولا یحل لکم ان تاخذوا مما اٰتیتموھن شیئاً۔

(۲) ازدواجی تعلق ہوچکا ہو اور مہر متعین نہ ہو۔ اس کو مہر مثل دیا جائے گا۔ اس کی حجت میں بعض حضرات آیت فما استمتعتم بہ منھن فاٰتوھن اجورھن فریضۃ کو قرار دیتے ہوئے آیت کے معنیٰ یہ بتلاتے ہیں فاعطوھن مھورھن بالفرض والتقدیر اذا کان غیر مسمّٰی۔ ای والعملۃ فی التقدیر مساواتھا بامثالھا علی الاقل۔

(۳) مہر متعین ہو لیکن ازدواجی تعلق نہ ہوا ہو اس کو نصف مہر دیا جائے گا۔ اس کا حکم اس آیت میں ہے۔ وان طلقتموھن من قبل ان تمسوھن وقد فرضتم لھن فریضۃ فنصف ما فرضتم الخ۔

یہ حقیر ہدیہ ہے۔

لیکن یہاں بحث قانون سے ہے تو یہ بات واضح ہو چکی ہے کہ قانون بنانے کے لئے کوئی گنجائش شریعت سے نہیں مل سکتی۔

مظلوم عورتوں کے چار طبقات اب ہم یہ تسلیم کرتے ہوئے کہ طلاق کے سلسلہ میں شوہر کا ظلم وجور ثابت ہو تو اس کی مالی پریشانیوں کے دفعیہ کی ایسی راہ تجویز کرنے پر غور کرتے ہیں جو نہ شریعتِ اسلامیہ کے معارض ہو اور نہ اس میں پیش کردہ نقصانات ہوں — سرسری جائزہ لیا جائے تو ایسی عورتوں کے احوال چار نوع کے ہو سکتے ہیں۔

(۱) عورت خود مالدار ہے

(۲) خود غریب ہے لیکن اولیاء میں یا نزدیک اور دور کے رشتہ داروں میں کوئی مالدار اور صاحبِ استطاعت ہے۔

(۳) غریب اور لاوارث ہے لیکن ایسے علم و ہنر کی مالک ہے کہ اپنی خاندانی حیثیت کی برقراری کے ساتھ کما کر خود اپنی کفالت کر سکتی ہے۔

(۴) ایسی غریب و لاوارث ہے کہ کچھ علم و ہنر بھی نہیں جانتی یا جانتی ہے تو بہت معمولی اور آمدنی قطعاً ناکافی ہوتی ہے یا ہو سکتی ہے۔

حلِ مشکلات اب ہم ترتیب وار ان عورتوں کے مسائل کا حل پیش کرتے ہیں۔ مظلوم و مقہور انسانوں کے ساتھ ہمدردی رکھنے والے اہلِ فکر ان تجاویز کو کڑی اور قابلِ عمل شکل دے سکتے ہیں۔

(۱) جو عورت خود مالدار ہے وہ اپنے مسائل کا خود حل تجویز کر سکتی ہے۔ اس لئے ہمارا خیال یہ ہے کہ ایسی عورتوں کے بارے میں کسی متعین تجویز کی ضرورت نہیں ہے۔

(۲) اگر ولی میں استطاعت کفالت کی ہے تو وہی ذمہ دار ہے۔ اگر اولیاء میں کوئی

بعض حضرات نے متاع کا ترجمہ نفقۂ عدت کے علاوہ کچھ سامان سے کیا ہے۔ ان کے نزدیک وللمطلقت میں الف لام عہد کا مانا جائے گا۔ یعنی صرف وہی مطلقہ مراد ہوگی جس سے ازدواجی تعلق قائم نہیں ہوا اور اس کا مہر مقرر ہوا اور جس کا تذکرہ اس سے پہلے کی آیت میں آیا اور وہاں حکم دیا گیا ہے ومتعوهن کہ ایسی مطلقہ عورتوں کو متاع دو۔

آخر کلام

اس تفصیل سے بخوبی سمجھا جا سکتا ہے کہ متاع کے معنیٰ میں اختلاف کے باوجود ایسے معنیٰ کسی نے نہیں کیے جس سے عدت کے بعد بھی شوہر کو مطلقہ کا نان ونفقہ دینے پر مجبور کیے جانے کی گنجائش نکل سکے۔

اس مضمون میں یہ بات واضح کی جا چکی ہے کہ قرآن حکیم نے آیت اسکنوهن من حيث سكنتم الخ۔ کے ذریعے صرف دوران عدت نفقہ کو واجب قرار دیا ہے۔ ویسے بھی غور کیا جائے کہ سورۂ طلاق کا آغاز ان الفاظ سے ہوتا ہے یایها النبی اذا طلقتم النساء فطلقوهن لعدتهن واحصوا العدة۔ عدت کا ذکر آیا تو آگے ان عورتوں کی عدت بتلائی گئی جن کا تذکرہ سورۂ بقرہ میں نہیں آیا اور یہ بھی ہدایت کی گئی کہ ان کو دوران عدت گھروں سے نہ نکالا جائے اور نہ یہ خود نکلیں۔ جن آیتوں میں یہ باتیں فرمائی گئی ہیں ان کے فوراً ہی بعد یہ آیت مذکور اسکنوهن من حيث سكنتم۔ تو ظاہر ہے کہ دوران عدت نفقہ و سکنیٰ کی ہی ہدایت دی گئی ہے نہ کہ عدت کے بعد کے زمانہ کے لئے۔ لہٰذا اگر اس سے زائد کا مطالبہ شوہروں سے کیا گیا یا کسی طرح اس کو اس کا پابند قرار دیا گیا تو قرآن وحدیث کی خلاف ورزی اور مداخلت فی الدین ہوگی۔

ہاں شوہر از خود یا کسی کی ترغیب سے علاوہ نفقۂ عدت کے مزید کچھ دیدے تو یہ اس کا فعل مستحسن ہوگا اور یقیناً وہ اپنے ایثار میں قابل تعریف قرار پاکر انشاء اللہ ماجور ہوگا۔ جیسا کہ حضرت حسن رضی اللہ عنہ کے بارے میں مروی ہے کہ اپنی بیوی کو طلاق دے کر بعد عدت رخصت کیا تو دس ہزار درہم بطور ہدیہ دیئے اور یہ کہلایا کہ فرقت زدہ دوست کی طرف سے

الاقرب - انتهى   پر نفقہ واجب ہے جبکہ قریب کا رشتہ دار موجود

(هوامش الشامی ص ۶۷۴/۲)   نہ ہو۔

درمختار کے اس قول کے تحت علامہ شامیؒ نے لکھا ہے کہ

"مثلاً جب لڑکا یا باپ، ماں اور بھائی موجود نہ ہوں یا ہوں

لیکن نہایت غریب ہوں، کفالت کی استطاعت نہ ہو تو

اگر ماموں یا چچا یا دادا ذی استطاعت موجود ہیں تو

وہ نفقہ کے ذمہ دار ہوں گے، البتہ باپ کے پاس جب

زندگی میں مال آجائے گا تو وہ اس نفقہ کی رقم کو ادا

کر دے گا۔"

(۳) اگر اپنے علم و ہنر سے خود کما کر اپنے مصارف کی کفالت کر سکتی ہے تو ردالمحتار کی محولہ بالا عبارت کے مطابق اس کا نفقہ کسی دوسرے پر واجب نہ ہوگا۔ البتہ اگر اس کی محنت کی بارآوری اور نتیجہ خیزی حکومت کے کسی تعاون پر موقوف ہو تو حکومت کو اس میں دریغ نہیں کرنا چاہیئے۔

(۴) ایسی عورت کی کفالت کی تمامتر ذمہ داری حکومت پر ہے۔

شریعت نے بیت المال یعنی اسلامی مملکت کے خزانہ کی درج ذیل مدات میں ایسے ہی غریبوں کا حق رکھا ہے جو اپنے مصارف کی کفالت نہیں کر سکتے۔

(ا) الف - پایا ہوا مال جس کا کوئی مالک و دعویدار نہیں ہے۔ (ب) لاوارث میت کا ترکہ۔ (ج) ایسے مقتول کی دیت جس کا کوئی ولی موجود نہ ہو۔

ان مدات کی رقم سے مذکورہ نوع کے فقیر کی جس کا کوئی ولی بھی نہیں ہے، ضروریات پوری کی جائیں گی۔ ان کو بطور وظیفہ اتنی رقم دی جائے گی جو ان کے لباس، خوراک، اور رہائش کی لازمی ضرورتوں کے لئے کفایت کر سکے۔ (درمختار و ردالمحتار ص ۲۸۲/۳)

نہیں ہے تو دیگر رشتہ داروں میں جو بھی بربنائے رشتہ زیادہ قریب ہو اور صاحب استطاعت ہو وہی ذمہ دار ہوگا، یہ ذمہ داری قبول کرنی اور پھر دیانت داری کے ساتھ اس کی ادائیگی ان کے لئے فرض ہے۔ اس لئے کہ یہی شریعت کا قانون ہے۔

فقہ و فتاویٰ کی مشہور اور مستند کتاب در مختار اور اس کے حاشیہ رد المحتار میں ہے:

وکذا تجب لولدہ الکبیر العاجز عن الکسب کانثی مطلقاً (وقال العلامۃ الشامی) قولہ کانثی مطلقاً ای ولو لم یکن بہا زمانۃ تمنعہا عن الکسب فمجرد الانوثۃ عجز الا اذا کان لہا زوج فنفقتہا علیہ ما دامت زوجۃ وھل اذا نشزت عن طاعتہ تجب لہا النفقۃ علی ابیہا محل تردد فتأمل وتقدم انہ لیس للاب ان یوجرھا فی عمل او خدمۃ وانہ لو کان لہا کسب لا تجب علیہ (شامی ص ۶۷۲ نفقات)

اور اسی طرح باپ پر اس کے بالغ لڑکے کا نفقہ بھی واجب ہے جبکہ وہ کمانے سے عاجز ہو ایسے ہی لڑکی کا خرچہ مطلقاً۔ علامہ شامی کہتے ہیں کہ درمختار کے قول کانثی مطلقاً کا مطلب یہ ہے کہ اگرچہ وہ اتنی بوڑھی نہ ہو جو کمانے سے عاجز ہو، اس لئے کہ محض عورت ہونا ہی عجز ہے لیکن اگر اس عورت کا شوہر موجود ہے تو جب اس کے نکاح میں ہے اس پر اس کا نفقہ واجب ہے اور اگر وہ شوہر کی نافرمان ہو چکی ہے تو اس صورت میں بھی باپ پر نفقہ واجب ہوگا۔ یہ بات قابل غور ہے اور پہلے مذکور ہو چکا ہے کہ باپ کے لئے اس سے محنت مزدوری کرانا جائز نہیں ہے اور یہ بھی گزر چکا ہے کہ اگر اس عورت کی کوئی آمدنی (بقدر کفایت ضروریات) ہو تو پھر باپ پر نفقہ واجب نہ ہوگا۔

وفی الدر المختار وکذا الابعد اذا غاب

اور درمختار میں ہے کہ اسی طرح دور کے رشتہ دار

کے تناسب سے یہ نہایت قلیل ہے اس میں تو ایک آدمی اپنے کھانے کا بھی بندولبست نہیں کرسکتا، چہ جائیکہ کپڑے اور رہائش کے انتظام میں اس رقم سے اس کی مدد ہوسکے، اس لئے وظیفہ کی رقم ایسی ضرور ہونی چاہیئے، جس سے ضروری اور ناگزیر حد میں خوراک، لباس اور رہائش کا انتظام کیا جاسکے۔ نیز اگر مذکورہ مطلقہ یا بیوہ کے ساتھ نابالغ بچے بھی ہیں تو پٹواری کی تصریح کے مطابق ان کا وظیفہ بھی دیا جانا ضروری ہوگا۔

امید ہے کہ اس صورت میں لاوارث مطلقہ عورتوں کے دکھ کا درماں بھی ہوجائے گا اور بے سہارا بیواؤں کو بھی سہارا مل جائے گا۔ اگرچہ ترمیم کے خواستگاروں نے بیوہ کے بارے میں آج تک کوئی لفظ ہمدردی کا نہیں بولا ہے۔

یہ وظیفہ مطلقہ کے لئے اختتام عدت کی تاریخ سے اور بیوہ کے لئے اس کے شوہر کی موت کے دن سے جاری ہوگا اور تاحیات یا تا نکاح ثانی جاری رہے گا۔

اور اگر ان عورتوں کی رہائش کا کوئی انتظام نہیں ہے تو علاقہ میں جو بھی یتیم خانہ یا غرباء کی بہبود کا ادارہ قریب ہو اس سے حکومت سفارش کرے کہ وہ اپنے یہاں ان کی رہائش کا انتظام کرے، اور اس مد میں ان کو جزوی طور پر حکومت مدد بھی دے۔

ایک مفید نظام اب اس میں ایک الجھن یہ ہوسکتی ہے کہ حکومت نکاح ثانی یا موت کا علم نہ ہونے کی صورت میں اجرار وظیفہ کو کیسے موقوف کرے گی۔ اس کے لئے میری رائے یہ ہے کہ

(۱) شہری علاقہ میں میونسپل بورڈ اور کارپوریشن میں اور دیہی علاقہ کے اندر پردھان کے پاس ایک ایسا رجسٹر ہوتا ہے جس میں پیدائش اور موت کا ریکارڈ محفوظ ہوتا ہے ایک طرف تو حکومت اس کو اور زیادہ منظم کرنے کی ہدایت کرے۔ دوسرے یہ کہ اس میں تاریخ نکاح اور طلاق اور شوہر اور بیوی میں سے کسی کی موت کے اندراج کے لئے خانوں کا اضافہ کیا جائے۔ اسی طرح کا ایک رجسٹر علاقہ کے پٹواری کے پاس بھی ہونا ضروری قرار دیا جائے، اور عوام کو اس بات کا

(۲) مال غنیمت کے خمس (پانچواں حصہ) اور دفینوں اور کان سے نکلنے والی چیزوں مثلاً کوئلہ، لوہا، پیتل، تانبہ، تیل وغیرہ کی آمدنی سے محتاج، یتیموں اور مساکین وغربار اور مسافروں کی مدد کی جائے گی۔ (رد المحتار ص ۲۳۶/۳)

اور یہ صرف حکومت اسلامیہ کے ہی نہیں بلکہ ہر حکومت کے فرائض میں ہے کہ مملکت کے باشندوں کے لئے خوراک، گرمی وسردی میں کام آنے والے لباس، رہائش اور پانی کا بندوبست کرے۔ جو لوگ ان بنیادی ضروریات زندگی میں خود کفیل نہ ہوسکیں تو حکومت کا فرض ہے کہ ان کی کفالت کرے۔

حکومت کی غربا پروری

یہی وجہ ہے کہ ہمارے ملک میں بھی دو ایسے سرکاری نظام ہیں جو اسی مقصد کی تکمیل کے لئے قائم ہیں۔

(۱) لاوارث محتاجوں کی فلاح وبہبود کا ادارہ جو بڑے بڑے شہروں میں موجود ہے اور اس میں لاوارث محتاجوں کو بھرتی کرکے ان کے مناسب کام کی ٹریننگ دی جاتی ہے اور ٹریننگ کے دوران تمام اخراجات کی کفالت حکومت کرتی ہے۔

(۲) لاوارث بوڑھے غریب مردوں اور عورتوں کو ان کی درخواست پر حکومت وظیفہ دیتی ہے جو اس وقت غالباً تیس روپے ماہانہ ہے۔

حکومت سے اپیل

ہماری گذارش ہے کہ طلاق کے نتیجے میں اگر کوئی عورت غریب اور بے سہارا ہو جائے اسی طرح جو بیوہ کہ لاوارث ہو اور مفلوک الحال بھی ہو ان کا وظیفہ بھی ۲ کے حوالہ کے مطابق حکومت جاری کرے گی۔

جس کی صورت یہی ہوگی کہ حلقہ کا پٹواری درخواست پر اس بات کی تصدیق کرے گا کہ یہ مطلقہ ہے یا بیوہ ہے اور اس کا کوئی ولی اور کفیل نہیں ہے، اور خود بھی غریب اور مفلوک الحال ہے، اس مصدقہ درخواست پر ڈی ایم (حاکم علاقہ) بلا تاخیر وظیفہ کی منظوری دیدے۔

البتہ ہماری عرض یہ ہے کہ وظیفہ کی رقم اگر تیس روپے ماہانہ ہی ہے تو موجودہ گرانی

پھران عورتوں میں کسی کے نکاح ثانی یا موت کی صورتوں میں بھی ہر دو مذکورہ جگہوں سے رپورٹ ڈی۔ ایم صاحب کو موصول ہونے پر وظیفہ موقوف کر دیا جائے گا۔

اس نظام کے کئی فوائد ہوں گے۔

(۱) سرکاری ملازم پٹواری (یا جو اس جیسا کارکن ہو) اور نیم سرکاری ادارہ میونسپل بورڈ، کارپوریشن اور پردھان کی رپورٹوں کے مطابقت اور یکسانیت کی صورت میں خلاف واقعہ فیصلہ نہ ہو سکے گا۔

(۲) اگر نکاح ثانی کی خبر عورتوں یا ان کے قریبی لوگوں کی طرف سے نہ موصول ہو سکے تو شوہر اور اس کے قریبی رشتہ داروں کی طرف سے موصول ہوگی۔ بہر حال اس صورت میں حکومت کی بے خبری کا امکان کم سے کم ہو جاتا ہے۔

(۳) اگر حکومت کسی وقت یتیم بچوں کی امداد و تربیت کے لئے بھی کوئی نظام بنانا چاہے تو اس طریق کار سے اس میں بھی کافی مدد ملے گی۔

اور پھر یہ نظام روبہ عمل آجانے کے بعد دنیا میں حکومت کی نیکنامی اور اندرون ملک ہر دلعزیزی کا باعث ہوگا۔

امید ہے کہ حکومت اس پر سنجیدگی سے غور کرے گی۔

پابند بنایا جائے کہ وہ لازمی طور پر بچوں کی پیدائش اور گھر میں کسی مرد یا عورت کی موت اور کسی لڑکے اور لڑکی کی شادی کی خبر تین دن کے اندر اندر میونسپل بورڈ یا کارپوریشن یا پردھان کے یہاں اور علاقہ کے پٹواری کے پاس لازمی طور پر پہونچا دیں۔ خبر نہ دینا قابل مواخذہ جرم ہوگا۔

(۲) میونسپل بورڈ اور کارپوریشن، نیز پردھان کے پاس رہنے والے رجسٹر کا تعلق جس محرر سے ہو اس کو ہدایت ہو کہ کسی کی موت اور طلاق کی اطلاع پر ذمہ دار محکمہ کے توسط سے ڈی ایم کو اطلاع دے کہ

(الف) بصورت طلاق عورت کی عمر یہ ہے اور اس کے اولیاء اور رشتہ داروں میں فلاں فلاں ہیں یا کوئی بھی نہیں ہے اور اس عورت کے اتنے بچے ہیں۔ فلاں تاریخ کو طلاق ہوئی ہے۔

(ب) شوہر کی موت کی صورت میں، بیوہ کی عمر یہ ہے، اس کے اولیاء اور رشتہ داروں میں فلاں فلاں ہیں یا کوئی بھی نہیں ہے، اتنے بچے ساتھ ہیں، جن کی عمریں یہ ہیں۔ فلاں تاریخ کو شوہر فوت ہوا ہے۔

اسی طرح کی رپورٹ پٹواری کی طرف سے بھی جانی ضروری ہے۔ البتہ اس میں بیوہ اور مطلقہ کی اور اس کے اولیاء اور سب سے قریب رشتہ دار کی مالی حیثیت کا، اور ان عورتوں کے پاس رہائش کا انتظام ہے یا نہیں اس کا اندراج مزید کرنا ہوگا۔ ان ہر دو رپورٹوں کے مطابق حسب تفصیل بالا اگر مطلقہ یا بیوہ وظیفہ کی مستحق قرار پائے تو ڈی ایم صاحب بلا تاخیر وظیفہ منظور کر کے میونسپل بورڈ، کارپوریشن یا پردھان اور پٹواری کو اس کی نقول بھجوا دیں تاکہ وہ اپنے رجسٹروں میں بھی اجراء وظیفہ اور تاریخ اجراء کا اندراج کر لیں اور مطلقہ اور بیوہ کو بھی خبر کر دیں تاکہ وہ اپنا وظیفہ لینا شروع کر دے ــــــ چونکہ وظیفہ کا اجراء حکومت کی اپنی ذمہ داری ہے، اس لئے اس مطلقہ یا بیوہ کی درخواست کا انتظار کئے بغیر اس کی منظوری مذکورہ رپورٹوں کے مطابق کر دی جائے گی۔

یونان، ہندوستان اور ایران (جن میں سے ہر ایک دارالمنطق کہے جانے کا حقدار ہے) کے علمی ماحول کا ایک اجمالی خاکہ ہمارے سامنے آجائے تاکہ آئندہ بحثوں کو سمجھنے میں آسانی ہو۔

یونان یونان کو مخزن علم ہونے کا فخر عہد قدیم ہی سے حاصل ہے۔ فلسفہ اور منطق کے بڑے بڑے فضلا یہیں سے تعلق رکھتے ہیں، چنانچہ ابوالفتح محمد بن عبدالکریم شہرستانی (متوفی ۵۴۸ھ) لکھتے ہیں: "ان الاصل فی الفلسفۃ والمبدأ فی الحکمۃ للروم وغیرھم کالعیال لھم"[۲] کہ فلسفہ کی اصل اور حکمت کا مبدأ روم ہے اور ان کے علاوہ تمام قومیں عیال کی طرح سے ہیں۔

یہاں شہرستانی نے جس روم کو مرکز علوم قرار دیا ہے اس سے مقصود یونان ہے، کیونکہ انھوں نے اس کے بعد جن فلاسفہ کے آرار و افکار کو بالتفصیل بیان کیا ہے وہ یونانی فلاسفہ ہیں، روم بول کر یونان مراد لینا عربوں کی عادت ہے چنانچہ ابن ندیم (متوفی ۳۸۵ھ) نے بھی یہی طریقہ اپنی کتاب "الفہرست" میں جگہ جگہ اختیار کیا ہے، صاحب "تمہید" لکھتے ہیں "لفظ روم کا اطلاق کبھی کبھار مشرقی جمہوریہ رومانیہ پر اور اکثر یونان پر ہوتا ہے"[۳]۔

"روم" کی اس تعیین کے بعد یہ سمجھ لینا بہت آسان ہے کہ شہرستانی (متوفی ۵۴۸ھ) نے فلسفہ کا مرکز جس جگہ کو قرار دیا ہے وہ یونان ہے لیکن اس کا یہ مطلب نہیں کہ ہندوستان اور ایران نے محض انھیں کی خوشہ چینی کی ہے، اور علوم کے اختراع و ایجاد میں ان کا کوئی ہاتھ نہیں بلکہ اس کی مناسب توجیہ یہ ہے کہ یونان کو پے بہ پے ایسے فلاسفہ میسر آتے گئے جنھوں نے اس فلسفیانہ اور علمی تحریک کو آگے بڑھایا اور سب سے بڑی بات یہ کہ انھیں کے علوم سے عربوں کو اور پھر ان کے واسطہ سے پوری دنیا کو مکمل طور پر آگاہی ہوئی، اور بقیہ کی نہ تو اس مقدار میں کتابیں ترجمہ کی گئیں، اور نہ دنیا نے ان کے علوم کا عینی مشاہدہ کیا، اس لئے ظاہر ہی پر حکم لگایا گیا ہے، ورنہ اگر حقیقت پر نظر رکھی جائے تو ہندوستان اور ایران، یونان کے دوش بدوش نظر آئیں گے، بلکہ یہاں تک بھی ہوگا کہ جس طرح بعض علوم کی معرفت میں اہل یونان کو تقدم حاصل ہوگا، اسی طرح بعض دوسری صنعتیں ہوں گی، جن میں ہندوستان اور ایران، یونان

علم منطق ——— ایک جائزہ

(۲)

مولانا بدرالزماں نیپالی مرکزی دارالعلوم بنارس

منطق کا تدوینی پس منظر

آج سے تقریباً ڈھائی ہزار سال پہلے دنیا میں علوم وفنون کا ڈنکا بج رہا تھا، منطق، فلسفہ، طب، ہیئت، ریاضی، اور نجوم وغیرہ کے اندر امم سابقہ نے بڑی مہارت پیدا کرلی تھی۔ ان قوموں میں سے آٹھ خاص اہمیت رکھتی ہیں، ابو القاسم صاعد بن احمد اندلسی (متوفی ۴۶۲ھ) اور قاضی جمال الدین علی بن یوسف قفطی (متوفی ۶۴۶ھ) نے ان قوموں کا تذکرہ اس طرح کیا ہے:

الامم الثمان الذین عنوا بالعلم واستنباطہ هم الهند، والفرس، والکلدانیون، والیونانیون والروم، واهل مصر، والعرب، والعبرانیون. وهذه الامم المذکورة هم الذین اعتنوا بالعلوم واستخراجها وباقی الامم، لم تعن بشیئ من ذلك، ولا ظهر لها شیئ منه[1]

وہ آٹھ قومیں جنھوں نے علم اور اس سے استنباط کی طرف توجہ کی وہ ہندی، فارسی، کلدانی، یونانی، رومی، مصری، عربی اور عبرانی قومیں ہیں، اور یہی مذکورہ قومیں ہیں، جنھوں نے علوم اور ان کے استخراج کرنے میں خاصا انہماک دکھایا، اور باقی نے نہ تو اس طرف توجہ دی، اور نہ ان کی کوئی چیز مشہور رہی ہوئی۔

ان تمام قوموں کے علمی حالات پر گفتگو کرنا ہمارا موضوع بحث نہیں ہے لیکن قبل از بحث یہ ضروری ہے کہ

ابن ندیم اور شہرستانی نے یونان کا پہلا فلسفی قرار دیا ہے اور صاحب تاریخ الفلاسفہ نے اپنی کتاب میں جس کا ذکر پہلے نمبر پر کیا ہے، یہی دراصل یونانی سات اساطین فلسفہ میں سب سے پہلا ہے، یہ "قورموس بن روجنور" کی اولاد سے ہے جو شام میں صلحاء پر ظلم وستم کے باعث ملیطہ ہجرت کر گئے تھے، اس نے ملیطہ ہی میں ایک زمانہ گزارنے کے بعد تحصیل علم کے لئے مصر کا قصد کیا جو اُن دنوں علم کے لئے مشہور تھا، وہاں جاکر کچھ دنوں قیام کیا اور علماء ملک یعنی قسیسین سے علم حاصل کیا اور ان کے دین کے اصول سیکھے، وہ تمام علوم میں رغبت رکھتا تھا اور ہر ایک میں درجۂ اجتہاد کو پہونچا ہوا تھا۔ وہ ایک ہی معلم پر اکتفا نہ کرتا تھا بلکہ تمام مصری حکماء سے اپنے زمانہ اقامت میں علم حاصل کرتا تھا۔(۵)

ثالیس ہی وہ فلسفی ہے جس تک تمام فلاسفہ ومناطقہ اپنا شجرۂ علمی پہونچاتے ہیں، گویا کہ اسے اپنے زمانہ کا امام کہا جانا زیادہ بہتر ہے جس کی سعی سے ملیطہ کے اندر ایسا علمی ماحول پیدا ہوا کہ کئی ایک فلسفی اپنے دور کے امام سمجھے گئے اور انھوں نے "ثالیس" کے افکار کے اندر مزید غور و فکر کیا جس کی بنیاد پر بہت سی باتوں کی تردید کی، اور بہت سی چیزوں میں وسعت دی، ان میں سے "انکزمنڈر" (۶۱۱-۵۴۷ ق م غالباً) انکزیمینس (۵۸۸-۵۲۴ ق م غالباً) اور "انکساغورس" (۴۹۷-۴۲۵ ق م) خاص طور پر قابل ذکر ہیں۔

امبذقلیس (Empedocles) جو یونانی فلاسفہ میں سے بہت ہی دقیق النظر فلسفی تھا، اس کے بارے میں شہرستانی اور قفطی کا متفقہ بیان ہے کہ وہ حضرت داؤد کے زمانہ میں تھا وہ ان کے یہاں شام گیا اور حکمت کی باتیں سیکھیں، پھر لقمان حکیم سے (شام میں) ملا اور ان سے بھی استفادہ کرنے کے بعد اپنے وطن یونان واپس آیا اور علم وحکمت کی باتوں میں خوب انہماک دکھایا حتیٰ کہ اسے اساطین فلسفہ میں شمار کیا جانے لگا۔(۶)

"فیثاغورس" (Pythagoras) جو جزیرۂ "ساميا" کا باشندہ ہے امبذقلیس کے بعد کا ہے، کیونکہ شہرستانی کے بیان کے مطابق وہ سلیمان ابن داؤد نبی علیہ السلام کے زمانہ میں تھا

کو پیچھے چھوڑ دیں گے۔

یونان کا ماحول، مدونِ منطق ارسطو (۳۸۴ـ۳۲۲ ق م) سے تقریبًا ڈھائی سو سال پہلے علمی اور فلسفیانہ بن چکا تھا، چنانچہ ابن ندیم (۳۸۵ھ) اور شہرستانی (۵۴۸ھ) کا متفقہ بیان ہے کہ "یونانی فلسفہ کے اساطین سبعہ میں سے سب سے پہلا شخص جس نے فلسفہ پر کلام کیا۔ ثالیس بن مالیس ملطی (۶۲۴ـ۵۵۰ ق م) ہے، لیکن یونان کا علمی نسب نامہ "ہرمس اول" یا بالفاظ دیگر حضرت ادریس علیہ السلام تک پہونچایا جاتا ہے، حالانکہ یہ اہل یونان کی کوئی خصوصیت نہیں، فارسیوں کے یہاں "جیومرث" جو پہلا فلسفی اور عالم شمار کیا جاتا ہے وہ اسی ادریس کو مانتے ہیں، اسی طرح بعض اہل علم "برہما" کو "ابراہیم" کی ایک صورت قرار دیتے ہیں جن کے بارے میں ہندیوں کا دعویٰ ہے کہ ہندوستان کا شجرۂ علوم انھیں تک پہونچتا ہے۔

یونانیوں کا خیال ہے کہ ہرمس اول سے چار آدمیوں نے علم سیکھا، ان میں سے ایک "امبذقلیس" ہے جسے قفطی نے پانچ اساطین حکمت میں سے قرار دیا ہے اور ان کا خیال ہے کہ وہ داؤد نبی ع کے زمانے میں موجود تھا، لیکن بعض کا خیال ہے کہ "امبذقلیس" نے لقمانؑ سے شام میں علم حاصل کیا، پھر یونان لوٹ آیا، اس روایت کی طرف علامہ ابن خلدون (۷۳۲ـ۸۰۸ھ) نے بھی اپنے "مقدمہ" میں اشارہ کیا ہے لیکن ان دونوں روایتوں کی طرف توجہ کرنا غیر مناسب ہے کیونکہ عام طور پر ایسا ہوتا ہے کہ جب کسی چیز کی تشہیر کرنی یا اس کی قدر منزلت دکھانی مقصود ہوتی ہے تو انبیاء اور صلحاء وغیرہ کی طرف اس چیز کی نسبت کر دی جاتی ہے، چنانچہ شہرستانی کی رائے بھی یہی ہے، انھوں نے ہرمس اول (ادریسؑ) کی طرف علم ہیئت کی بہت سی چیزیں منسوب کرنے کے بعد لکھا ہے "اما الاحکام المنسوبۃ الی ھذہ الاتصالات فغیر مبرھن علیھا عند الجمیع"[۴] یعنی جو احکام اس طریقے پر (انبیاء اور صلحاء کی طرف) متصلاً منسوب کئے جاتے ہیں وہ تمام لوگوں کے نزدیک غیر مدلل ہیں۔

میرا جہاں تک خیال ہے وہ یہی کہ ثالیس (Thales) ملطی (۶۲۴ـ۵۵۰ ق م) جس کو

پڑتا ہے۔ عبداللہ آفندی لکھتے ہیں "ثم اداہ حبہ الفوجۃ الیٰ ان سافر بلاد الھند لتعلم علم قدماء فلاسفتھم[8]" کہ دیمقراطیس کا علمی اشتیاق اسے ہندوستان لے آیا تاکہ وہ یہاں کے متقدمین فلاسفہ کا علم حاصل کرے۔

قدیم ہندوستان کے علمی ماحول کا صحیح اندازہ لگانے کے لئے مناسب ہے کہ ہم تاریخ فرشتہ کے مقدمہ سے ایک عبارت نقل کریں۔ چنانچہ فرشتہ لکھتا ہے: "حضرت نوح کا ایک بیٹا "حام" تھا اس نے ہند کا رخ کیا اور ہندوستان کو آباد کیا۔ اس کا ایک بیٹا "ہند" تھا پھر "ہند" کا ایک بیٹا "بنگ" تھا جس کی اولاد در اولاد بہت زیادہ ہوگئی تو انھوں نے اپنا امیر "کشن" کو منتخب کیا پھر "کشن" کی بہت سی اولاد ہوئی جن میں سے "مہاراج"، "کشن" کا جانشین ہوا، اس نے حکومت کو نہایت حسن وخوبی سے چلانے کی کوشش جو فرقہ برہمن کی نسل سے تھا، وزارت کے کاروبار اور نجوم وطبابت وغیرہ کے اہم کام اس کے سپرد کئے"......... شہر "بہار" کو بسایا اور اہل علم کو ہر چہار طرف سے بلاکر اس شہر میں متوطن کیا، شہر میں بہت سی عبادت گاہیں اور مدرسے بنوائے اور اس نواح کے محاصل کو طالب علموں کے اخراجات کے لئے وقف کیا، ان اصلاحات کا نتیجہ یہ ہوا کہ سناسی، جوگی اور برہمن، ہر فرقے کے لوگ تعلیم وتعلم میں خلوص کے ساتھ مشغول ہوگئے[9] ـــــ پھر آگے راجہ میزائے کے بارے میں رقمطراز ہیں: "چونکہ میزائے ہندوعلمی کتابوں یعنی شاستر میں پوری مہارت رکھتا تھا اس لئے اہل علم اور حکیموں کی صحبت کو زیادہ پسند کرتا تھا، ان علمی مشغلوں کی وجہ سے اس راجہ نے سواری ولشکر کشی کو بالکل موقوف کردیا اور اپنا وقت اہل علم کی صحبت میں گزارتا رہا۔

یہ تو تاریخی دور سے پہلے کا علمی ماحول تھا، اب ایک نظر تاریخی دور کی ابتدا پر بھی ڈال لی جائے تو معلوم ہوگا کہ "سدھارتھ بن سدھودن" یعنی گوتم بدھ (۵۶۷ ـــ ۴۸۷ ق م) جب گھربار چھوڑکر باہر چلے تو اولاً وہ دانشوروں، اور فلسفیوں کے یہاں ہی کچھ دنوں تک ٹھہرے اور حصول علم کی کوششیں کیں لیکن جب ان کی پیغمبرانہ طبیعت کو فلسفیانہ جھمیلوں سے تشفی حاصل نہ ہوئی،

اوران سے علم وحکمت حاصل کیا" اور اپنے وطن یونان جاکر علوم ومعارف کا چراغ روشن کیا اور "فیثاغورسی" تعلیمی مذہب کی بناڈالی، اس شمع کے پروانوں میں "سقراط" (Socrates ۴۶۹ ـ ۴۰۰ ق م) اور "افلاطون" (Plato ۴۳۰ ـ ۳۵۰ ق م) خاص طور پر مشہور ہوئے اور مؤخر الذکر نے جو معیار فکر متعین کیا تھا اسی کے پیش نظر اس کے شاگرد رشید ارسطو (Aristotle ۳۸۴ ـ ۳۲۲ ق م) نے منطق کی تدوین کا بیڑا اٹھایا، اور "فیثاغورس" ہی کے زمانے میں "سوفسطائیوں" نے ایک نئے طرز کا فلسفہ ایجاد کرلیا تھا، ان میں سب سے پہلا "پروتاجوراس" (Protagoras ۴۸۰ ـ ۴۱۰ ق م) اور پھر اناکسجوراس (Anaxagoras ۵۰۰ ق م) بہت مشہور ہوئے۔

غرضیکہ تالیس ملطی (۶۲۴ ـ ۵۵۰ ق م) کے بعد فیثاغوریت، سوفسطائیت، اشراقیت، اور مشائیت، یکے بعد دیگرے ہر ایک نے تمام علوم عقلیہ میں اپنی جولانی طبع دکھائی، فلسفیانہ مسائل ابتدائے امر میں نہایت سادہ اور پیچیدگیوں سے زیادہ دور تھے لیکن جوں جوں فلاسفہ آتے گئے اور ہر ایک نے نئے انداز سے غور وفکر کیا، اسی مقدار میں فلسفہ کے اندر رنگا رنگی پیدا ہوتی چلی گئی اور پھر منطق کو پروان چڑھنے کے لئے بہترین مواقع فراہم ہوگئے۔

ہندوستان ہندوستان کے سلسلے میں معلومات حاصل کرنے کے لئے بہترین اور جامع کتاب ابوریحان بیرونی (۹۷۳ ـ ۱۰۴۸ء) کی "تحقیق ماللھند من مقولۃ مقبولۃ فی العقل او مرذولۃ" ہے، بیرونی نے محمود غزنوی (متوفی ۹۹۷ء) کے ساتھ ہند آکر یہاں کے مذہبی اور علمی مواد کی وافر مقدار اس میں جمع کردی ہے جو انسائیکلو پیڈیا کہے جانے کی زیادہ حقدار ہے، اس کو سامنے رکھکر مختصراً یہ تاثر پیش کیا جاسکتا ہے کہ ماقبل تاریخ ادوار ہی سے ہندوستان میں علوم کی طرف لوگوں کی توجہات مبذول ہوچکے تھے اور ان میں خصوصیت کے ساتھ شغف رکھنے والا فرقہ برہمنوں کا تھا، اور تاریخی ادوار کے آغاز (عہد گوتم بدھ) میں تو ان علوم کا غلغلہ ہر چہار جانب بلند ہورہا تھا، علم نحو، علم شعر، علم نجوم، علم طب اور علم ہیئت وغیرہ میں وہ خوب مہارت رکھتے تھے، چنانچہ یہاں کے علوم کی تحصیل کیلئے دیمقراطیس (Demacritus ۴۶۶ ـ ۳۵۷ ق م) سیاحت کرتا دکھائی

کوئی ثانی نہیں کہ اس نے علم برائے علم حاصل نہیں کیا، بلکہ اس لئے حاصل کیا کہ ان کا علم برائے دین ہو۔ قدیم تاریخ ہند کا طالب علم اسے ادنیٰ تامل کے ساتھ محسوس کر سکتا ہے چنانچہ عصر حاضر کے عظیم مورخ پروفیسر احمد امین مصری، فلسفۂ ہندی کا تذکرہ ان الفاظ میں کرتے ہیں:

ان الفلسفة الهندية امتزجت امتزاجا تاما بالدين واصطبغت صبغة شعرية لاصبغة علمية، لم تتدرج من المحسوس الى المعقول ورضيت فى كثير مواقفها بالتعبير الشعري المملو بالمجازات والاستعارات والخيالات۔[۱۴]

ہندی فلسفہ مکمل طور پر دین کے ساتھ ممزوج ہوگیا تھا۔ اور شاعرانہ (شعری) رنگ میں نہ کہ علمی رنگ میں رنگ گیا تھا۔ وہ محسوس سے معقول تک نہ آسکا۔ اور اکثر مقامات میں ایسے شعری تعبیر پر راضی ہوگیا جو مجازات، استعارات اور خیالات سے پُر تھا۔

ایران

ایران پہلا ملک ہے جس نے علمی میدان میں تمام گذشتہ قوموں کو پیچھے چھوڑ دیا تھا۔ ان کے علوم کو نہایت قدیم زمانے سے پھلنے پھولنے کا موقع ملا۔ قدیم ایران کے بادشاہوں نے خود بھی اس سلسلے میں بڑا انہماک دکھایا "جمشید بن آنجہاں" کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ وہ پہلا شخص ہے جس کو کتابت کا علم حاصل ہوا[۱۵]۔ اور یہ سلسلہ اس کے بعد علمار فارس کے درمیان چلتا رہا۔ لوگ بہت سی فلسفیانہ اور مذہبی کتابیں "خدنک" کے چھلکے (جسے توز کہا جاتا تھا) پر لکھتے رہے[۱۶]۔ پھر جب ضحاک بادشاہ کا دور آیا تو اس نے علم اور علمار کی بڑی قدر کی۔ ان کی ترقی کے مزید راستے کھول دئے اور ان کی سہولت اور سکون و اطمینان کے لئے ایک شہر "بابل" ہی بسا دیا۔ اور ہر جگہ سے علمار کو لاکر اس میں آباد کیا۔ چنانچہ ابن ندیم نے ایران کا مفصل تذکرہ کرتے ہوئے اس کو اجمالاً بیان کیا ہے: "بارض السواد بنى (ضحاک) مدينة تجمع فيها العلم والعلماء"[۱۶] کہ ضحاک نے ارض السواد (اس سے مراد عراق ہے) میں ایک شہر آباد کیا اور اس میں علم و علمار کو جمع کر دیا۔

ارض السواد کے بجائے "بابل" کا لفظ بھی تقویم البلدان میں ملتا ہے۔ چنانچہ عماد الدین

تب انھوں نے بہار کے "مقام گیا" کی راہ لی تھی پھر موریائی دورِ حکومت آیا جہاں ہمیں "کوٹلیا" جیسا عظیم مفکر، فلسفی اور سیاست داں دکھائی پڑتا ہے جس کو موریائی سلطنت کے استحکام میں دست راست کا مقام دیا جاتا ہے، اس نے "ارتھ شاستر" جیسی اہم تصنیف چھوڑی ہے جس کے اندر وہ اپنے خاص فلسفیانہ طریقے پر تخیلات اور ذہنی کاوشوں کو اجاگر کرنے کے ذریعہ ایک ایسا فلسفہ ایجاد کرنا چاہتا ہے جس سے تمام امور، خصوصاً امورِ جہاں بانی میں خاص مدد مل سکے، وہ تمام علوم کے خزانے کی مفتاح اس فلسفے کو قرار دیتا ہے، اس کا صاف مطلب یہ ہے کہ اس نے اس فلسفہ میں درجۂ اجتہاد حاصل کرلیا تھا، جس کے ذریعہ تمام لوگوں کی اصلاح کا سرچشمہ پھوٹتا ہے۔ (۱۱)

ہندی اقوام ان قدیم ترین قوموں میں سے ہیں، جنھوں نے علوم عقلیہ کا اختراع کیا اور ان میں انہماک دکھایا۔ اس کا اعتراف کرتے ہوئے قاضی صاعد (متوفی ۴۶۲ھ) اور قاضی قفطی (متوفی ۶۴۶ھ) رقمطراز ہیں۔

والهند هم الامة الاولى، كثيرة العدد فخمة الممالك وقد اعترف لها بالحكمة .... كل الملل السابقة ...... وكان الصين يسمون ملك الهند ملك الحكمة لفرط عنايتهم بالعلوم .... فكان الهند عند جميع الامم على مر الدهور معدن الحكمة وينبوع العدل والسياسة (۱۲)

ہندی قوم یہ پہلی قوم ہے جو کثیر تعداد اور عظیم سلطنت والی ہے، تمام پرانی ملتوں نے ان کے لئے دانش کا اعتراف کیا ہے۔ اہل چین، علوم کے اندر ہندیوں کے بہت زیادہ توجہ کے باعث، ہند کو دانش والا ملک کہتے تھے، غرضیکہ درازی عہد کے باوصف ہند تمام اقوام کے نزدیک معدن دانش اور چشمۂ عدل وسیاست تھا۔

ہندوستان کی علمی ترقی کا حال ابن ندیم (متوفی ۳۸۵ھ) کی زبانی یوں سنئے: ان لهم (الهند) نحو مائتی قلم (۱۳) کہ ہندوستان میں تقریباً دو سو خطوط رائج ہیں ـــــ کم ہی قومیں ایسی ملیں گی جن کے یہاں اتنے زیادہ خطوط رائج ہوں اور اگر یہ کہا جائے تو شاید مبالغہ نہ ہو کہ اس قوم کا اس اعتبار سے

کا ذکر کرتے ہوئے لکھتے ہیں "ثم توجه الی مصر وتعلم فیها علم الهندسة وذهب بعد ذلك بلاد الحبشة وبعدها الی بلاد العجم وبعدها سافر الی بلاد کلدیة لیتعلم علم قدماء فلاسفتهم"[19] وہ مصر آیا اور وہاں علم ہندسہ حاصل کیا اور پھر بلاد عجم اور بلاد کلدانیہ گیا تاکہ ان کے پرانے فلسفیوں کا علم حاصل کرے۔

ان تینوں عبارتوں کو سامنے رکھیں تو اس کا اندازہ بخوبی لگ سکے گا کہ اہل فارس علوم فلسفہ ومنطق وغیرہ میں اس درجہ مہارت رکھتے تھے کہ ان کے یہاں یونانی فلاسفہ زانوئے تلمذ تہ کرنے کے لئے آتے تھے، اور مقصد یہ ہوتا تھا کہ پرانا فلسفہ سیکھیں۔ گویا اس زمانہ میں بھی پرانے فلسفہ کی تلاش تھی جو ایران اور دوسرے ممالک میں اپنا مقام حاصل کرچکا تھا۔

دیمقراطیس کی طرح ہم فیثاغورس جیسے عظیم اور قدیم فلسفی کو کلدانی فلسفہ کا شیدا دیکھتے ہیں۔ توجه (فیثاغورس) الی بلاد الکلدیانیة لیتعلم علم المجوس"[20] یعنی فیثاغورس مجوسیوں کا علم حاصل کرنے کی غرض سے کلدانیوں کے یہاں گیا۔

ان تمام بیانات کو سامنے رکھکر ہم ایران کے علمی ماحول کا اندازہ لگا سکتے ہیں۔

علمی تعلقات

تاریخ علوم کے پورے ذخیرہ سے قطع نظر اگر صرف ابن ندیم، قفطی، شہرستانی اور عبد اللہ آفندی کی کتابوں پر گہری نظر ہو تو فلاسفہ کے باہمی علمی روابط کو بخوبی جانا جاسکتا ہے اور یہ بھی معلوم کیا جاسکتا ہے کہ ہندوستانی، ایرانی، اور یونانی غرضیکہ ہر جگہ کے فلاسفہ نے دوسرے سے استفادہ کیا ہے۔ علامہ شہرستانی لکھتے ہیں: "ان الاصل فی الفلسفة والمبدأ فی الحکمة للروم وغیرهم کالعیال لهم" کہ فلسفہ کی اصل اور حکمت کی جڑ اہل روم ہیں اور ان کے غیر عیال کی حیثیت رکھتے ہیں۔

اس بیان کو سامنے رکھ کر اگر تاریخ کی ورق گردانی کی جائے تو یہ یقینی بات معلوم ہوگی کہ ان قوموں کے درمیان بڑے ہی گہرے علمی روابط تھے کیونکہ اگر ہم "ثالیس" ملطی کو مصر میں علم حاصل کرنے کے لئے سیر کرتا ہوا پاتے ہیں تو "دیمقراطیس" کو مصر، حبشہ، بلاد عجم (یعنی فارس، کیونکہ

صاحب حماۃ (متوفی) لکھتے ہیں: "دلیقال ان ضحاك اول من بنی بابل" کہا جاتا ہے کہ ضحاک پہلا بادشاہ ہے جس نے بابل کو تعمیر کرایا۔

پھر گستاسپ کے زمانہ میں علوم کو کافی ترقی ہوئی۔ اور علمار کی ایک بڑی جماعت لکھنے پڑھنے میں مصروف رہنے لگی اس دور میں نجوم، ہیئت، طب اور فلسفہ وغیرہ بام عروج پر پہنچ چکے تھے۔ گستاسپ کے زمانہ ہی میں زرتشت (zoroster) ایک نبی کی حیثیت سے ظاہر ہوئے، پھر کیا تھا تمام علمار کا شیرازہ منتشر ہو گیا۔ ہر شخص اپنی جگہ سرداری کا دم بھرنے لگا۔ تاہم ایک جماعت ایسی موجود رہی جس نے اپنے علمی اشتغال کو ترک نہ کیا۔ اس کے بعد کے ادوار میں فلسفیوں نے منطق تک رسائی حاصل کی ہوگی۔ کیونکہ دیمقراطیس (۴۶۶۔ ۵۷سق م) اسی دور میں علمی سیاحت کے لئے آیا تھا۔ اور اس کو علم ہیئت، منطق اور قدیم فلسفہ کی تلاش تھی۔ اس وجہ سے کہ وہ منطق کی معمولی تعلیم اپنے دونوں اساتذہ "ماجیہ" اور "کلدیانیہ" (جن کا ذکر آرہا ہے) سے حاصل کر چکا تھا۔ اس سے صاف ظاہر ہے کہ اس نے اعلیٰ تعلیم کے لئے ہی فارس، حبشہ اور ہند وغیرہ کا سفر کیا تھا۔

"ہرمس ثانی" بابل کے ذکر کے بعد قفطی لکھتے ہیں: "ومدینۃ الکلدانیین هذه مدینۃ الفلاسفۃ من أهل المشرق وفلاسفتهم اول من حدا د الحدود ورتب القوانین وهم فلاسفۃ الفرس حذاق"[18] کلدانیوں کا شہر اہل مشرق کے فلاسفہ کا شہر ہے۔ یہیں کے فلاسفہ ہیں جنھوں نے پہلے پہل حدود متعین کئے اور قوانین مرتب کئے۔ اور یہ لوگ فارس کے ماہر فلاسفہ ہیں۔

اب اگر یہ بیان عبداللہ آفندی کے اس بیان سے ملا کر پڑھا جائے جو انھوں نے "دیمقراطیس" ملطی کے بارے میں لکھا ہے کہ اس نے ماجیہ اور کلدانیہ سے (جن کو اجزکسیس بادشاہ نے دیمقراطیس کے باپ کے پاس اس وقت چھوڑ دیا تھا۔ جب وہ یونان سے جنگ کے لئے آیا تھا اور اس کا باپ اس کے پاس گیا تھا) علم منطق اور علم ہیئت حاصل کیا تھا۔[19] اور اس کی سیاحت

کی رعایت کیے ہوئے ہوئی تھی۔ لیکن جلد ہی وہ زمانہ آ گیا جب وہ زبانوں پر جاری ہو گئی۔ اس کے قوانین و قواعد دھیرے دھیرے اپنے اندر استحکام پیدا کرنے لگے، اور مستقبل قریب میں وہ دور آنے والا تھا، جس میں کچھ ایسے اہل علم پیدا ہوئے۔ جنھوں نے اس فن کی اچھی طرح ترویج و اشاعت کی اور اس میں تنوع ہی نہیں پیدا کیا بلکہ اسے ضبط تحریر میں لانے کی کوششیں شروع کر دیں۔ آگے چل کر منطق کے تدوینی دور کا ذکر آئے گا۔

منطق کے ارتقائی ادوار

منطق ایک طویل زمانہ تک عقلوں اور ذہنوں میں اس طرح پیوست رہ کر اپنا کام کرتی رہی کہ کسی فلسفی کے دماغ میں منطق کے نام تک کا تصور نہ ہو سکا، یہ دور بہت زیادہ لمبا رہا۔ کیونکہ یہ آدم علیہ السلام سے ساتویں اور چھٹی صدی قبل مسیح تک پھیلا ہوا ہے۔ اس کے بعد وہ زمانہ آیا جب فلسفیوں نے منطق کو تصوری حیثیت سے بلا کسی شعور کے جانا اور اپنی زبانوں پر اس کے مسائل فطری طور پر برابر لاتے رہے۔ لیکن یہ زمانہ بہت تھوڑا رہا۔ آخر وہ وقت آگیا جب انھوں نے فکری ممارستوں اور ذہنی کاوشوں سے دماغ کو وسیع کر لیا اور یہ جاننے لگے کہ یہی تصوری مسائل، جن کو ہم برابر جانتے رہے ہیں۔ دراصل ہمارے فکر کو غلطی میں واقع ہونے سے بچاتے رہے ہیں۔ پھر انھوں نے اپنی اپنی زبانوں میں اس نطق ظاہری اور باطنی میں سدھار پیدا کرنے والے اختراعی قانون کا ایسا نام رکھ لیا جو اپنے کام کو خود بتا رہا ہو مثلاً منطق۔
اس پر بھی تھوڑا ہی وقت گذرا تھا کہ لوگوں کو یہ فکر ہوئی کہ ان مسائل کو پراگندہ شکل میں پڑا رہنے دینا مناسب نہیں ہے۔ بلکہ اسے ضبطِ تحریر میں لانا چاہیئے۔ چنانچہ ہر جگہ کے فلاسفہ نے آگے پیچھے اس کی ضرورت شدت کے ساتھ محسوس کی اور اس کو تحریری شکل دیدی۔ یہ الگ بات ہے کہ ہم کو صرف یونانی منطق کا قلیل ترین حصہ تحریری شکل میں دستیاب ہو سکا جیسا کہ "بیکن" (۱۵۶۱ — ۱۶۲۶ء) نے اپنے ایک مضمون میں تحریر کیا ہے کہ "جب وحشی اقوام نے رومی سلطنت

عجم کا اطلاق عام طور پر اسی پر ہوتا ہے) کلدیہ اور پھر ہند میں قدیم فلسفہ کے شیدائی کی حیثیت سے چکر لگاتا ہوا دیکھتے ہیں۔ یہی نہیں بلکہ "فیثاغورس" کو کلدیہ کا اور فیثاغورس کی درسگاہ کے ماہر فن طالب علم کو ہندوستان میں معلم کی حیثیت سے دیکھتے ہیں جس سے ایک برہمن علوم عقلیہ حاصل کرتا ہے اور معلم کی وفات کے بعد برہمن کو سرداری ملتی ہے چنانچہ علامہ شہرستانی رقمطراز ہیں:

کان لفیثاغورس الحکیم الیونانی تلمیذ یدعی "قلانوس" قد تلقی الحکمة عنه وتلمذ له ثم صار الی مدینة من مدائن الهند، واشاع بها رای فیثاغورس، وکان برهمنن رجل جید الذهن، ناقد البصر، صائب الفکر، راغبا فی معرفة العوالم العلویة قد اخذ من قلانوس الحکیم حکمة واستفاد منه علمه وصنعته، فلما توفی قلانوس تراس برهمنن علی الهند کلهم[۲۱]

حکیم یونانی فیثاغورس کا ایک شاگرد "قلانوس" نامی تھا اس نے اس سے حکمت حاصل کی اور اس کی شاگردی اختیار کی پھر وہ ہند کے ایک شہر میں گیا اور وہاں فیثاغورس کی رائے کی اشاعت کی۔ ایک برہمن، ذہین، نقاد طبیعت، صائب الفکر اور عالم علوی کی معرفت میں رغبت کرنے والا تھا، اس نے قلانوس حکیم سے حکمت حاصل کی اور اس کے علم اور صنعت سے استفادہ کیا، جب قلانوس کی وفات ہوگئی تو برہمن نے پورے ہند کی سرداری کی۔

اتنا ہی نہیں بلکہ ابن ندیم کے بیان کے مطابق، ایران سے، ہند، چین اور یونان کے فلاسفہ نے استفادہ کیا ہے، سکندر مقدونی کے دور میں تو مسعودی کی تصریح کے مطابق یونان کے حکماء ہند آئے اور مناظرہ ہوا جن کی تفصیل کتب ارسطو میں ملے گی، نیز شہاب الدین نویری (۶۷۷-۷۳۲ھ) کے بیان کے مطابق سکندر مقدونی کی موت کے وقت اس کے آس پاس ہند، فارس اور یونان کے حکماء موجود تھے[۲۲] جس کا مطلب یہ ہوا کہ وہ ہر جگہ کے فلاسفہ اور حکماء کو اپنے ساتھ ہمیشہ رکھتا تھا۔

منطق کی حالت یہ قریب قریب اس دور کی باتیں تھیں جب منطق اپنے ابتدائی مراحل طے کر رہی تھی۔ وہ اس وقت ذہنوں میں مرکوز تھی جس سے فکر مستقیم کی طرف ہدایت بلا کسی قانون

دوسرا دور : اردشیر کے دور سلطنت سے عہد ابوجعفر منصور عباسی (آٹھویں صدی عیسوی کے نصف اول) تک :

اسے ہم عہد قدیم قرار دیتے ہیں۔ اس کے بعد ابوجعفر منصور عباسی کے دور سے عہد نقل و ترجمہ شروع ہوتا ہے۔

مسلمان افریقہ، یورپ اور ایشیا کے ایک عظیم حصہ پر غالب آجاتے ہیں اور ہر گوشہ میں علم منطق کو ترقی ہوتی ہے۔ اس دور کو جو آٹھویں صدی عیسوی کے نصف آخر سے انیسویں صدی عیسوی . . . . کے آخر تک پھیلا ہوا ہے۔ ہم عہد وسطیٰ قرار دیتے ہیں۔ اسی دوران مغرب میں منطق کی ابتدا، بوتھیس (۴۸۰ء — ۵۲۵ء) کے ترجمہ کے ذریعہ نویں اور بارہویں صدی عیسوی کے درمیان ہوتی ہے جس کا سلسلہ انیسویں صدی تک وسیع ہے۔ اور پھر منطق کا عہد جدید شروع ہوجاتا ہے۔

پہلا دور

(الف)

یونان : پچھلے صفحات میں بتایا جاچکا ہے کہ منطق صحیح طریقے پر غور و فکر کرنے کی صلاحیت پیدا کرنے والی ایک قوت ہے۔ اس حیثیت سے اگر اس پر نظر ڈالی جائے تو بلا کسی شک کے کہا جاسکتا ہے کہ منطق قوتِ انسانیت کی ضمیر میں رکھدی گئی ہے۔ لیکن ہمیں بحث اس سے کرنی ہے کہ اوّلاً اس قوت کو کس نے پہچانا۔

مورخین اس بات پر متفق نظر آتے ہیں کہ یونان کا سب سے پہلا فلسفی تالیس ملطی ہے۔ لیکن اس سلسلے میں کوئی صراحت نہیں ہے کہ اس نے منطق کو بھی جانا اور اس پر اظہار خیال کیا۔ البتہ دیمقراطیس (۴۶۲ — ۳۵۷ ق م) نے "ماجیہ" اور "کلدیانیہ" سے علم منطق کی تحصیل ضرور کی تھی۔ جس کی بنا پر دیمقراطیس یونان کا سب سے پہلا منطقی قرار پاتا ہے اور وہ بھی منطق میں

کا خاتمہ کر دیا۔ تو علوم وفنون کا جہاز سینۂ سمندر پر تیرتا ہوا پھٹ گیا۔ پھر اس کے وزنی ٹکڑے ڈوب گئے۔ اور ہلکے ٹکڑے باقی بچ نکلے۔ یعنی ارسطو اور افلاطون کی تصانیف تو انقلاب زمانہ کے باوجود ضائع نہ ہوئیں اور بقیہ علوم کا پورا دفتر ضائع ہوگیا۔(۲۳)

لیکن اس رائے سے پورے طور پر اتفاق ضروری نہیں۔ کیونکہ افلاطون وارسطو کی تصنیفات کا جو حصہ ہمیں ہاتھ لگا ہے اس سے قطعاً پتہ نہیں چلتا کہ ان کی تمام کتابیں ہم پا بھی گئے ہیں۔

یہ تو یونانی قوم کے تمام علوم کا حشر ہوا۔ لیکن باقی قوموں کا علمی سرمایہ اس سے بھی زیادہ خطرہ میں پڑا حتی کہ ان کی منطق مدون ہونے کے باوجود ہمیں نہ مل سکی۔

ذیل میں ہم منطق کے مختلف ادوار کی تعیین کر رہے ہیں تاکہ منطق کی تاریخ کا ایک اجمالی خاکہ سامنے آجائے۔

(۱) یونان میں تدوینی دور فیلبس مقدونی (سکندر مقدونی کا باپ) کے عہد سلطنت کا نصف آخر

(۲) ہندوستان میں تدوینی دور عہد موریا کا وسط تقریباً

(۳) ایران میں تدوینی دور کیبنی دور حکومت کا نصف غالباً

پھر ان میں سے ہر ایک کے دو، دو ادوار ہیں :

یونان : پہلا دور : فیلبس کے عہد حکومت بطالسہ کے آغاز (۳۰۶ ق م) تک

دوسرا دور : سلطنت بطالسہ کی ابتدار (۳۰۶ ق م) سے عہد ابوجعفر منصور عباسی (آٹھویں صدی عیسوی کے نصف اول) تک۔

ہندوستان : پہلا دور : سلطنت موریا کے وسط سے چھٹی صدی عیسوی تک۔

دوسرا دور : ساتویں صدی عیسوی سے دسویں صدی عیسوی تک

ایران : پہلا دور : کیبنی حکومت کے وسط سے اردشیر بن بابک کے دور حکومت (۲۲۶ء۔ ۲۴۱ء) تک۔

شیخ الاسلام ابن تیمیہؒ (۶۶۱ - ۷۲۸ھ) کہتے ہیں: "وقد كانت الامم قبلهم (واضعی المنطق) تعرف حقائق الاشياء بدون هذا الوضع"[۲۵] کہ بہت سے لوگ منطق وضع کرنے سے پہلے ہی حقائق اشیاء کو جانتے تھے۔

(باقی آئندہ)

حوالہ جات وحواشی

(۱) طبقات الامم ص۹ طبع مصر ۔ واخبار العلماء باخبار الحکماء ص۲۱ طبع مصر ۱۳۲۶ھ ۔ اس کتاب کے سلسلے میں حیرت انگیز انکشاف پروفیسر مصطفیٰ عبدالرازق مصری نے تمہید لدراسۃ الفلسفۃ الاسلامیہ ص۳۸ (طبع مصر ۱۹۴۴ء) میں کیا ہے، وہ حاشیہ میں لکھتے ہیں کہ "کتاب اخبار العلماء باخبار الحکماء طبع مصر ۱۹۴۸ء منسوب بہ قاضی جمال الدین قفطی (متوفی ۶۴۶ھ) دراصل ان کی کتاب نہیں ہے بلکہ یہ محمد بن علی خطیبی، زوزنی کی مختصر ہے، اصل کتاب کے اختصار سے یہ ۶۴۷ھ میں فارغ ہوئے تھے اور زوزنی صاحب کا صرف نام ہی نام جانا جاتا ہے۔ یہ کوئی مشہور آدمی نہیں ہیں۔

(۲) ملل ونحل ج ۱ ص ۲۳۱ طبع مصر ۱۲۶۳ھ (۳) تمہید ص ۳۸

(۴) ملل ونحل ج ۱ ص ۲۲۱ (۵) تاریخ الفلاسفہ ص ۴ طبع قسطنطنیہ ۱۳۰۲ھ

(۶) ملل ونحل ج ۱ ص ۲۳۶ و اخبار الحکماء ص ۱۲ (۷) ملل ونحل ج ۱ ص ۲۴۰

(۸) تاریخ الفلاسفہ ص ۶۸ (۹) تاریخ فرشتہ ج ۱ (مقدمہ) ص ۲۴

(۱۰) ایضاً ص ۲۷ (۱۱) مزید تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو "ہندوستانی تمدن" ج ۱

(۱۲) طبقات الامم ص۱۵، ۱۶ و اخبار الحکماء ص ۱۷۵

(۱۳) الفہرست ص ۲۷ (۱۴) ضحی الاسلام ج ۱ ص ۲۳۵

(۱۵) الفہرست ص ۱۹ (۱۶) ایضاً ص ۳۳۲

دوسروں کا شاگرد رہے۔

تاریخ ہماری رہنمائی صرف یہیں تک کرتی ہے۔ اس کے بعد یہ تلاش کرنا کہ پہلا منطقی کون ہے۔ عقل کو حیرانی میں ڈالنے کے سوا کچھ نہیں۔ بعضوں نے ایک قدم اس سے آگے بڑھایا اور منطق کا شجرہ لقمان حکیم تک پہنچا دیا۔ حالانکہ اس پر کوئی دلیل نہیں ہے۔

اتنا تو بہرحال مسلّم ہے کہ یہ منطق کو پہچاننے والی اولین شخصیتیں نہیں ہیں۔ بلکہ کوئی شخصیت ان کا اصلی ماخذ ہے لیکن تاریخ نے ہمیں اس کے علم سے محروم کر دیا۔ "دیمقراطیس" بڑا نکتہ شناس تھا۔ جس کا اندازہ اس واقعہ سے لگایا جاسکتا ہے۔ جسے عبداللہ آفندی نے نقل کیا ہے کہ بہت زیادہ ہنسنے کی وجہ سے لوگوں کو اس کی دماغی خرابی کا شبہ ہوا۔ تو انھوں نے "بقراط حکیم" کو دوا کرنے کے لئے بھیجا، اس نے جب دودھ کا پیالہ پیش کیا تو دیمقراطیس نے کہا کہ یہ دودھ تو پہلی مرتبہ بچہ جننے والی کالی بکری کا ہے جس پر تمام لوگوں کو سخت حیرت ہوئی، غرضیکہ ایسے شخص نے علم منطق جیسے نئے اور مشکل الحصول علم کے مل جانے کے بعد اس میں جدت طرازی سے کام نہ لیا ہو۔ یا اپنے تلامذہ کو اس علم سے استفادہ کا موقعہ نہ دیا ہو۔ بعید از قیاس ہے۔

یہ احتمالات قرائن کی روشنی میں حقائق کے درجہ تک پہنچ جاتے ہیں۔ جن سے اتنی بات تو بہرحال جانی جاسکتی ہے کہ منطق کی تعلیم ارسطو کے استخراج اور تدوین سے پہلے ہی رواج پا چکی تھی۔ چنانچہ ابن خلدون (۷۳۲ ـ ۸۰۸ھ) کا نظریہ بھی یہی ہے وہ لکھتے ہیں:

وتکلم فیہ (المنطق) المتقدمون اول ما تکلموا بہ جملاً جملاً ومتفرقاً ولم تھذب طرقہ ولم تجمع مسائلہ، حتی ظہر فی یونان ارسطو فھذب مباحثہ، ورتب مسائلہ وفصولہ (۲۴)

متقدمین نے منطق پر اولاً جو کچھ کلام کیا وہ الگ الگ اور متفرق طریقے پر چند باتیں تھیں، (اولاً) نہ تو منطق کے راستے ہموار تھے اور نہ ان کے مسائل ہی یکجا تھے حتی کہ یونان میں ارسطو ظاہر ہوا اور اس نے مباحث منطق کی نوک و پلک کو سنوارا اور اس کے مسائل اور فصول کو مدون کیا۔

۱۹۵۴ء حیات شیخ عبدالحق محدث دہلوی ۔ العلم والعلماء ۔ اسلام کا نظام عفت و عصمت ۔
تاریخ صقلیہ ، تاریخ ملت جلد نہم

۱۹۵۵ء اسلام کا زرعی نظام ، تاریخ ادبیات ایران ، تاریخ علم فقہ ، تاریخ ملت حصہ دہم ، سلاطین ہند اول
تذکرہ علامہ محمد بن طاہر محدث پٹنی

۱۹۵۶ء ترجمان السنہ جلد ثالث ۔ اسلام کا نظام حکومت (طبع جدید دلپذیر ترتیب) جدید بین الاقوامی
سیاسی معلومات جلد دوم خلفائے راشدین اور اہل بیت کرام کے باہمی تعلقات

۱۹۵۷ء لغات القرآن جلد پنجم صدیق اکبر ، تاریخ ملت حصہ یازدہم سلاطین ہند دوم انقلاب روس اور روس انقلاب کے بعد

۱۹۵۸ء لغات القرآن جلد ششم سلاطین دہلی کے مذہبی رجحانات ، تاریخ گجرات ، جدید بین الاقوامی سیاسی معلومات جلد سوم

۱۹۵۹ء حضرت عمرؓ کے سرکاری خطوط ، ۱۸۵۷ء کا تاریخی روزنامچہ جنگ آزادی ۱۸۵۷ء ، مصائب اور ان کا علاج

۱۹۶۰ء تفسیر مظہری اردو پارہ ۲۹ ۔ ۳۰ ۔ حضرت ابوبکر صدیقؓ کے سرکاری خطوط
امام غزالی کا فلسفۂ مذہب و اخلاق ۔ عروج و زوال کا الٰہی نظام ۔

۱۹۶۱ء تفسیر مظہری اردو جلد اول مرزا مظہر جان جاناں کے خطوط ۔ اسلامی کتب خانے عرب دنیا ۔
تاریخ ہند پر نئی روشنی

۱۹۶۲ء تفسیر مظہری اردو جلد دوم ۔ اسلامی دنیا دسویں صدی عیسوی میں معارف الآثار ۔
نیل سے فرات تک ۔

۱۹۶۳ء تفسیر مظہری اردو جلد سوم ۔ تاریخ ردہ ، سرکشی ضلع بجنور ۔ علماء ہند کا شاندار ماضی اول

۱۹۶۴ء تفسیر مظہری اردو جلد چہارم حضرت عثمانؓ کے سرکاری خطوط ، عرب و ہند عہد رسالت میں ۔
ہندوستان شاہان مغلیہ کے عہد میں ۔

۱۹۶۵ء ہندوستان میں مسلمانوں کا نظام تعلیم و تربیت جلد اول ۔ تاریخی مقالات
لامذہبی دور کا تاریخی پس منظر ۔ ایشیا میں آخری نوآبادیات

۱۹۶۶ء تفسیر مظہری اردو جلد پنجم ۔ رموز عشق ۔ خواجہ بندہ نواز کا تصوف و سلوک ۔
ہندوستان میں عربوں کی حکومتیں ۔

۱۹۶۷ء ترجمان السنہ جلد چہارم ، تفسیر مظہری اردو جلد ششم ، حضرت عبداللہ بن مسعود اور ان کی فقہ

۱۹۶۸ء تفسیر مظہری اردو جلد ہفتم ، تین تذکرے ۔ شاہ ولی اللہؒ کے سیاسی مکتوبات
اسلامی ہند کی عظمت رفتہ ۔

۱۹۶۹ء تفسیر مظہری اردو جلد ہشتم ، تاریخ الفخری ، حیات ذاکر حسین ۔ دین الٰہی اور اس کا پس منظر

۱۹۷۰ء حیات عبدالحی ، تفسیر مظہری اردو جلد نہم ۔ مآثر و معارف ، احکام شرعیہ میں حالات زمانہ کی رعایت ۔

۱۹۷۱ء تفسیر مظہری اردو جلد دہم بیماری اور اس کا روحانی علاج ۔ خلافت راشدہ اور ہندوستان

۱۹۷۲ء فقہ اسلامی کا تاریخی پس منظر ۔ انتخاب الترغیب والترہیب ۔ اخبار التنزیل
عربی لٹریچر میں قدیم ہندوستان

(۱۷) تقویم البلدان ص ۳۰۳ طبع پیرس ۱۸۴۰ء
(۱۸) اخبار الحکماء ص ۲۲۷
(۱۹) تاریخ الفلاسفہ ص ۶۸
(۲۰) ایضاً ص ۵۳
(۲۱) ملل ونحل ج ۲ ص ۱۲۲
(۲۲) نہایۃ الارب فی فنون الادب ج ۱۵ ص ۲۵۳ طبع مصر ۱۹۶۳ء
(۲۳) تاریخ فلسفہ (از کلیمنٹ سی۔ جے۔ ویب مترجم مولوی احسان احمد) ص ۳۹
(۲۴) مقدمہ ابن خلدون مع تعلیق علی عبدالواحد وافی ص ۱۲۳۷ طبع ثانی

d. No. D. (D) 231 Phone 262815 DECEMBER 1975

Subs. Rs. 15-00 Per Copi Rs.1-50

حکیم مولوی محمد ظفر احمد خاں پرنٹر پبلشر نے یونین پرنٹنگ پریس دہلی میں طبع کرا کر
دفتر برہان اردو بازار جامع مسجد دہلی ۶ سے شائع کیا۔